مکتبہ عظیمیہ اُردو بازار لاہور کی مطبوعات

حضور قلندر بابا اولیاءؒ

رباعیات

خواجہ شمس الدین عظیمی

توجیہات　قوس قزح　روحانی ڈاک (جلد اول تا چہارم)　اسمِ اعظم

پیراسائیکالوجی　خواتین کے روحانی مسائل　محبُوب بغل میں

میاں مُشتاق احمد عظیمی

یارانِ طریقت　بیماریوں کے پانچ جدید علاج　خانقاہی نظام　اللہ کی تجلی

آداب مریدین　اللہ کے دوست　راہِ سلوک　میں اور میرا مُرشد زیرِطبع

مونس خان عظیمی

اللہ رکھی　پیر حاضر شاہ

رُوحیں بولتی ہیں　باجی سعیدہ خاتون عظیمی　تین سمندر　چوہدری شاہد نذیر

تذکرہ غوثیہ　گل حسن شاہ　اپنے مُراد کے ہمراہ ایک سفر　مقصود الحسن عظیمی

برائے رابطہ: مکتبہ عظیمیہ ۱۵۸-مین بازار مزنگ لاہور۔ فون: ۷۲۳۳۵۴۱

اللہ رکھی

محمد مونس خان عظیمی

نام کتاب	اللہ رکھی
ناشر	مکتبہ عظیمیہ اردو بازار لاہور
مصنف	محمد مونس خان عظیمی
کمپوزنگ	ہاشمی کمپوزنگ سنٹر، فاروق مارکیٹ اردو بازار لاہور
قیمت	120 روپے
فون برائے رابطہ	7243541
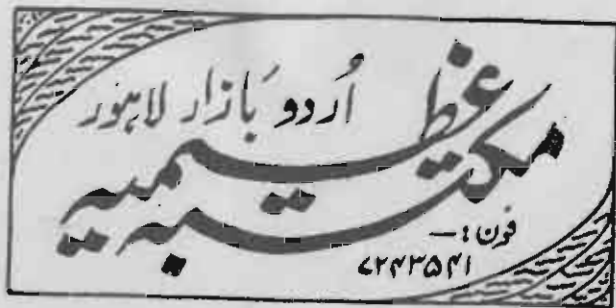
انتساب

"اس عورت کے نام جو ہر مرد کی ماں ہے۔"

فہرست

ترتیب و پیشکش

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ عورت کی صلاحیتوں کے بارے میں اختلاف کا آغاز ۴ ہزار سال قبل مسیح میں ہوا۔ اسی وقت سے مرد نے عورت کے معاشرتی مسائل کو مذہب اور سیاست کی نظر سے دیکھنا شروع کردیا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اندھی تقلید کرنے والے ہر اس نشان کو معاشرے سے نکالنے کی جدوجہد میں مصروف رہے جس کا تعلق کسی بھی طرح عورت کی اہمیت اور حاکمیت سے تھا۔

باطنی علوم کی روشنی میں عورت اور مرد دونوں ایک ہیں۔ اعضاء و جوارح کا مجموعہ جسم بھی ایک ہے ان کی ظاہری اور باطنی قوتیں اور ان کے نتائج بالکل ایک سے ہیں۔ ہر عورت مرد ہے اور ہر مرد عورت ہے۔ یعنی ہر عورت کے اندر مرد چھپا ہوا رخ اور ہر مرد کے اندر عورت چھپا ہوا رخ ہے۔ اس لئے دونوں کو انسان کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یعنی مونث و مذکر کا مجموعہ انسان ہے۔ قرآن میں "یاَ اَیُّھَا النّاس" سے مراد مرد اور عورت دونوں ہیں۔ آدم کی اولاد صرف مرد ہی نہیں عورت بھی ہے۔ آدم کا مطلب صرف آدم اس لئے نہیں کہ کوئی بھی تخلیق حوا کے بغیر نہیں ہوئی۔ ہزاروں سال پہلے جب لوہے کا سراغ ملا اور لوہے سے ہتھیار بنے اس وقت سے مرد نے عورت کی حاکمیت کو چیلنج کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ مادری نظام کی بجائے پدری نظام قائم ہوگیا کیونکہ معاشرت میں پدری نظام کا عمل دخل کردیا گیا اس لئے بنی آدم کو آدم کہا گیا۔ حالانکہ قرآن پاک میں مرد عورت کی وحدت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"اس نے تم (سب مرد عورت) کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورت پھیلا دیئے"۔

موجودہ دور تحقیق و تلاش اور تفکر کا دور ہے۔ سائنسدان آج جس مقام پر فائز ہیں اس کی وجہ ہی تفکر اور تحقیق ہے۔ سنجیدہ سائنسدانوں نے غوروفکر کے بعد انسان

کو نصف مرد اور نصف عورت قرار دیا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ مرد میں عورت چھپی نہ ہو اور عورت میں مرد پوشیدہ نہ ہو۔ جنم لینے والی شے میں جس کا اثر غالب ہوتا ہے ہم اسی اثر کے تحت اس کی جنس کا تعین کرتے ہیں اور اسی تعین کی وجہ سے اس کا نام مرد یا عورت رکھ دیتے ہیں۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ چھ ہزار سال قبل مسیح میں مکمل طور پر زمین پر عورت کی حکمرانی تھی عراق کی سرزمین پر "سومیری" قوم کے تمدن کو قدیم ترین انسانی تمدن سمجھا گیا ہے۔ کھدائی سے جو آثار دریافت ہوئے ہیں ان میں ایسی تختیاں برآمد ہوئی ہیں جن میں عورت کی حکومت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ان متعدد خواتین کے نام بھی ملے ہیں جنہوں نے مردوں پر حکومت کی تھی - خواتین انتہائی حسین اور دلکش ہونے کے ساتھ ساتھ سڈول جسم تھیں۔ ملکی حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ جنگ و جدل میں بھی ماہر تھیں۔ بتایا جاتا ہے کہ "تکلہ" عورت کی ایجاد ہے۔ جس کے ذریعے وہ دھاگہ بناتی اور کپڑے بنتی تھیں۔ پانچ ہزار سال قبل مسیح خواتین دھاگہ رنگنا بھی جانتی تھیں اس کے علاوہ خواتین بے شمار ایجادات کی موجد بھی ہیں۔

تاریخی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عورت اور مرد میں ذہنی اور فکری صلاحیتیں یکساں ہیں۔ ان کے اعمال کی سزا اور جزا بھی یکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ مرد اور عورت کی یکساں فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور قرآن پڑھنے والے مرد اور قرآن پڑھنے والیاں اور سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات دینے والے اور خیرات دینے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور نگہبانی کرنے والے شرمگاہ اپنی کی اور نگہبانی کرنے والیاں اور یاد کرنے والے اللہ کے بہت اور یاد کرنے والیاں' تیار کیا ہے اللہ نے واسطے ان کے بخشش اور اجر بڑا۔"
سورہ احزاب)

صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اکثر عورتوں کا تذکرہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ نساء ' سورۃ آل عمران میں حضرت مریم کا ذکر خیر موجود ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ کی بہن کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی خوش تدبیری سے اپنی والدہ کو حضرت موسیٰ کی پرورش کے لئے شاہی محل میں پہنچایا (توریت نے حضرت موسیٰ کی اس بہن کو نبیہ قرار دیا ہے) اسی طرح سورہ القصص اور سورہ تحریم میں آسیہؓ کا ذکر اور سورہ ہود میں حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم کی اہل بیت اور سورۃ نساء میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات کو قرآن نے خود مخاطب کیا ہے۔

آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی عظمت کا سرعام اعلان کیا اور اسے ہر جگہ اور ہر لحاظ سے مرد کے برابر اور مساوی حقوق کا حقدار ٹھہرایا۔ نبی آخر الزماںؐ کی رسالت برحق کے سلسلے میں سب سے پہلے ایک عورت' حضرت خدیجہؓ کی گواہی کو معتبر مانا گیا۔ مسلمانوں کو تیمم کی سہولت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بدولت حاصل ہوئی۔ واقعہ افک میں خود اللہ تعالیٰ نے ان کی رنب کے لئے آیت نازل کی۔ اسلام کی پہلی شہید ایک خاتون حضرت سمیہؓ تھیں۔

یہ ایک بڑی تاریخی حقیقت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والے قرآن نے تاریخ کی مظلوم ترین عورت والدہ یسوع مسیحؑ حضرت مریم کو وہی تقدس عطا کیا جو ابراہیمؑ' یونسؑ اور یوسفؑ کو دیا اور جس طرح ان کے تذکرے سے مزین سورتیں ان کے نام سے منسوب ہوئیں۔ اسی طرح جس سورت میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا ذکر کیا گیا اس کا نام سورہ مریم ہے۔ اگر قرآن حکیم کے نزدیک عورت کا مقام مرد سے کمتر ہوتا اور اس کی بزرگی اور عظمت مرد کے مساوی نہ ہوتی تو قرآن پاک کی یہ سورۃ حضرت مریمؑ کی بجائے حضرت عیسیٰ سے منسوب کی جاتی۔

جب روحانی علوم کا تذکرہ آتا ہے۔ اس وقت بھی مرد اور خواتین کی صلاحیتوں کو متنازعہ فیہ کہہ دیا جاتا ہے۔ مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی ہدایت پر میرے پیر بھائی عزیز سوگی العظیمی نے اولیاء اللہ خواتین کی حالات زندگی لکھنے شروع کئے ہیں۔ وہ اب تک دو سو سے زائد اولیاء اللہ خواتین کی حالات زندگی قلم بند کر چکے ہیں جبکہ عام طور پر ہمیں بتایا جاتا ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ روحانی خاتون ہیں اور آدھی قلندر ہیں۔ روحانی علوم کے علاوہ بے شمار خواتین کے حالات

زندگی تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں اس وقت تقریباً گیارہ بارہ ملک خواتین کی سربراہی میں قائم ہیں۔ خواتین کی صلاحیتوں پر غور کیا جائے تو ہمیں ہر شعبہ ہائے زندگی میں ان کی موجودگی ملتی ہے۔ خواتین سائنٹسٹ' انجینئرز' ڈاکٹر' پائلٹ ہیں خواتین بنکرز' وائس چانسلر' جج' وکلاء' کمشنر ہیں۔

غرض یہ کہ کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے کہ کہا جائے کہ عورت مرد سے پیچھے ہے۔ تاریخ خود کو دہراتی ہے۔ اب بھی مردوں کے اقتدار کا سلسلہ ختم ہونے کو ہے اور خواتین برسراقتدار آنے والی ہیں۔ ہم یہ نشاندہی اس لئے کر رہے ہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ مسلم خواتین آنے والے زمانے میں مردوں کی طرح غیر مسلم اقوام کے رحم و کرم پر نہ رہیں۔

"اللہ رکھی" ناول کی طرز پر لکھی گئی ایک ایسی کہانی ہے جس میں عورت کی صلاحیتوں کی بھرپور نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ کہانی میرے دوست عظیمی بھائی' محمد مونس خان عظیمی نے لکھی تھی جو قسط وار روحانی ڈائجسٹ میں شائع ہو چکی ہے۔ عزیز محترم محبوب علی عظیمی نگران مراقبہ ہال ابوظہبی اور یو اے ای نے عرس کے موقع پر محمد مونس خان عظیمی کے تذکرے میں مجھ سے کہا کہ محمد مونس خان کی خواہش تھی کہ ان کی زندگی میں اللہ رکھی کتابی صورت میں شائع ہو جائے ان کی یہ خواہش پوری کرنے کا جذبہ میرے اندر اتر گیا۔ میں یہ کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میری اس کاوش سے میرے بھائی محمد مونس خان عظیمی کی روح خوش ہوگی۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

میاں مشتاق احمد عظیمی
روحانی فرزند: حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی
مراقبہ ہال ۱۵۸ مین بازار' مزنگ لاہور
فون نمبر ۷۲۴۳۵۴۱

۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء

روحانی عورت

اس کہانی کا آغاز قیام پاکستان کے کئی برس بعد سے ہوتا ہے۔ اور گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ موجودہ دور تک پہنچتا ہے۔ اللہ رکھی کون تھی اور اب کہاں ہے۔ یہ تو آپ کو کہانی پڑھ کر ہی علم ہوگا۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ ساری کائنات ایک سسٹم کے تحت قائم ہے۔ یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ حکم الٰہی کے مطابق ہو رہا ہے اور اس حکم الٰہی کو بجالانے کے فرائض وہ حضرات انجام دے رہے ہیں جو اس سسٹم کو چلا رہے ہیں۔

کائناتی سسٹم یا تکوینی نظام کیا ہے۔ تصوف سے وابستہ لوگ بخوبی جانتے ہیں عام قاری کے لیے مختصراً" اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ جس طرح کسی منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر محکمہ قائم کیا جاتا ہے۔ جس میں اعلیٰ افسر سے لے کر چپڑاسی تک ہوتا ہے۔ اسی طرح اس نظام قدرت کو چلانے کے لیے "تکوینی نظام" قائم ہے جس میں اللہ کے بااختیار بندے کام کرتے ہیں۔ ان میں مجذوب بھی شامل ہیں۔

اِس نظام میں شامل لوگوں کا تشخص ان کی ذمہ داریوں کے مطابق ہوتا ہے۔ گویا اس نظام میں شامل ہونے والوں کی "پہچان" ان کے فرائض سے ہوتی ہے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لیجئے کہ جب تک حضرت موسیٰ کو منصب عطا نہیں ہوا تھا وہ صرف ایک "شہزادہ" کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن منصب نبوت پر فائز

ہوتے ہی آپ کی شخصیت نہ صرف قابل احترام ہوگئی بلکہ ہمیشہ کے لیے قائم و دائم ہو گئی۔ اور آپ نے اس منصب کے تحت عائد ہونے والے فرائض کو بخیروخوبی انجام دیا۔

اس نظام میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا درجہ نہایت ہی اعلیٰ وارفع ہوتا ہے اور ان کے تحت کام کرنے والوں میں جن وانس کے علاوہ فرشتے بھی شامل ہوتے ہیں۔

اس مختصر سی تمہید کا مقصد صرف یہ ہے کہ قارئین اس ہستی کو پیش نظر رکھیں جو اس کہانی کا مرکزی کردار ہے۔

میری ملاقات ایک ایسی خاتون سے ہو چکی ہے جن کا تعلق "نظام تکوینی" سے تھا اور جنہوں نے اس نظام میں عہدہ پانے کے بعد صدیوں کا سفر طے کیا۔ اور جو زمان ومکان کی قید سے آزاد ہو کر ہر دور میں موجود رہی ہے۔

یہ خاتون آج سے کئی برس قبل کے دور میں تھی اور ممکن ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی موجود ہو۔ جب کہ ہم "خلائی دور" میں داخل ہو چکے ہیں۔

اس کہانی کا آغاز یوں تو آج سے کئی سال قبل سے ہوتا ہے لیکن میں چونکہ اس کہانی سے دورجدید سے واقف ہوں لہٰذا اس کا آغاز بھی دورجدید سے کر رہا ہوں۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ پاکستان معرض وجود میں آچکا تھا۔ میں تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کراچی سے دور ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم تھا۔ اس گاؤں سے چند فرلانگ دور ایک شاہراہ گزرتی تھی اور اس شاہراہ کے

دوسری جانب قدیم طرز تعمیر کی ایک عمارت تھی۔ گو کہ یہ عمارت نہایت ہی شکستہ اور خستہ حال تھی۔ اس کے باوجود گاؤں کے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی اور اس کی وجہ "اللہ رکھی" تھی۔

میں نے صرف اللہ رکھی کا نام سنا تھا۔ محلّہ کی اکثر وبیشتر خواتین اپنے مسائل اور بیمار بچوں کو لے کر اس کے پاس جاتی تھیں۔ بیمار بچے جنہیں ڈاکٹروں کی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا تھا صبح وشام "اللہ رکھی" کی پھونک سے چند دنوں میں تندرست ہو جایا کرتے تھے۔ محلّہ کی خواتین بڑے ہی ادب واحترام سے اس کا نام لیا کرتی تھیں۔ وہ ان کے ہر درد کی دوا تھی۔

جن خواتین کے گھریلو مسائل اللہ رکھی حل کر چکی تھی اب وہ بڑی ہی خوشحال زندگی بسر کر رہی تھیں اور ان کے دلوں میں اللہ رکھی کے لیے بہت عقیدت تھی۔ وہ اس کے بارے میں طرح طرح کے مافوق الفطرت قصے سنایا کرتی تھیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ گاؤں کے بعض مرد بھی اس سے فیض اٹھا چکے تھے اور ان سب کے لیے اللہ رکھی نہ صرف حد درجہ قابل احترام تھی بلکہ اس کی خستہ حال جائے رہائش بھی قابل احترام تھی اور لوگوں نے اس کا نام "آستانہ اللہ رکھی" رکھ دیا تھا۔

مجھے روحانی لوگوں سے قطعی دلچسپی نہیں تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ سب ضعیف الاعتقاد قسم کے لوگ ہیں جنہیں اس چالاک عورت نے بے وقوف بنا رکھا ہے۔ ہمارے گھر میں جب بھی کوئی پڑوسن آتی اور اللہ رکھی کا تذکرہ کرتی تو میں اس کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اگر پڑوسن بتاتی کہ اس نے اللہ رکھی کے کمرہ میں

چاندنی جیسی روشنی دیکھی ہے تو میں فوراً ہی اس کی مادی توجیہہ پیش کر دیتا اور سمجھاتا کہ اس نے کمرے میں ریڈیم رنگ کرالیا ہوگا جو اندھیرے میں چمکتا ہے۔

اگر پڑوسن بتاتی کہ اس نے اللہ رکھی کے صحن میں لگے ہوئے درختوں میں بے موسم کے پھل لگے دیکھے ہیں تو میں ہنستے ہوئے کہتا کہ اس نے مصنوعی پھل لگادیے ہوں گے۔ غرض کہ میں اللہ رکھی کی کسی بھی کرامت کو ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ میرا ذہن ان باتوں کو مانتا ہی نہیں تھا۔

میں جانتا تھا کہ عورت جس کو ہمارے معاشرے میں ناقص العقل سمجھا جاتا ہے کس طرح "تصوف" کے اس مقام تک پہنچ سکتی ہے جو صرف مردوں کا خاصہ ہے۔ اس معاملے میں میری نظروں میں عورت کا درجہ ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ میں اسے ماں، بہن اور بیوی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔

دن یونہی گزرتے گئے۔ پھر اچانک مجھے بخار نے آلیا اور بخار بھی ایسا تھا کہ اترنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا حالانکہ شہر کے تمام مشہور ڈاکٹروں اور حکیموں کو دکھایا لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ دوا پینے سے بخار چار چھ گھنٹے کے لیے تو اتر جاتا تھا لیکن اس کے بعد پھر اسی تیزی سے چڑھ جاتا تھا۔

میری اس بیماری سے ہمشیرہ اور ان کے شوہر پریشان ہوگئے اور بالآخر تجویز ہوا کہ ایک بار اللہ رکھی کو بھی دکھا دیا جائے میں نے اس تجویز کی زبردست مخالفت کی۔ میں نے بہن اور بہنوئی کو سمجھایا کہ جب ماہر ڈاکٹر اور حکیم علاج نہ کرسکے تو یہ اللہ رکھی کس طرح بخار اتاردیگی۔ اس کے جواب میں ان دونوں نے کہا کہ دکھا دینے میں کیا حرج ہے۔ اور پھر یہ بخار تو تمہارے لیے جان لیوا ہوتا جا

رہا ہے۔ اگر اس کا علاج نہ ہوا تو جان جانے کا بھی خطرہ ہے۔

پھر میں نے خود بھی اپنی حالت پر غور کیا۔ واقعی اس بخار نے مجھے بے حد لاغر کر دیا تھا اور میں سوکھ کر کانٹا ہوتا جا رہا تھا۔ نقاہت اس قدر تھی کہ دس پندرہ قدم چلنے کے بعد سر چکرانے لگتا اور مجھے مجبوراً بیٹھنا پڑ جاتا۔ پھر مجھے اپنی زندگی بھی عزیز تھی۔ ابھی میں نے صرف زندگی کے پچیس بہاریں ہی دیکھی تھیں۔

ایک شام جب کہ سورج نے مغرب کی سمت سفر شروع کر دیا تھا۔ میں بہن کے ہمراہ اللہ رکھی کے آستانہ کی طرف چل دیا۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ کہ اس کا آستانہ آبادی سے دور سڑک کے کنارے واقع تھا۔ کبھی یہ ایک عالیشان عمارت تھی۔ لیکن اب خستہ حال اور شکستہ تھی۔ دور سے یہ عمارت بالکل کھنڈر نظر آتی تھی۔ اس کی برجیوں کے سرے گر چکے تھے اور دیواریں یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب گریں کہ جب گریں۔

یہ عمارت ایک اونچی سی جگہ پر واقع تھی اور صدر دروازہ تک پہنچنے کے لیے دس بارہ سیڑھیاں تھیں۔ ہمشیرہ مجھے آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھا کر اوپر لے گئیں۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور سامنے بڑا سا دالان نظر آرہا تھا جس میں گلاب اور چنبیلی کے پودے سلیقہ سے لگے ہوئے تھے۔ ان سے ذرا ہٹ کر چیکو اور موسمیوں کے درخت لہلہا رہے تھے۔ اس دالان کے آخری سرے پر سرخ اینٹوں سے ایک سہ دری بنی ہوئی تھی اور اس سہ دری کے درمیان میں ایک بڑا سا تخت بچھا ہوا تھا۔ میں ہمشیرہ کے ہمراہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دالان سے گزر رہا تھا۔ گلاب، چنبیلی، چیکو اور موسمیوں کی ملی جلی خوشبو نے میرے دماغ کو معطر کرنا

شروع کردیا- میں نے سوچا- یہ کیسی اللہ رکھی ہے جو باغ لگائے بیٹھی ہے- اللہ والے لوگ تو تارک الدنیا ہوتے ہیں-

تخت پر ایک بوسیدہ قالین بچھا ہوا تھا جس میں جگہ جگہ سوراخ تھے اور ان سوراخوں سے تخت کی لکڑی جھانک رہی تھی- ہمشیرہ نے مجھے تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں جونہی ہاتھ ٹیک کر اس پر بیٹھا چرچراہٹ کی آواز اس طرح پیدا ہوئی جیسے تخت ابھی زمین بوس ہو جائے گا- میں نے گھبرا کر اٹھنا چاہا لیکن ہمشیرہ نے تسلی دی اور کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کو کہا- اس کے بعد وہ بھی میرے سامنے ہی بیٹھ گئیں اور تخت ایک بار پھر چرچرا کر خاموش ہوگیا-

سہ دری بھی عمارت ہی کی طرح خستہ حال تھی- اس کی بعض محرابیں نیچے کو جھک آئی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ گرنے ہی والی ہیں- اینٹیں بھربھری مٹی کی مانند تھیں جو ہاتھ لگاتے ہی ریزہ ریزہ ہو جاتی تھیں- معلوم ہوتا تھا کہ یہ سہ دری بھی سینکڑوں سال پرانی ہے-

سہ دری کے آخر میں لکڑی کا ایک خوبصورت دروازہ تھا- اس کے اوپر بہترین نقش ونگار بنے ہوئے تھے لیکن لکڑی کا یہ دروازہ بھی زبان حال سے اپنی خستہ حالی کا رونا رو رہا تھا- میں نے اپنے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے ہمشیرہ سے کہا- یہ تو بہت ہی پرانا مکان دکھائی دیتا ہے-

ہاں- ہے تو بہت ہی پرانا- ہمشیرہ نے سہ دری پر سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا- پھر قدرے اچنبھے سے بولیں- سنتے ہیں یہ تالپور خاندان کے دور کی عمارت ہے-

تالپوروں کے دور کی- میں نے جملہ دہرایا- لیکن اللہ رکھی یہاں کیوں رہتی ہے-

وہ اسے اپنی جاگیر کہتی ہے- ہمشیرہ نے بتایا-

تالپور دور کی عمارت اس کی جاگیر کیسے ہو سکتی ہے- میں نے تعجب سے پوچھا-

چھوڑو- تمہیں اس سے کیا- ہمشیرہ نے سمجھایا- ویسے گاؤں والے سب ہی کہتے ہیں کہ انہوں نے شروع ہی سے اللہ رکھی کو اس عمارت میں رہتے ہوئے دیکھا ہے-

گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ رکھی ہمیشہ سے یہاں رہ رہی ہے- میں نے سوچا- ممکن ہے اس کے آباؤاجداد کا تعلق کسی تالپور بادشاہ سے رہا ہو- اور انہوں نے یہ عمارت بطور تحفہ اس کے خاندان کے کسی فرد کو دی ہو- جو نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی اللہ رکھی تک پہنچ گئی- میں اپنے انہی خیالات میں مگن تھا-

چند لمحہ بعد سہ دری کے آخر میں بند دروازہ ایک زبردست چرچراہٹ سے کھلا- اور اس کی اوٹ سے نکلنے والے چاند سے میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں- سفید چکن کا سندھی طرز کا بنا ہوا لباس پہنے وہ نہایت ہی خوش اندامی سے چلتی ہوئی آ رہی تھی- اس کا چہرہ بیضوی اور سرخ وسفید تھا- ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی مانند' ستواں ناک' ابھرے ہوئے سرخ گال' غزالی آنکھیں جن کے بھاری پپوٹوں پر کمان کی مانند خم کھائی ہوئی باریک بھنویں' کشادہ پیشانی اور سیاہ چمکدار

بال' غرض کہ وہ' قدرت کی صناعی کا بہترین شاہکار تھی- میں نے اسے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا- اس کے چہرہ پر ایسا تقدس آمیز حسن تھا کہ میں کوشش کے باوجود اپنی نگاہیں نہیں ہٹا سکا-

اس کے چہرے سے عمر کا اندازہ لگانا مشکل تھا- اس کا متناسب جسم دوشیزاؤں سے بدرجہا بہتر تھا- وہ نہایت ہی پروقار انداز میں چلتی ہوئی تخت کے قریب آئی- میری بہن نے نہایت ہی ادب سے سلام کیا- اس نے سلام کا جواب دیا- میرے کانوں میں اس کی آواز رس گھول گئی- اس کے تخت پر بیٹھنے کے بعد بہن نے بتایا- یہ میرا بھائی ہے- ایک مہینے سے بخار میں مبتلا ہے- ڈاکٹروں کو بھی دکھایا لیکن بخار اترنے کا نام ہی نہیں لیتا-

جس دماغ میں مادہ بھرا ہو- اس کا بخار کیسے اترے گا- اللہ رکھی نے شیریں لہجہ میں جواب دیا- اس نے ایک جملہ میں میری دلی کیفیت بتادی- اور میں نے جھینپ کر نظریں جھکالیں-

اب تمہارے پاس امید لے کر آئی ہوں- بہن نے التجا آمیز لہجہ میں کہا-

اب آہی گئی ہو تو کچھ کرنا ہی پڑے گا- اللہ رکھی نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا- پھر مجھ سے مخاطب ہوئی کیوں خان! میرا علاج کرو گے-

میں چونکا- اسے میرا نام کیسے معلوم ہوگیا- پھر میں نے سوچا ممکن ہے کہ کبھی بہن نے اس سے میرا تذکرہ کیا ہو- میں نے اقرار میں گردن ہلا دی-

اللہ رکھی نے میرے چہرہ پر ایک بھرپور نظرڈالی- اور اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے بولی- اس کے لیے تمہیں چند روز اسی وقت میرے پاس آنا پڑے گا-

آجایا کرے گا- میری بہن نے جواب دیا- اور میں نے بھی بالکل غیرارادی طور سے اقرار میں گردن ہلادی- مجھے رضامند دیکھ کر اس نے اپنا دایاں ہاتھ میری پیشانی پر رکھا اور گردن جھکا کر کچھ پڑھنے لگی- اللہ رکھی کا ہاتھ میری پیشانی پر تھا- اور اس کا لمس مجھے ایسا سرور بخش رہا تھا جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا- مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سکون واطمینان کی لہریں دماغ میں داخل ہو رہی ہوں-

چند لمحہ بعد اس نے میری پیشانی سے ہاتھ ہٹایا اور اس جگہ "پھونک" ماری- اس کی پھونک بادنسیم سے بھی زیادہ مسحور کن تھی- میں نے مست ہوکر آنکھیں بند کرلیں-

اب جاؤ- اللہ رکھی نے دلکش آواز سے کہا- کل پھر اسی وقت بھیج دینا-

اس نے آخری جملہ میری بہن سے مخاطب ہوکر کہا- میری بہن نے نہایت ہی ادب سے اس کو سلام کیا اور تخت سے اٹھ گئی- میں بھی کھڑا ہوگیا- اور پھر بہن میرا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے روانہ ہوگئی-

اللہ رکھی کی پھونک میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ اس دن کے بعد پھر مجھے بخار نہیں آیا- میں ایک ہفتہ تک برابر اس کے پاس وقت مقررہ پر جاتا رہا- میں ہمیشہ سہ دری میں پڑے ہوئے تخت پر جاکر بیٹھ جاتا تھا- اور اس کے چند لمحہ بعد اللہ رکھی آجاتی تھی-

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ اللہ رکھی کو میری آمد کا علم کس طرح ہو جاتا تھا- اسے سلسلے میں میری سمجھ میں ایک بات آتی تھی کہ چونکہ میں

ایک مقررہ وقت پر اس کے پاس جاتا ہوں اس وجہ سے وہ بھی اس متعین وقت پر برآمد ہوتی ہے۔

ایک ہفتہ کے اندر اندر نہ صرف میں بالکل تندرست ہوگیا بلکہ میرا رنگ وروپ بھی پہلے سے زیادہ نکھر گیا۔ میری بہن اور بہنوئی اسے اللہ رکھی کا کرشمہ کہتے تھے۔ جب کہ میں اسے ماننے کو قطعی تیار نہیں تھا۔ میں روحانی طریقہ علاج کا قائل ہی نہیں تھا۔ اس بارے میں میرے ذہن میں کئی سوالات تھے جن کی وضاحت اللہ رکھی سے چاہتا تھا۔ لیکن وہ پیشانی پر پھونک مار کر خاموشی سے اٹھ کر چلی جاتی تھی۔ اس ایک ہفتہ کے اندر مجھے اللہ رکھی سے لگاؤ پیدا ہوگیا۔ یہ محبت کا ایسا جذبہ تھا جس میں نفسانی خواہش کا دخل نہیں ہوتا۔ بس میرا دل چاہتا تھا کہ اس کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزاروں۔

ایک دن میری طبیعت بہت زیادہ گھبرانے لگی۔ میں نے سوچا گاؤں کے باہر ٹہل آؤں۔ لہٰذا اسی خیال سے گھر سے باہر نکلا اور گاؤں کی گلیوں سے ہوتا ہوا سڑک کی جانب آگیا۔ سڑک کے دوسری طرف اللہ رکھی کی بوسیدہ حویلی تھی۔ حویلی پر نظر پڑتے ہیں میرے قدم خودبخود اس کی جانب اٹھنے لگے۔ جوں جوں میں حویلی کے قریب ہوتا جا رہا تھا ہو حق کی ملی جلی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ اور جب میں حویلی میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ حویلی جو ہمیشہ پرسکون رہتی تھی ہنگامہ خیز بنی ہوئی ہے۔ اللہ رکھی آنکھیں بند کیے تخت پر دوزانو بیٹھی تھی اور تمام صحن اس کے معتقدین سے بھرا ہوا تھا۔ حاجت مندوں کا ایک جم غفیر تھا جو نیاز کے تھال سامنے رکھے، ہاتھ اٹھائے جھولی پھیلائے، اس کی "پھونک" کے

منتظر تھے۔ ان میں کچھ خواتین بھی تھیں جو اپنے شوہروں کے روزگار کی دعا کے لیے آئی تھیں۔ ان میں چند ایک نیم ماڈرن قسم کی بھی تھیں جن کے خاوندوں کو اللہ رکھی کی پہلی پھونک سے ترقی مل گئی تھی اور اب وہ مزید ترقی چاہتی تھیں۔

اس ہجوم میں چند طلباء بھی تھے جنہوں نے سارا سال آوارہ گردی کرتے اور غنڈہ گردی کرتے گزار دیا تھا اور اب امتحان میں کامیابی کی خاطر اللہ رکھی کی پھونک کے منتظر تھے۔ چند بے روزگار گریجویٹ اور گردش افلاک کے ستائے ہوئے نوجوان بھی تھے۔ ذرا فاصلے پر محفل سماع گرم تھی۔ چند تندرست وتوانا قوال ہارمونیم کے سروں اور گھنگھروؤں کی جھنکار پر سینہ پھلا پھلا کر ایک ہی مصرعہ کو بار بار دہرا رہے تھے۔ قوالوں کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے لوگ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہارمونیم اور ڈھول کے سر پر جھوم رہے تھے۔ شمال کی جانب ایک عمر رسیدہ لاغر سا شخص آسیب اتارنے میں مصروف تھا۔ وہ جھاڑو کو زمین کی مٹی میں لت پت کرتا اور حواس باختہ عورت کے جسم پر پھیر دیتا۔ آسیب زدہ عورت جو کسی خبیث روح کے زیراثر ہوتی چیخ پکار کر رہی ہوتی۔ جھاڑو کے جسم سے ٹکراتے ہی خاموش ہوجاتی۔

غرض "اللہ رکھی" ان سب کے دکھوں کا مداوا تھی۔ اس کی ذات روحانی تکلیفوں جسمانی بیماریوں اور اخلاقی برائیوں کو دور کرنے کے لیے "آب کوثر" تھی۔

میں کچھ دیر کھڑا یہ تماشا دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اللہ رکھی ہر مرض کی دوا کس طرح ہوسکتی ہے مجھے یہ سب کچھ بناوٹ تصنع اور دھوکا دکھائی

دے رہا تھا۔

میں نے اللہ رکھی کو قائل کرنے کی خاطر اس کے قریب جانا چاہا۔ لیکن اس کے تخت کو تو عورتوں اور مردوں نے گھیر رکھا تھا۔ ان عقیدت مندوں نے مجھے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ ان کی نظروں میں میں بھی کوئی حاجتمند تھا۔ اور قاعدہ کے مطابق اپنی باری کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ میں ایک دیوار کے سہارے کھڑا ہو گیا

پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجمع بھی کم ہونے لگا۔ عورتیں اور مرد ایک ایک کر کے آگے بڑھتے جاتے تھے۔ اللہ رکھی سے اپنا مدعا بیان کرتے۔ وہ ان کی پیشانی پر پھونک مارتی۔ اور وہ شخص یہ جان کر ہنسی خوشی چل دیتا کہ اب اس کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

جب میں اس کے قریب پہنچا تو مجمع چھٹ چکا تھا۔ میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ اللہ رکھی نے مجھے نیم وا آنکھوں سے دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ تم آگئے تمہارے آنے کا یہی وقت ہے۔

پھر اس نے میری پیشانی پر "پھونک" مارنے کے ارادہ سے منہ اٹھایا میں نے اسے ہاتھ کے اشارہ سے روکتے ہوئے کہا۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے

اچھا اب تم تندرست ہو گئے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ پھر اپنے قریب تخت پر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ بیٹھو۔

میں نے اس کے سامنے تخت پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ یہ سب کیا ہے۔

کہاں۔ اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

میں نے ملنگ جیسے لوگوں کی جانب نظر ڈالی اور بولا۔ یہ طرح طرح کے لوگ تمہارے پاس کیسے آنے لگے۔ طرح طرح کے لوگ۔ اس نے جملہ دہرایا۔ پھر قدرے زور سے ہنستے ہوئے بولی۔ کیسے لوگ آنے چاہئیں۔ اللہ والوں کے پاس یہ خرافات نہیں ہوتیں۔ میں نے بے ساختہ جواب دیا۔

پھر کہاں ہوتی ہیں۔ اس نے پوچھا۔

میں کوئی جواب دینے کے بجائے اس کا منہ تکنے لگا۔ اس نے سمجھانے والے لہجہ میں کہا۔ دنیا کے ستائے ہوئے۔ معاشرہ کے بگڑے ہوئے لوگوں کا اصل ٹھکانا اللہ والوں کا آستانہ ہی تو ہے۔ یہاں آکر انہیں سکون ملتا ہے۔ ان کے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ اگر میں بھی ان کی داد رسی نہ کروں تو پھر یہ لوگ کہاں جائیں گے۔ اچھا تو یہ بات ہے۔ میں نے کہا۔ پھر میں نے ایک اور بے تکا سوال کیا کیا تمہاری "پھونک" ان سب کے دکھوں کا مداوا ہے۔

اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ اس پھونک میں بہت تاثیر ہے۔ یہ "پھونک" ہی تو ہے جو اللہ نے گوندھی ہوئی مٹی میں ڈالی تھی جس سے نہ صرف آدمؑ میں جان پڑ گئی تھی بلکہ قیامت تک کے لیے نسل انسانی کا ارتقاء شروع ہو گیا۔

یہ تو ٹھیک ہے میں نے تائید کی۔ لیکن اس پھونک میں یہ تاثیر کہاں سے آگئی۔ کہ......

تم یہ کیوں نہیں سوچتے...... اللہ رکھی نے میری بات کاٹ کر کہا کہ روز اول کی پھونک آج تک جسم انسانی کو قائم و دائم رکھے ہوئے ہے۔ اور اس میں آج

بھی نہ صرف زندگی کی تاثیر موجود ہے بلکہ جسم انسانی میں پیدا ہونے والی تمام
ں کا تیر بہدف علاج بھی ہے۔

ین نہیں مانتا...... میں اکھڑے لہجہ میں کہا۔

ت ہو۔ اللہ رکھی نے مسکرا کر جواب دیا۔ تم جب تک روح کی
،۔ کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔

روح اور روحانیت یہ سب ڈھکوسلہ ہے۔ میں نے قدرے غصہ میں کہا۔

تم یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو۔ اللہ رکھی نے مسکرا کر پوچھا۔ تمہارے
پاس کیا ثبوت ہے۔

یہ ثبوت کیا کم ہے۔ میں نے جواب دیا...... کہ روحانیت کا دائرہ کار محدود
ہوتا ہے اور اس سے صرف ضعیف الاعتقاد لوگ ہی مستفید ہوتے ہیں۔

تو تم اس بات کو مانتے ہو کہ روحانیت لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اللہ رکھی
نے پوچھا۔

نہیں۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ جن لوگوں میں اعتماد نہیں
ہوتا۔ جن میں کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہی روحانیت کا سہارا لیتے ہیں
اور سمجھتے ہیں کہ پلک جھپکتے ہی ان کی حسب منشا کام ہو جائے گا۔

......اللہ رکھی نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو کہ ہر
حاجتمند ہنسی خوشی یہاں سے گیا ہے۔

لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا۔

میری "پھونک" ضائع نہیں جاتی۔ اللہ رکھی نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

پھر وہی "پھونک" میں نے چڑ کر کہا۔

تم اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اللہ رکھی نے میرے کاندھے پر ہاتھ
رکھ کر پیار سے سمجھایا۔ تم نے قرآن میں ابن مریمؑ کے بارے میں پڑھا ہو گا کہ
وہ مٹی کے پرندے بناتے تھے اور ان پر "پھونک" مارتے تھے جس کی وجہ سے ان
میں جان پڑجاتی تھی اور وہ فضا میں اڑ جاتے تھے۔

○

وقت کی اہمیت

اللہ رکھی کا یہ جواب سن کر میں سوچنے لگا کہ کیا جواب دوں۔ چند لمحوں بعد میں نے ڈھٹائی سے کہا۔ ہاں پڑھا ہے.... لیکن وہ نبیؐ تھے ......میں نے جواب دیا.....اور.....اور..... تم عورت ہو صرف عورت۔

ہاں میں عورت ہوں.... اللہ رکھی نے میرے چہرہ پر نظریں گاڑ کر کہا.... لیکن میں اس نبیؐ کی کنیز ہوں جو رحمت للعالمینؐ ہیں۔ جس نے بے جان کنکریوں کو ہاتھ میں لیا تو وہ بولنے لگیں۔ جس نے ایک اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کردیا۔ جس کے صرف چہرہ مبارک کو دیکھ کر قتل کرنے کے ارادہ سے آنے والا فرمانبردار غلام بن گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خود کو روحانیت کا عامل سمجھتی ہو۔ میں نے پوچھا۔

میں دعویٰ تو نہیں کرتی۔ وہ ایک بار پھر مسکرائی۔ لیکن میری "پھونک" سے تمہارا بخار اتر گیا۔

یہی بات تو میری سمجھ میں نہیں آتی - میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

اگر تم یہاں آتے رہے تو سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ اللہ رکھی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

اب میں یہاں نہیں آنا چاہتا۔ میں نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

کیوں۔ اس نے پوچھا۔

اب میں روزگار کی تلاش میں کراچی جانا چاہتا ہوں۔ میں نے بتایا۔

اللہ رکھی نے غور سے میری طرف دیکھا جیسے پہچان رہی ہو۔ پھر زیر لب بڑبڑائی تم ابھی تک ماضی سے وابستہ ہو۔

پھر وہ اپنے چہرہ پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی۔ میری "پھونک" سیکھ لو۔ معاش سے بے فکر ہو جاؤ گے۔

کیا مطلب۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔

مطلب یہ ہے۔ اللہ رکھی نے پیار سے سمجھایا۔ میری طرح "پھونک" سے لوگوں کو تندرست کردیا کرو لوگ خوشی خوشی بہت کچھ دے جایا کریں گے۔

مجھے ایسی کمائی نہیں چاہیے۔ میں نے بگڑ کر جواب دیا۔ میں لوگوں کو دھوکا نہیں دینا چاہتا۔

اور میں دھوکا دیتی ہوں۔ اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

میں اس کے جواب میں جھینپ سا گیا۔ وہ اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ میں تو کسی سے کچھ نہیں مانگتی۔ لوگ خود ہی خوشی سے جو چاہتے ہیں دے جاتے ہیں۔

خیر چھوڑو۔ میں نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری "پھونک" سے میں کس طرح تندرست ہو گیا۔

یہ بڑا ہی تفصیل طلب موضوع ہے۔ اللہ رکھی نے تخت پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ یہ زمان و مکان کی بات ہے۔ یہ وقت اور فاصلہ کا راز ہے۔

تمہاری "پھونک" سے وقت اور فاصلہ کا کیا تعلق- میں نے پوچھا-

بڑا تعلق ہے خان اس نے جواب دیا- اس کرہ ارض پر "وقت" ہی تو سب کچھ ہے- اور جو لوگ وقت کی قید سے آزاد ہوتے ہیں وہ نہ صرف مسائل حل کرسکتے ہیں بلکہ ہر قسم کی بیماریوں کا علاج بھی جانتے ہیں-

میں تمہاری بات نہیں سمجھا-

اس کرہ ارض پر ہر ساعت' ہر لمحہ جو کچھ ہو رہا ہے- اس کا وقت متعین کردیا گیا ہے- اس نے جواب دیا اور اگر کوئی شخص اس ٹائم ٹیبل کی حدود سے نکل جائے تو اسے وہ کچھ معلوم ہو جاتا ہے جو سارے نہیں جانتے-

میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا- کیا تم سب کچھ کرسکتی ہو-

اللہ رکھی نے مسکرا کر جواب دیا- اگلے لمحہ جو کچھ بھی وقوع پذیر ہونے والا ہوتا ہے اس کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرسکتی ہوں-

ناممکن- قطعی ناممکن- میں نے وثوق سے کہا- وقت کے گرداب سے نکلنا انسان کے بس کی بات نہیں- تمہیں شاید معلوم نہیں- وہ پھیکی مسکراہٹ سے بولی- واقعہ "معراج" اس بات کا ثبوت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کی حدود کو توڑ دیا تھا اور وہ پلک جھپکتے میں ساتوں آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے سدرۃ المنتہی سے آگے تک پہنچ گئے تھے-

میں یہ دلیل سن کر خاموش ہوگیا- میں نے سوچ کر کہا- وہ تو نبیؐ تھے لیکن ہر انسان تو وقت کی حد نہیں توڑ سکتا-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے- اللہ

رکھی نے قدرے جذباتی لہجہ میں کہا- انہوں نے جو کچھ بھی کیا- انسان کی بھلائی کی خاطر کیا- واقعہ "معراج" اس راز کی نشاندہی کرتا ہے-

لیکن میں نے آج تک نہیں سنا کہ کبھی کوئی انسان وقت کی حدود سے نکل گیا ہو- میں نے تعجب سے کہا-

تم نے اولیاء کرام کے واقعات نہیں پڑھے- اللہ رکھی نے مسکرا کر جواب دیا- جن کے ایک اشارہ پر وقت ٹھہر جاتا تھا-

وقت ٹھہر جاتا تھا- میں نے ایک بار پھر تعجب سے کہا-

وہاں وقت ٹھہر جاتا تھا- اس نے جواب دیا- اور پھر تخت سے اٹھتے ہوئے بولی- اندھیرا پھیل رہا ہے- آؤ اندر چل کر باتیں کریں گے-

میں نے یہ سن کر اپنے اطراف میں ایک نظر ڈالی- واقعی سورج چھپ چکا تھا اور اندھیرا تیزی سے پھیل رہا تھا- میں اس موضوع کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا- لہٰذا اللہ رکھی کے ساتھ چل دیا-

ہم دروازہ سے جونہی اندر داخل ہوئے- میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ عمارت جو باہر سے آثار قدیمہ کا کھنڈر معلوم ہوتی تھی- بہت ہی عالیشان اور مضبوط ہے- چھت اور دیواریں تالپوروں کی شاہی دور کی طرز تعمیر کی منہ بولتی تصویر تھیں- مختلف راہداریوں سے گزرتے ہوئے جب اللہ رکھی مجھے لیے ایک کمرہ میں داخل ہوئی تو یوں محسوس ہوا جیسے میں صدیوں پیچھے کسی شاہی محل میں پہنچ گیا ہوں-

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے در و دیوار کو دیکھ رہا تھا- میری سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ یہ عمارت جو بظاہر نہایت خستہ حال نظر آتی تھی۔ اندر سے اس
قدر خوبصورت اور پائیدار کیسے ہوگئی۔ پھر میرے ذہن میں فوراً یہی خیال آیا کہ
اللہ رکھی نے لوگوں پر اپنی سادگی اور دنیا سے بے تعلقی ثابت کرنے کے لیے
عمارت کو باہر سے خستہ حال ہی رکھا ہے۔ اور اندر سے اس کی تزئین و آرائش
کرتی رہی ہے۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اللہ رکھی مخاطب ہوئی۔ کیا سوچ رہے ہو۔

میں اس عمارت کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میں نے جواب دیا۔

یہ میرے آباؤاجداد کی سینکڑوں سال پرانی عمارت ہے۔ اللہ رکھی نے بتایا۔
پھر اس نے ایک منقش تخت نما کرسی کی جانب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
اب میں نہ صرف یہاں رہتی ہوں بلکہ اس کی دیکھ بھال بھی کرتی ہوں۔

اس عمارت کی طرزِ تعمیر سندھ کے بادشاہوں کے دور کی معلوم ہوتی ہے۔ میں
نے نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ہاں یہ تالپوروں اور دوسرے شاہی دور کی عمارت ہے۔ اس نے ایک نہایت
ہی عالیشان وضع کی مسہری پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ اس مسہری پر ریشمی بستر بچھا
ہوا تھا۔

تم یہاں تنہا رہتی ہو۔ میں نے پوچھا
اور کون رہے گا میرے ساتھ اس نے معنی خیز مسکراہٹ سے جواب دیا۔ یہ تو
سرائے ہے۔

سرائے ہے۔ میں نے اسی طرح حیرت سے کہا۔ آج کے دور میں سرائے کا

کیا کام۔

یہ سرائے نہیں ہے تو کیا ہے۔ اللہ رکھی نے جواب دیا۔ یہ عمارت صدیوں
پرانی ہے۔ اور یقیناً یہ کسی شاہی خاندان کے فرد نے بنوائی ہوگی۔ لیکن جب اس
کا وقت زندگی ختم ہوگیا تو پھر اسی کے خاندان کے کسی اور فرد نے اس میں قیام
کیا ہوگا۔ پھر کسی اور نے۔ اور اس کے بعد کسی اور نے۔ اب بتاؤ۔ یہ سرائے
نہیں ہے تو کیا ہے۔

یہ کیا کہہ رہی ہو میں نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

تم سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ اس نے اطمینان سے کہا۔ اس سرائے سے ماضی
اور حال وابستہ ہے۔ جنہوں نے اسے بنایا تھا وہ ختم ہوگئے..... جو اس میں آ آ کر
بستے رہے وہ اپنا وقت ختم ہوجانے پر اس دنیا سے کوچ کرگئے۔ اب تم ہی بتاؤ یہ "
سرائے" نہیں تو اور کیا ہے۔

تمہاری یہ بات تو درست ہے.....میں نے جواب دیا پھر سوچ کر بولا
لیکن... لیکن... یہ عمارت تو اپنی جگہ قائم ہے۔

اس کا ابھی "وقت" نہیں آیا....اس نے مسکرا کر کہا۔

کیا مطلب؟....میں نے پوچھا....کیا اس کا بھی کوئی وقت ہے۔

بالکل.... وہ سنجیدگی سے بولی....جب سے یہ دنیا قائم ہوئی ہے....بڑی بڑی
عمارتیں انسان نے اپنی عظمت کے اظہار کے لیے بنائیں۔ لیکن جب ان کا وقت
ختم ہوا تو اس طرح زمین بوس ہوگئیں کہ آج ان کے نشان بھی نہیں ملتے۔

سبحان اللہ ...... تم نے یہ وقت کی عجیب منطق بیان کی ہے۔ میں نے طنزیہ

کہا... یہ تو بے جان عمارتیں ہیں اور زمانے کے موسمی اثرات کی بدولت شکست وریخت کا شکار ہوجاتی ہیں۔

یہ موسم بھی تو وقت کے پابند ہیں.... اللہ رکھی نے برجستہ جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں خیال آیا کہ میں نے درسی کتابوں میں زمین کی گردش کے متعلق پڑھا تھا کہ جب زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے تو موسم تبدیل ہوتے ہیں۔ لہذا کچھ سوچ کر بولا... یہ تو زمین کی گردش کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

○

میرا جواب سن کر اللہ رکھی نے نظر بھر کر دیکھا۔ اور نہایت سنجیدگی سے بولی... زمین کی دو گردشیں ہیں.... ایک وہ جو سورج کے گرد چکر لگاتی ہے اور دوسری وہ جو اپنے محور پر گھومتی ہے اور اس کی یہی وہ دونوں گردشیں ہیں جنہوں نے انسان کو وقت کے جال میں قید کیا ہوا ہے۔

وہ کیسے.... میں نے پوچھا۔

کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ زمین پر دن اور رات اس کی محوری گردش کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں.... اللہ رکھی نے پوچھا۔

ہاں.... ہاں.... پڑھا ہے میں نے جلدی سے جواب دیا۔

اللہ رکھی نے کہا.... جو اس کرہ ارض پر "وقت" کی طویل گھڑیاں ہیں جنہیں انسان نے سیکنڈوں... منٹوں اور گھنٹوں میں تقسیم کر دیا ہے.... یہی وہ وقت ہے جسے انسان.... ماضی' حال اور مستقبل کہتا ہے۔

یہ تو ٹھیک ہے.... میں نے تائید کی.... لیکن روحانیت کا وقت سے کیا تعلق ہے۔

بڑا گہرا تعلق ہے.... اللہ رکھی نے جواب دیا.... انبیاء اور اولیاء کرام وقت کے مطابق ہی تو کام کرتے ہیں۔ لیکن وہ خود "وقت" سے آزاد ہوتے ہیں۔

واہ! یہ کس طرح ممکن ہے.... میں نے پوچھا.... وقت تو سب کے لیے ہے۔

اس نے میری بات سن کر ایک ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا.... تمہاری مثال اس بادشاہ کی مانند ہے.... جو سب کچھ جانتے ہوئے برہنہ جلوس میں چلتا رہا۔

کیا مطلب.... تم کیا کہنا چاہتی ہو.... میں نے قدرے تیز لہجہ سے کہا.... اور ابھی اللہ رکھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ فضا میں ایک دلخراش نسوانی چیخ بلند ہوئی.... چیخ سنتے ہی ہم دونوں اچھل پڑے.... کوئی عورت دروازہ کو زور زور سے پیٹ رہی تھی... اور ساتھ ہی چلا رہی تھی.... اللہ رکھی بچالے.... بھگوان کے لیے بچالے.... اللہ رکھی تجھے اپنے اوتار کا واسطہ.... بچالے۔

یہ وقت کس پر آپڑا.... اللہ رکھی زیرلب مسکرائی۔ .... اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے دروازہ کی جانب چل دی۔

○

اللہ رکھی نے جونہی دروازہ کھولا.... میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک ادھیڑ عمر کی عورت بدحواس ہوکر اس کے قدموں سے لپٹ گئی۔ اور نہایت ہی دلسوز آواز سے روتے ہوئے بولی.... اللہ رکھی! میرے سہاگ کو بچالے.... تجھے بھگوان کا واسطہ میرے پتی کو بچالے۔

اللہ رکھی نے جھک کر اس عورت کے دونوں بازو پکڑے اور اٹھاتے ہوئے بولی ..... اللہ پر بھروسہ رکھ ..... لیکن مجھے بتا تو سہی تیرے شوہر کو کیا ہوا ہے۔

اللہ رکھی!.....وہ عورت دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی.... میرا پتی بالکل ہی بے قصور ہے....اور آج رات اسے پھانسی دی جانے والی ہے.....بچالے بھگوان کے لیے اسے بچالے.....میں اپنی تمام دولت تجھے دے دوں گی۔

اللہ رکھی نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا.....تو کون ہے۔ اور تیرے شوہر کو کیوں پھانسی دی جا رہی ہے۔

میں کراچی کی رہنے والی ہوں....عورت نے ڈرتے ہوئے بتایا....میرا تعلق ہندو دھرم سے ہے....اسی شہر میں میرے پتی کی سب سے بڑی زیورات کی دوکان تھی۔

اچھا....اچھا....اللہ رکھی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ہاتھ پھیرتے ہی اس عورت کو قرار سا آگیا۔ اس نے ساڑھی کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا...دو برس قبل میرے پتی کو پولیس نے پڑوسی کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا تھا۔ حالانکہ جس رات پڑوسی قتل ہوا تھا' میرا پتی سو رہا تھا....وہ تو کمرہ سے باہر نکلا بھی نہیں تھا....عورت نے سسکیاں لیتے ہوئے بتایا....میں دو سال تک مقدمہ لڑتی رہی.... لیکن آخر کو عدالت نے اسے سزائے موت کا حکم دے دیا۔

رحم کی درخواست کی تھی تو نے....اللہ رکھی نے خلاء میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کی تھی....عورت نے جواب دیا...لیکن آج صبح وہ بھی نامنظور ہوگئی۔ اور

ساتھ جیل سے اطلاع دی گئی....کہ میں اور بچے آج اپنے پتی گھنشام سے آخری ملاقات کرلیں۔

گھنشام تیرا پتی ہے....اللہ رکھی نے اچنبھے سے پوچھا۔

عورت نے اقرار کے انداز میں زور زور سے گردن ہلائی۔

ہونہہ....اللہ رکھی نے ایک گہری سانس لی۔ جبھی تو میں سوچتی تھی کہ گھنشام اتنے دنوں سے میرے پاس کیوں نہیں آیا....پہلے میرا خیال تھا کہ وہ اپنے نئے وطن "ہندوستان" چلا گیا ہوگا۔

میرا پتی بچ گیا....تو میں اسے لے کر ہندوستان چلی جاؤں گی....عورت نے بڑے ہی التجا آمیز لہجہ میں کہا۔

نہیں نہیں۔ ایسا نہیں کرنا....اللہ رکھی نے اسے منع کیا....وہ میرا دوست ہے میری اجازت کے بغیر اسے کہیں نہ لے جانا۔

تو پھر بچالے....اپنے چیلے کو بچالے....عورت دوبارہ اللہ رکھی کے قدموں پر گر کر رونے لگی۔ اللہ رکھی نے ایک نظر میری طرف دیکھا۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن خاموش رہی۔ اور اس نے جھک کر ایک بار پھر اس عورت کو اٹھالیا۔

تجھے میرا پتا کس نے بتایا....اللہ رکھی نے پوچھا۔

عورت نے دوبارہ روتے ہوئے بتایا....میں بدنصیب مندروں اور پنڈتوں کے پیچھے بھاگتی رہی.... لیکن وہ کچھ نہ کرسکے.... آج جب میں آخری بار جیل میں اپنے پتی سے ملنے گئی تو اس نے تمہارا پتا بتایا....کہ تُو ہی اسے پھانسی سے بچا سکتی ہے

اس نے پورے وشواش سے کہا۔

اللہ رکھی نے کوئی جواب نہیں دیا ...... اس نے آنکھیں بند کرلیں.... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔ لیکن نہیں.... وہ تو "مراقبہ" میں تھی۔

بچالے اللہ رکھی.... میرے سہاگ کو بچالے.... عورت نے دوبارہ ہاتھ جوڑ کر التجا کی.... میرا جیون اسے دیدے.... میرے بچوں پر رحم کر..... میرے پتی کو بچالے۔

عورت برابر بین کیے جا رہی تھی۔ اور اللہ رکھی اس کی گریہ وزاری سے قطعی بے پرواہ آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ عورت کی کوئی بھی بات نہیں سن رہی ہے۔ میں اس صورت حال سے قدرے پریشان سا ہوگیا اور سوچنے لگا.... کچھ نہیں تو اللہ رکھی اس عورت کو تسلی ہی دیدے۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اللہ رکھی نے اچانک آنکھیں کھول دیں.... اس کے چہرے پر خوشی کی لہریں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے اس عورت کے چہرے پر ایک زوردار "پھونک" ماری اور ایک دلفریب مسکراہٹ سے بولی.... جا.... ابھی تیرے شوہر کے مرنے کا "وقت" نہیں آیا۔

دیکھ مجھے تسلی نہ دے.... عورت نے بے قرار ہوکر کہا.... اسے پھانسی ہو جائے گی۔

اللہ رکھی نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا پھر تسلی آمیز لہجہ سے بولی... تجھے اپنے سہاگ اجڑنے کا اس قدر خوف ہے کہ میری بات کا یقین نہیں آرہا ہے.... لیکن تو اللہ پر بھروسا رکھ.... میں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ ہو کر رہے

گا.... تیرے شوہر کی موت کا ابھی "وقت" آیا ہی نہیں ہے۔ تو پھر اسے کس طرح پھانسی دی جاسکتی ہے۔ وہ نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ تیرے ساتھ زندگی بھی گزارے گا۔

آخری جملے کے ساتھ ہی اس نے عورت کے چہرے پر آہستہ سے "پھونک" ماری۔ اس پھونک میں نجانے کیا تاثیر تھی کہ پھر عورت کچھ نہ بولی.... اسے جیسے اللہ رکھی کی بات پر اعتبار آگیا۔ اس نے اپنی ساڑھی کو درست کیا اور خاموشی سے باہر جانے کے لیے بڑے دروازہ کی طرف بڑھ گئی۔

○

جب یہ واقعہ پیش آیا۔ تو آسمان پر آدھی رات کا چاند چمک رہا تھا۔ اور اس زمانے میں آدھی رات گزرنے کے بعد "پھانسی" دی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب اس عورت کے شوہر کی زندگی کے صرف چند گھنٹے ہی باقی رہ گئے تھے.... لیکن اللہ رکھی نے اس کے زندہ بچ جانے کی پیشن گوئی کردی تھی۔ اور یہ بات میرے لیے عجیب مضحکہ خیز تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو خان؟...." اللہ رکھی نے پوچھا۔

میں سوچ رہا ہوں۔ تم نے اسے صرف تسلی دی ہے۔ یا.... میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ اللہ رکھی نے میری بات کاٹ کر کہا.... وہ واقعی بچ جائے گا کیونکہ ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا۔

تم نے پھر وہی "وقت" کی بات کی ہے.... میں نے قدرے جھنجلا کر کہا.... جب کہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے۔ اور اب گھنشام کو پھانسی دینے

میں صرف چند گھنٹے ہی باقی ہیں۔

" دنیا والے "وقت" کو کیا جانیں.... اللہ رکھی نے بھرپور طنز کیا.... انھوں نے ہمیشہ غلط وقت پر غلط فیصلے کیے ہیں۔

یہ کیا کہہ رہی ہو.... میں نے تعجب سے کہا.... کیا عدالت کے فیصلے بھی غلط ہوسکتے ہیں۔ مزے کی بات تو یہی ہے.... اللہ رکھی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا.... اکثر دنیاوی عدالتوں کے فیصلے غلط ہوجاتے ہیں جنہیں اللہ کا سسٹم چلانے والے ٹھیک کردیتے ہیں۔

میں نے تمسخر سے کہا.... یہ تم نے ایک نئی بات کہہ دی ہے۔

میرا ہاتھ پکڑ کر اندر کی جانب چلتے ہوئے وہ بولی۔ میں بھی بس یونہی ہوں.... نجانے کیا کیا کہہ جاتی ہوں۔

○

وہ مجھے ساتھ لیے دوبارہ کمرہ میں آگئی۔ مجھے ساتھ لیے ہوئے مسہری پر بیٹھ گئی.... مسہری پر نہایت ہی ملائم بستر بچھا ہوا تھا۔ وہ تکیوں کو درست کرکے لیٹتے ہوئے بولی.... تم آرام کرلو۔

یہ سنتے ہی فوراً" میرے دماغ میں آیا.... کہ یہ کیسی اللہ والی ہے جو مجھے اپنے ساتھ ہی آرام کرنے کا مشورہ دے رہی ہے۔

میں نے سوچا.... کہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے... اب میں کہاں جاکر آرام کروں۔ کمرہ میں نہ تو دوسرا پلنگ تھا اور نہ ہی کوئی ایسی چیز تھی جسے زمین پر بچھا کر سو سکوں.... ابھی میں اسی کشش وپنج میں تھا.... کہ اچانک مجھے احساس ہوا

کہ اللہ رکھی کا جسم ساکت ہے میں نے غور سے اس کی جانب دیکھا جسم میں سانس کی آمدورفت سے جو معمولی سا ارتعاش ہوتا ہے.... وہ بھی نہیں تھا.... ایک دم میرے دماغ میں خیال آیا.... کہ کہیں "اللہ رکھی" مرتو نہیں گئی یہ خیال اس قدر قوی تھا کہ میں کچھ دیر اس کے جسم کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا....

پھر.... رفتہ رفتہ میرے حواس درست ہونے لگے۔

گھنشام

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ **یکایک** اللہ رکھی مر کیسے گئی....اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں یہ خیال آیا کہ اللہ رکھی ایک محترم ومقدس ہستی تھی۔ اور اس کے اس طرح اچانک مرجانے سے کہیں میں کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔ اس خیال کے آتے ہی میرے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی....اور میں نے فوراً ہی یہاں سے بھاگ جانا ہی مناسب سمجھا۔ اور ابھی میں اپنے ارادہ کو عملی جامعہ پہنانا ہی چاہتا تھا....کہ اللہ رکھی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی....میں ایک بار پھر ٹکٹکی باندھ کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ چند لمحہ بعد....اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ اسے اس طرح زندہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا۔

اللہ رکھی نے کلمہ پڑھ کر اٹھتے ہوئے پوچھا....کہاں چل دیے۔

تمہیں کیا سکتے کی بیماری ہے....میں نے حیرت سے پوچھا۔

نہیں تو....اسنے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ لیکن....لیکن...تمہاری سانس بھی نہیں چل رہی تھی....میں نے اسی طرح حیرت زدہ لہجہ میں کہا۔

ایسی تو کوئی بات نہیں تھی...اس نے جواب دیا....میں کوئی مرتو نہیں گئی تھی۔ خیر....اب میں چلتا ہوں....میں نے کہا۔

ارے....تم میری پیش گوئی کے متعلق نہیں جاننا چاہو گے....اس نے کہا۔ اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ صبح دیکھا جائے گا....میں نے بے دلی سے جواب دیا۔ اور

پلنگ سے اٹھ گیا۔ لیکن اللہ رکھی نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ میں مسہری پر چت گر گیا۔

آدھی رات کو کہاں جاؤ گے....اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی میری پیشانی کے عین وسط میں اس زور کی پھونک ماری کہ میری دونوں آنکھیں بند ہوگئیں....اب میں مسہری پر دونوں آنکھیں بند کیے چت لیٹا تھا۔

میں نے دو تین بار آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن نہ کھول سکا۔ ایسے میں اللہ رکھی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی....تم پڑھے لکھے لوگوں کی عقل میں روحانی باتیں آتی ہی نہیں ہیں۔ تم لوگ ہر بات کی مادی توجیہہ چاہتے ہو....تم نے "وقت" کی اہمیت پر شک کیا....میری پیش گوئی پر شبہ کیا....لو....اب سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔

مجھے اس کے آخری جملے دور....بہت دور سے سنائی دیئے۔ اس کے ساتھ ہی میری بند آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھٹنے لگا....اور چاندنی جیسی مسحور کن روشنی پھیل گئی۔

○

اس روشنی میں ایک شہر صاف نظر آرہا تھا۔ اور اس شہر کے ایک محلہ میں ایک ہندو اور ایک مسلمان موڑھوں پر بیٹھے مصروف گفتگو تھے....مجھے ان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لیکن ان کے ہونٹ جس انداز میں ہلتے تھے' ان کا مفہوم میری سمجھ میں آجاتا تھا....ہندو کا نام گھنشام تھا اور مسلمان کا نام سلیمان کھوسہ۔

سلیمان کھوسہ ضلع "بدین" کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اور عرصہ پانچ

سال سے کراچی میں "ٹرام" کا ڈرائیور تھا۔

یہ دونوں نہ صرف آپس میں پڑوسی تھے بلکہ ایک ہی مقام پر ان کا روزگار بھی تھا۔ یعنی گھنشام کی زیورات کی دوکان صدر میں تھی۔ اور سلیمان کھوسہ کا ٹرام ڈپو بھی اسی علاقہ میں تھا۔ سلیمان کھوسہ تنہا اس مکان میں رہتا تھا.... گھنشام کا مکان بھی بالکل اس کے سامنے تھا۔ اکثر دوست سلیمان کھوسہ سے پوچھتے تھے کہ وہ تنہا کیوں رہتا ہے۔ کیا اس کی شادی نہیں ہوئی ہے۔

سلیمان ہنس کر جواب دیتا.... کہ اس کی شادی ہوچکی ہے۔ اور وہ تین بچوں کا باپ بھی ہے جس میں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں.... وہ گاؤں میں رہتے ہیں۔ اور انشاء اللہ وہ انہیں جلد ہی لے کر آجائے گا۔

○

اس وقت بھی موضوع گفتگو یہی تھا۔ اور گھنشام اسے سمجھا رہا تھا.... کہ پاکستان بن چکا ہے اور مہاجرین بڑی تعداد میں ہجرت کرکے آرہے ہیں.... کہیں ایسا نہ ہو.... کہ اس کی غیرموجودگی میں کوئی مکان خالی سمجھ کر قبضہ ہی کرلے... ایسے حالات میں بیوی بچوں کا ہونا ضروری ہے۔

یہ بات سلیمان کھوسہ کی بھی سمجھ میں آگئی۔ اور اس نے اپنے دوست گھنشام سے وعدہ کرلیا کہ صبح وہ اپنے دفتر سے چند دن کی چھٹی لے گا۔ اور وہیں سے سیدھا بدین چلا جائے گا۔ تاکہ بچوں کو لے کر جلد از جلد واپس کراچی چلا آئے۔

یہ فیصلہ ہوجانے کے بعد.... سلیمان کھوسہ نے رخصتی مصافحہ کیا۔ اور اپنے گھر چلا گیا۔ میری نگاہیں برابر اس کے تعاقب میں تھیں۔ اپنے گھر میں داخل

ہونے کے بعد سلیمان کھوسہ نے اندر سے دروازہ بند کرکے کنڈی لگائی اور اپنے کمرہ میں سونے کے لیے چلا گیا۔

وقت بہت ہی تیزی سے گزر رہا تھا.... میری آنکھوں کے سامنے پھیلی دھوپ چمک رہی تھی۔ اور سات دن گزر چکے تھے۔

گھنشام اور اس کی بیوی اپنے صحن میں کھڑے باتیں کررہے تھے۔ گھنشام اپنی پتنی کو بتا رہا تھا کہ کھوسہ اپنی بیوی بچوں کو لینے بدین چلا گیا ہے۔

لیکن جب اس کی بیوی نے بتایا۔ کہ کھوسہ جب اپنی نوکری پر جاتا تھا تو باہر سے تالا ڈال کر جاتا تھا جبکہ وہ صبح سے دیکھ رہی ہے کہ اس کے دروازہ پر تالا نہیں ہے۔

یہ سن کر پہلے تو گھنشام نے سوچا کہ وہ اپنی بیوی بچوں کو لے کر آگیا ہوگا۔ اور اب آرام کر رہا ہوگا..... پھر وہ کچھ سوچ کر باہر آیا اور سلیمان کھوسہ کے دروازہ پر دستک دی۔ اس کا خیال تھا۔ دروازہ فوراً" ہی کھل جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کچھ دیر بعد... اس نے پہلے سے زیادہ زور سے دستک دی۔ لیکن اندر سے کوئی نہیں نکلا... پھر وہ مسلسل دروازہ کو زور.... زور سے پیٹنے لگا۔ دروازہ پیٹنے کی آواز سن کر اڑوس پڑوس کے لوگ بھی گھروں سے نکل آئے۔ اور جب گھنشام نے انہیں بتایا.... کہ وہ کافی دیر سے دروازہ پر دستک دے رہا ہے۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں آرہا ہے۔ تو لوگوں کو تشویش ہوئی کہ آخر بات کیا ہے۔ ایک دو آدمیوں نے خود بھی آگے بڑھ کر دستک دی۔ لیکن پہلے کی طرح خاموشی رہی۔ بالاخر.... طے ہوا کہ کسی شخص کو دیوار پر چڑھا کر جائزہ لیا جا

اس بات پر سب لوگ متفق ہوگئے اور ایک دبلے پتلے شخص سے کہا گیا کہ وہ دیوار پر چڑھ کر جائزہ لے۔

○

وہ شخص دو آدمیوں کی مدد سے دیوار پر چڑھا۔ اور اندر صحن سے ذرا فاصلہ پر بنے ہوئے کمرہ میں نظریں دوڑاتے ہوئے بولا.... کھوسہ اپنے کمرہ میں فرش پر اوندھا پڑا ہے... باہر کھڑے لوگوں نے مشورہ دیا کہ وہ شخص فوراً ہی اندر کود جائے اور دروازہ کھول دے... لہٰذا... اس شخص نے ایسا ہی کیا۔

دروازے کے کھلتے ہی لوگ اندر داخل ہوگئے۔ لیکن صحن میں پہنچتے ہی سب نے اپنی اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیے... وہ سب سہمے ہوئے قدموں سے اس کمرہ کی طرف بڑھے جس میں کھوسہ رات کو سویا کرتا تھا۔ ..... اس کے کمرے سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔

سلیمان کھوسہ فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ اور اس کے سر میں پیچھے کی جانب سے درخت کاٹنے والی کلہاڑی پیوست تھی.... خون سر سے نکل کر بہتا ہوا دروازہ کی دہلیز تک چلا گیا تھا جو اب سیاہ ہوچکا تھا.... اس کے مردہ جسم پر سرخ چیونٹیاں اور مکھیاں چمٹی ہوئی تھیں.... یہ منظر دیکھ کر لوگوں کی دبی دبی چیخیں نکل گئیں.... لوگ گھبرا کر فوراً باہر نکل آئے.... کھوسہ کے قتل کی خبر سارے محلے میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ اور کچھ ہی دیر بعد پولیس کا ایک افسر دس بارہ سپاہیوں کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا.... اس نے فوری طور پر لاش کو گاڑی میں ڈال کر چند سپاہیوں کے ہمراہ پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کیا۔ اور ابتدائی رپورٹ کے

مطابق موقع پر موجود پڑوسیوں اور محلے کے آدمیوں کے بیانات قلمبند کیے۔

سلیمان کھوسہ کا کوئی رشتہ دار تو تھا نہیں۔ لیکن محلے کے ہر شخص نے اس کے حسن اخلاق کی تعریف کی.... گھنشام کو اپنے دوست کی اچانک موت کا زبردست صدمہ تھا۔ اس نے روتے ہوئے بیان دیا۔ کہ سات دن قبل کھوسہ کو اس نے گاؤں سے بیوی بچے لانے کا مشورہ دیا تھا جس پر کھوسہ نے اس سے صبح دفتر سے چھٹی لیکر بدین جانے اور اپنے بچے لانے کا اقرار کیا تھا.... اس کے بعد اس نے کھوسہ کے گھر کی طرف توجہ نہیں دی کیونکہ اس کے خیال میں وہ بدین جا چکا تھا.... لیکن آج جب اس کی بیوی نے اس کے گھر کی جانب توجہ دلائی تو اس نے دروازہ پر دستک دی.... اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا۔ وہ سب محلے والوں کو معلوم ہے..... پولیس افسر گھنشام اور دوسرے لوگوں کا ابتدائی بیان قلمبند کرکے چلا گیا۔

○

تیسرے دن.... پولیس پارٹی پھر محلے میں آئی.... اس نے سلیمان کے مکان کا اندر سے معائنہ کیا۔ اس کے گھر میں بہت معمولی سا سامان تھا۔ دو جوڑے کپڑے تھے۔ جو دیوار کے ساتھ لٹک رہے تھے۔ ایک پلنگ اور بستر... اور چند کھانے کے برتن تھے۔ گھر کا معائنہ کرنے کے بعد پولیس کو اس بات کا تو پکا یقین ہوگیا کہ "قاتل" چوری کی نیت سے نہیں داخل ہوا تھا.... بلکہ یہ قتل کسی رقابت کا نتیجہ ہے.... پولیس نے ایک بار پھر پڑوسیوں کو جمع کیا اور ان سے کرید... کرید کر سوالات کیے.... سب نے یہی بتایا کہ یہ نہایت ہی شریف اور ملنسار شخص تھا۔ اس

کا محلّہ میں کبھی کسی شخص سے جھگڑا یا تلخ کلامی نہیں ہوئی۔۔۔۔اس کا خاندانی پس منظر کسی کو نہیں معلوم تھا۔۔۔۔صرف گھنشام ہی ایسا تھا۔۔۔ جسے معلوم تھا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ اور ضلع بدین کے کسی گاؤں میں اس کے بیوی بچہ رہتے ہیں یہ بھی اس کی بدقسمتی تھی کہ اس نے کبھی اپنے دوست سے اس گاؤں کے بارے میں نہیں پوچھا پھر یہی نہیں محلے والوں نے بھی ان دونوں کی گہری دوستی کی تصدیق کی۔ ان میں سے بعض نے تو یہاں تک انکشاف کیا کہ اکثر انہوں نے کھوسہ کو گھنشام کے گھر میں آتے جاتے بھی دیکھا ہے۔

پس پھر کیا تھا۔۔۔۔پولیس کو تو ذرا سا بہانہ چاہیے۔ انہوں نے فوراً ہی اسے شک کی بناء پر گرفتار کرلیا وہ ہندو تھا۔۔۔۔اس آفت ناگہانی سے خوفزدہ ہوکر بیہوش ہوگیا۔۔۔۔اس کی بیوی پولیس افسر کے قدموں پر سر رکھ کر اپنے پتی کے لیے التجائیں کیں۔۔۔۔پولیس نے اسے یقین دلایا کہ صرف تفتیش کی خاطر اسے تھانہ لے جایا جارہا ہے۔ اور وہ شام تک چھوڑ دیا جائے گا۔ پھر پولیس نے اسے اپنی وین میں ڈالا اور لیکر چل دی۔ محلے کی عورتوں نے اس کی بیوی کو دلاسا دیا تو اس کے ہوش ٹھکانے آئے۔ اور وہ شام تک شوہر کے واپس آنے کا یقین کرکے گھر کے اندر چلی گئی۔

○

میری آنکھیں دیکھتی تھیں۔ اور میرا "شعور" صرف "وقت" کا احساس دلاتا تھا۔۔۔۔اللہ رکھی کی "پھونک" نے مجھے ایسے ماحول سے وابستہ کردیا تھا جو خواب کی مانند نظر آرہا تھا۔۔۔۔جس طرح خواب میں سب کچھ حقیقت نظر آتا ہے۔ اور

خواب دیکھنے والا کوئی واقعہ رونما ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔

وقت گزرتا رہا۔۔۔۔گھنشام گھر نہیں آیا۔ اس کی بیوی نے رات انتظار میں گزاردی۔ اور صبح ہوتے ہی تھانہ میں پہنچ گئی۔ لیکن تھانہ میں اسے شوہر سے ملاقات نہیں کرنے دی گئی بلکہ اسے ایک بار پھر تسلی دے کر واپس بھیج دیا گیا۔۔۔۔گھنشام کے زیادہ تر رشتہ دار ہندوستان جا چکے تھے۔ جو چند ایک رہ گئے تھے۔ وہ اس کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی گھر آنا شروع ہوگئے تھے۔ ان میں زیادہ اس کی بیوی کے رشتہ دار تھے۔

تیسرے دن۔۔۔۔پولیس نے سلیمان کھوسہ کے قتل کے جرم میں اس کا چالان عدالت میں پیش کردیا اور اسے سنٹرل جیل بھیج دیا گیا۔

گھنشام کی بیوی اور رشتہ داروں نے کراچی کے ایک مشہور وکیل کی خدمات حاصل کیں۔ استغاثہ کا کہنا تھا کہ قتل گھنشام نے کیا ہے۔ اور اس کی وجہ ہے۔۔۔۔کہ مقتول اس کے گھر آتا جاتا تھا۔۔۔۔مقتول کے قاتل کی بیوی سے ناجائز تعلقات تھے۔۔۔۔اور وجہ قتل یہی تھی۔

استغاثہ کا اصرار تھا کہ قاتل ہندو تھا۔۔۔۔اور مذہبی تصادم ہونے کی وجہ سے رقابت کی آگ ہی نے اسے قتل جیسے گھناؤنے جرم پر آمادہ کردیا تھا۔۔۔۔۔۔میں نے کئی بار جیل میں گھنشام کو اپنی بیوی سے ملاقات کرتے بھی دیکھا۔۔۔۔وہ ہمیشہ اس سے کہا کرتا تھا۔۔۔۔کہ "اللہ رکھی" کے پاس جا۔۔۔۔اس سے میرے جیون کی پرارتھنا کر۔

اس کی بیوی "اللہ رکھی" کو نہیں جانتی تھی۔ پھر اسے اللہ رکھی سے زیادہ

اپنے دھرم کے سادھوؤں اور پنڈتوں پر اعتبار تھا۔

پنڈتوں کی پڑھنت اور گنڈوں سے اتنا ضرور ہوا کہ پیشیاں پڑتی رہیں۔۔۔پولیس گواہ پیش کرتی رہی۔۔۔اور یہ مقدمہ ایک دوماہ نہیں پورے ڈیڑھ سال چلتا رہا۔۔۔ڈیڑھ سال بعد۔۔۔ایک دن عدالت نے گھنشام کے مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا۔۔۔اسے "سزائے موت" کا حکم دے دیا گیا۔ پندرہ دن رحم کی اپیل کے لیے دیے گئے۔۔۔گھنشام کی جانب سے ایک ہفتہ کے اندر۔۔۔اندر رحم کی اپیل دائر کردی گئی اور اس کی بیوی میرپور خاص کے ایک نامی گرامی پنڈت کے پاس اپنے پتی کے جیون کی پرارتھنا کرنے پہنچ گئی۔

○

اس پنڈت نے گھنشام کی جنم کنڈلی بنانے کے بعد اسے یقین دلادیا کہ اس کی رحم کی درخواست منظور کرلی جائے گی۔ اس کے عوض اس نے ایک بھاری رقم بھی وصول کرلی۔۔۔گھنشام کی بیوی اس یقین کے ساتھ واپس آگئی کہ اس کے پتی کی زندگی بچ جائے گی۔۔۔اس نے ملاقات والے دن جیل میں جاکر اپنے شوہر کو بھی یہ خوشخبری سنادی۔ اور وہ یہ سوچ کر خاموش ہوگیا کہ جب پنڈتوں نے اس مقدمہ کو اتنا طول دے دیا تو اب۔۔۔تو اس کی بیوی بہت بڑے مہاپرش پنڈت سے پرارتھنا کرکے آئی ہے۔

اور اس طرح چھ ماہ مزید گزر گئے۔ گھنشام۔۔۔اس کی بیوی اور رشتہ داروں کو پکا یقین ہوچکا تھا کہ اس کی رحم کی درخواست منظور کرلی گئی ہے۔ اور اس کی رہائی یا۔۔۔قید بامشقت کی خبر آئے گی۔۔۔اور پھر۔۔۔ایک دن شام کو وکیل نے گھنشام کی

بیوی کو اطلاع دی کہ اس کے شوہر کی رحم کی درخواست نامنظور ہوگئی ہے۔۔۔اس کو کسی بھی وقت پھانسی دی جاسکتی ہے۔ یہ خبر۔۔اس کی بیوی اور رشتہ داروں پر بجلی بن کر گری۔۔۔اس کی بیوی پر غشی کے دورے پڑنے لگے۔۔۔بچے رو رو کر نڈھال ہوگئے۔ رشتہ داروں اور پڑوسیوں نے بڑی مشکل سے ان سب کو سنبھال رکھا تھا۔

وہ رات ان سب نے بڑی ہی بے چینی اور کرب سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی رشتہ داروں نے وکیل سے صلاح مشورے شروع کردیے۔۔۔وکیل نے انہیں بتایا کہ اس ملک پاکستان کو بنے ہوئے ابھی صرف تین سال ہوئے ہیں۔ یہاں کا تمام نظم ونسق مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔۔۔مسلمانوں نے یہ ملک اس دعویٰ کے ساتھ حاصل کیا ہے کہ وہ یہاں حق وانصاف قائم کریں گے۔ لہٰذا رحم کی درخواست مسترد ہوجانے کے بعد کوئی ایسا قانونی نقطہ نہیں رہ جاتا ہے جس سے مجرم کو بچایا جاسکے۔

○

وکیل کی بات سننے کے بعد گھنشام کی بیوی نے "کالی مائی" کے مندر میں ڈیرہ جمالیا۔ اور ساتھ دونوں بچے بھی تھے۔۔۔وہ بس دن رات "کالی مائی" کے چرنوں میں پڑے، گھنشام کی زندگی کے لیے دعا کرتے رہتے تھے۔۔۔انہیں ابھی مندر میں آئے ہوئے دو دن ہی ہوئے تھے جیل کے اعلیٰ حکام کی طرف سے اس کے رشتہ داروں کو اطلاع دی گئی کہ گھنشام سے آج کسی بھی وقت بیوی بچوں کے علاوہ اور بھی کوئی چاہے ملاقات کرلے۔۔۔کیونکہ آج رات کے پچھلے پہر اسے

پھانسی دیدی جائے گی۔

یہ روح فرساں خبر لے کر اس کا ایک قریبی رشتہ دار مندر میں پہنچا اور ڈرتے ڈرتے یہ خبر سنائی.... کہ وہ جیل میں اپنے پتی سے جب چاہے ملاقات کر سکتی ہے۔ آدھی رات کے بعد.... اس کے جیون کی گھڑیاں ختم ہوجائیں گی۔

گھنشام کی بیوی نے یہ اطلاع بڑے ہی سکون سے سنی۔ نہ وہ چیخی نہ چلائی... اور نہ ہی اس کے بچوں نے شور مچایا.... ان تینوں میں سے کسی ایک کی آنکھ سے آنسو نہ گرا... معلوم ہوتا تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں ایسا صبر عطا کردیا تھا کہ اب وہ بڑے سے بڑا حادثہ برداشت کرسکتے تھے..... اس نے یہ خبر سنی۔ اور خاموشی کے ساتھ بچوں کے ہمراہ مندر سے نکل آئی۔

گھر پہنچ کر اس نے سب بچوں کو نہلایا اور انہیں صاف و اجلے کپڑے پہنائے۔ اس کے بعد.... وہ خود نہائی۔ اور ایک نئی سفید ساڑھی نکال کر باندھ لی۔ اس نے اپنے بال بنالیے اور ہلکا سا میک اپ کیا.... وہ اپنے پتی کے سامنے اس انداز میں جانا چاہتی تھی کہ وہ اسے دیکھ کر رنجیدہ نہ ہو۔

○

جب وہ اپنے رشتہ داروں کے ہمراہ جیل کے صدر دروازہ پر پہنچی تو سورج نے مغرب کی سمت سفر شروع کردیا۔ جیلر نے فوراً ہی رشتہ داروں کو گھنشام سے ملنے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس کی بیوی نے اپنی پتی سے سب سے آخر میں ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اور جیلر سے درخواست کی.... کہ اسے زیادہ سے زیادہ وقت پتی کے ساتھ گزارنے دیا جائے۔

جیلر سمجھدار تھا۔ اس نے میاں بیوی کی اس آخری ملاقات کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت دینے کا وعدہ کرلیا۔ جس وقت وہ اپنے شوہر کی کوٹھری میں داخل ہوئی تو رات کا پہلا حصہ شروع ہو چکا تھا.... اسے دیکھ کر گھنشام کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ لیکن اس نے مسکراتے ہوئے کہا... اگر مجھے بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ ہی ستی ہوجاتی.... لیکن میں سوگند کھاتی ہوں کہ تمہارے بعد.... نہ تو نیا کپڑا پہنوں گی.... نہ ہی سر میں تیل ڈالوں گی.... اور نہ ہی کسی مرد کی صورت دیکھوں گی۔

گھنشام نے یہ سن کر اسے فرط محبت سے چمٹا لیا اور وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا... میں جانتا ہوں تجھے مجھ سے سچا پریم ہے۔ لیکن اب جب کہ میری زندگی کی چند گھڑیاں باقی رہ گئی ہیں میں تجھے کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا..... لیکن تجھ سے صرف ایک شکوہ ہے۔

وہ کیا.... اسکی بیوی نے حیرت سے پوچھا۔

تو "اللہ رکھی" سے نہیں ملی.... گھنشام نے افسردگی سے کہا.... اگر تو اس سے مل لیتی۔ تو مجھے پورا وشواس تھا کہ بھگوان کی کرپا سے ہم اس مصیبت سے بچ جاتے۔

ہاں تم نے دوبار اس کا نام تو لیا تھا.... اس کی بیوی نے جواب دیا۔ لیکن میں نے ہمیشہ یہی وچار کیا۔ کہ جیسا نام سے ظاہر ہے۔ وہ مسلمان ہے۔ وہ بھلا تمہاری کیا مدد کرسکتی تھی.... جب کہ میں نے اپنے دھرم کے مہاپرش پنڈتوں سے تمہارے لیے پراتھنا کرائیں۔

تو "اللہ رکھی" کو نہیں جانتی.... گھنشام نے کہا... پتاجی اس کے پاس چھپ چھپ کر جاتے تھے.... اور جب وہ سورگباش ہونے لگے تو انہوں نے مجھے "اللہ رکھی" کا ٹھکانہ بتایا تھا.... اور آج جو میں اس شہر کا سب سے بڑا سنار ہوں.... تو یہ سب "اللہ رکھی" کی دعاؤں کا نتیجہ ہے.... وہ اس دھرتی پر بھگوان کی ایسی اوتار ہے جس کے پاس سے کبھی کوئی نامراد نہیں لوٹا۔

کہاں رہتی ہے وہ.... اس کی بیوی نے ایک نئے ولولہ سے پوچھا۔

گھنشام نے اسے اللہ رکھی کی رہائش بتادی.... لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا... کہ اب وقت بہت ہی تھوڑا رہ گیا ہے۔ اور تیرا... اس کے پاس پہنچنا مشکل ہے کیونکہ وہ دور رہتی ہے۔

نجانے کیا بات ہے.... اس کی بیوی نے جواب دیا... اب میرا "من" اس کے پاس جانے کو کہہ رہا ہے۔ اور میں ہرحال میں اس کے پاس پہنچوں گی۔

گھنشام اس کی شکل دیکھنے لگا... اس کی بیوی نے آخری الفاظ کے ساتھ ہی اپنے دونوں بچوں کے ہاتھ پکڑ لیے۔ اور کوٹھری سے باہر نکل آئی۔ پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی جیل کے صدر دروازہ پر آئی۔ جیلر اور دوسرا عملہ اسے اتنی جلدی واپس جاتے دیکھ کر سوچنے لگا کہ یہ کیسی بیوی ہے جس نے پہلے تو ملاقات کے لیے زیادہ وقت کی اجازت لی تھی.... اور اب.... دو تین منٹ بعد ہی واپس جا رہی ہے۔

جیل کے صدر دروازہ پر اس نے دونوں بچوں کو رشتہ داروں کے حوالے کیا اور جس گاڑی میں بیٹھ کر وہ سب آئے تھے۔ اس کے ڈرائیور سے بولی جتنی جلد

ہوسکے مجھے منزل تک پہنچادے.... میں تجھے مالا مال کردوں گی۔

رشتہ داروں نے اس سے بات کرنا چاہی.... بہت کچھ معلوم کرنا چاہا.... لیکن اس نے کسی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

پھر.... میری نگاہوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا۔ جب کہ گھنشام کی بیوی نے اللہ رکھی کے دروازہ پر بے تابانہ دستک دی تھی۔ اور اللہ رکھی نے یہ جاننے کے بعد.... کہ گھنشام اس عورت کا شوہر ہے مراقبہ کرنے کے بعد..... پیش گوئی کی تھی.... کہ ابھی گھنشام کے مرنے کا وقت نہیں آیا.... ادھر تو اللہ رکھی یہ پیش گوئی کرہی تھی.... اور دوسری جانب..... گھنشام غسل سے فارغ ہونے کے بعد پھانسی والے کپڑے پہن رہا تھا۔

○

کپڑے پہننے کے بعد..... جیل کے ڈاکٹر نے اس کا طبی معائنہ کیا۔ اور جیلر سے بولا... تعجب ہے۔ اس شخص کے دل میں موت کا ذرا سا بھی خوف نہیں ہے۔

جیلر صرف مسکرا کر رہ گیا۔ پھر اس نے قلم اور کاغذ گھنشام کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا... تم چاہو تو اپنی وصیت اس کاغذ پر لکھ دو۔

گھنشام نے قلم کاغذ لے لیا... اور مندرجہ ذیل وصیت لکھی۔

میں گھنشام ولد سیتارام... جس کا پیشہ سنار تھا۔ وصیت کرتا ہوں کہ میری تمام جائیداد اور روپے پیسے کے دو حصے برابر کے کیے جائیں۔ ان میں سے ایک حصہ میری بیوی اور بچوں کو اور دوسرا حصہ میری پیرومرشد "اللہ رکھی" کو دے دیا جائے۔

میں نے اپنی پیرو مرشد کا پتا اپنی بیوی کو بتا دیا ہے۔۔۔اس کے علاوہ میری ارتھی کو نہ جلایا جائے۔ بلکہ مجھے مسلمانوں کی طرح قبر میں دفنا دیا جائے۔۔۔۔ آج سے کئی برس قبل اپنی پیرو مرشد کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو چکا ہوں۔

اگر ہو سکے تو میری پیرو مرشد کو میری موت کی اطلاع دیدی جائے۔ میں آخر میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔۔۔ کہ میں نے اپنے مسلمان دوست سلیمان کھوسہ کو قتل نہیں کیا۔۔۔ بھلا مسلمان۔۔۔ مسلمان کو کس طرح قتل کر سکتا ہے۔ بہر حال۔ میں اپنے اللہ کی رضا پر راضی ہوں۔

دستخط۔ قاسم علی۔۔۔۔۔۔ جو پہلے گھنشام تھا۔

○

موت سے واپسی

دستخط کرنے کے بعد ۔۔۔۔ اس نے وصیت نامہ جیلر کے سپرد کر دیا۔۔۔۔ جیلر نے بغیر پڑھے دستور کے مطابق اس بات کی تصدیق کر دی ۔۔۔۔ کہ موت کی سزا پانے والے نے اس کے سامنے یہ وصیت نامہ لکھا ہے۔اس کے بعد اس نے ۔۔۔۔ اسے تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا اور دو سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر گھنشام کو کوٹھری سے باہر نکالا اور تختہ دار کی جانب لے چلے۔

○

ٹھیک پونے پانچ بجے اسے سفر آخرت پر روانہ ہونا تھا۔۔۔۔ اور جس وقت گھنشام کو تختہ دار پر کھڑا کیا گیا تو ساڑھے چار بج چکے تھے ۔۔۔ مجسٹریٹ ۔۔۔۔ جیلر۔۔۔۔ ڈاکٹر۔۔۔۔ جلاد ۔۔۔۔ سبھی موجود تھے ۔۔۔۔ گھنشام زیر لب بڑبڑا رہا تھا ۔۔۔۔ شاید وہ کلمہ طیبہ پڑھ رہا تھا۔۔۔ جلاد نے آخری بار پھندے کا جائزہ لیا۔ اور ٹھیک چار بج کر پینتیس منٹ پر اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ کر اسے کالی ٹوپی پہنا دی جس سے گردن تک کا حصہ چھپ گیا۔ پھر جلاد نے پھندہ اس کے گلے میں ڈال دیا۔

اب گھنشام کی موت میں صرف دس منٹ باقی رہ گئے تھے۔۔۔۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ "اللہ رکھی" کی پیش گوئی غلط ثابت ہونے والی ہے۔۔۔۔ بلکہ مجھے تو یقین ہو گیا تھا کہ اب اللہ رکھی کیا۔۔ دکھائے گی۔۔۔ وقت اپنی تیز رفتار سے گزر رہا تھا۔ جیلر اور مجسٹریٹ کی نگاہیں کلائیوں پر بندھی ہوئی گھڑیوں پر جمی

ہوئی تھیں ..... کہ اچانک ایک آواز بلند ہوئی .... رک جاؤ .... رک جاؤ۔

مجسٹریٹ اور جیلر نے ایک ساتھ اس آواز کی جانب دیکھا ..... دوڑتا ہوا آنے والا اسسٹنٹ جیلر تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر ہانپتے ہوئے بتایا.... کہ جیل کے آفس میں ابھی ابھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا فون آیا ہے کہ فی الحال گھنشام کی سزائے موت روک دی جائے.... اور وہ آپ دونوں سے بات کرنا چاہتے ہیں ..... جیلر کو اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال اس نے جلاد کو سختی سے ہدایت کی ..... کہ اس کے آنے تک سزائے موت نہ دی جائے اور نہ ہی مجرم کو تختہ دار سے اتارا جائے.... میں یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا... مجھے اپنے شعور پر یقین نہیں آ رہا تھا..... اللہ رکھی کی پیش گوئی صحیح ثابت ہو رہی تھی۔

میری نگاہیں برابر ان کے تعاقب میں تھیں.... جیلر نے فون پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے بات کی ..... اسے حکم دیا گیا... گھنشام کی سزائے موت .... تاحکم ثانی ملتوی کر دی جائے۔ حکم ملتے ہی وہ تیز تیز قدم اٹھائے ہوئے پھانسی گھر آئے اور جلاد کو حکم دیا۔ فی الحال مجرم کو تختہ دار سے اتار کر واپس کوٹھری میں بھیج دیا جائے.... حکم پاتے ہی جلاد نے گھنشام کے گلے سے پھانسی کا پھندہ نکال دیا۔ اس کے چہرہ سے سیاہ ٹوپی اتار لی گئی اور ہاتھ کھول کر واپس کوٹھری میں بھیج دیا گیا..... گھنشام کی سمجھ میں خود نہیں آ رہا تھا کہ موت اتنے قریب آ کر پھر دور کیسے ہو گئی۔ کوٹھری میں پہنچتے ہی اس نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور پھر وہ اللہ کی حمد و ثناء میں مشغول ہو گیا۔

اب میں اپنی آنکھیں کھولنا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا..... کہ میں انھیں کھولنے پر قدرت نہیں رکھتا..... اس کے ساتھ ہی میرے شعور میں تجسس کی لہریں ابھرنے لگیں.... میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ گھنشام کی سزائے موت کیونکر ملتوی کر دی گئی..... میری نگاہوں کے سامنے ایک بار پھر "وقت" دہرایا جانے لگا۔

جس رات گھنشام کو پھانسی دی جانے والی تھی... اسی دن .... تھانہ میں ایک نوجوان شخص داخل ہوا۔ اور اس نے واشگاف الفاظ میں اصرار کیا کہ اسے دو سال قبل قتل کیے جانے والے سلیمان کھوسہ کے جرم میں گرفتار کیا جائے۔ اور گھنشام کو جسے آج رات "پھانسی" دی جانے والی ہے۔ چھوڑ دیا جائے..... کیونکہ وہ بے قصور ہے اور ..... میں اصل مجرم ہوں۔

پہلے تو تھانیدار کو اس شخص کی دماغی صحت پر شک ہوا.... لیکن جب اس شخص نے قسم کھا کر کہا... کہ اصل مجرم وہی ہے اور گھنشام کو بے قصور سزا دی جا رہی ہے۔ تو تھانیدار اسے ساتھ لے کر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے دفتر میں پہنچ گیا .... اس زمانے میں کیونکہ ہندوستان سے مسلمان نقل مکانی کر رہے تھے۔ اس وجہ سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ انتظامی امور کے سلسلے میں دفتر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اس لیے ان دونوں کو انتظار کرنے کو کہا گیا ..... جوں .... جوں وقت گزرتا جا رہا تھا .... نوجوان کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا وہ وقت گزرنے کے ساتھ .... ساتھ تھانیدار سے اصرار کرتا جا رہا تھا..... کہ اسے گرفتار کر لیا جائے ... ورنہ گھنشام بے قصور موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

جب اس نوجوان کا اصرار التجا کی صورت اختیار کر گیا تو تھانیدار نے چند آدمیوں کی موجودگی میں اس نوجوان کا بیان قلمبند کر لیا۔

○

اس نوجوان نے بتایا کہ .... میں بدین کے فلاں گاؤں .... کا رہنے والا ہوں .... میرا نام رحیم بخش کھوسہ ہے .... سلیمان کھوسہ میرا بہنوئی تھا۔ پاکستان بننے سے کچھ عرصہ قبل اس کی شادی میری بہن سے ہوئی تھی .... ایک لڑکے کی پیدائش کے بعد جب یکے بعد دیگرے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں تو وہ گاؤں کو چھوڑ کر شہر چلا آیا۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس دوران پاکستان بن گیا۔ میرے ماں باپ اس کا انتظار کرتے کرتے مر گئے.... لیکن اس کا کہیں پتا نہ چلا۔ آخر ایک دن وہ کسی کام سے کراچی آیا۔ اور جب "کینٹ اسٹیشن" سے ٹرام میں بیٹھا تو اس نے اپنے بہنوئی سلیمان کھوسہ کو پہچان لیا .... وہ ٹرام ڈرائیور تھا .... وہ اپنے بہنوئی سے ملا۔ اور اسے گھر کے تمام حالات بتا کر بیوی بچوں کو ساتھ رکھنے کو کہا.... کیونکہ وہ خود ایک کسان تھا اور اس کی اتنی آمدنی نہیں تھی کہ اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ بہن کے بچوں کی بھی پرورش کر سکتا ..... سلیمان کھوسہ اسے اپنے گھر لایا.... اس کی خاطر مدارات کی اور وعدہ کیا کہ چند دن بعد وہ چھٹی لے کر گاؤں آئے گا۔ اور اپنی بیوی بچوں کو ساتھ لے آئے گا۔

رحیم بخش ایک رات اس کے گھر ٹھہرا ۔ اور دوسرے دن خوشی خوشی گاؤں لوٹ گیا۔ گاؤں پہنچ کر اس نے اپنی بہن کو سلیمان کے ملنے کی خوشخبری سنائی۔ اس کی بہن اور بچے بہت ہی خوش ہوئے۔ اور اس کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

لیکن وہ پھر نہیں آیا .... بلکہ تین ماہ بعد اسے ایک خط ملا جس میں سلیمان کھوسہ نے لکھا تھا ...... کہ وہ نہیں آئے گا۔ اور اس کی بہن آزاد ہے۔ میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔ وہ جس سے چاہے شادی کر لے ..... بہن نے یہ سنا تو غش کھا کر گر گئی اور تین دن بے ہوش رہنے کے بعد انتقال کر گئی...... طلاق سن کر وہ بھی مشتعل ہو گیا تھا۔ لیکن جب بہن اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکی تو اس کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔اور اس نے سلیمان کھوسہ کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مقصد کی خاطر اس نے اپنی کلہاڑی پر نئی دھار لگوائی۔

وہ رات کو کراچی پہنچا تھا.... اور جب وہ سلیمان کے گھر پہنچا تو گھنشام اس کے گھر میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا .... پھر جب وہ اٹھ کر چلا گیا ..... تو وہ گھر میں داخل ہوا.... سلیمان کھوسہ پہلے تو اسے دیکھ کر گھبرایا .... لیکن پھر بہانہ بنانے لگا۔

رحیم بخش خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا .... اسے اپنے بہنوئی کی کسی بھی بات پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ لہذا جونہی سلیمان کھوسہ بات ختم کر پلنگ کی طرف مڑا۔ اس نے کلہاڑی کا بھرپور وار کیا۔ سلیمان بغیر کوئی آواز نکالے پلنگ پر اوندھے منہ جا گرا.... رحیم بخش نے اپنی بہن کا انتقام لے لیا تھا .... لیکن پھر..... وہ قانون کی گرفت میں آنے کے خیال سے خوفزدہ ہو گیا .... لہذا .... اس نے اندر سے کنڈی لگائی اور دیوار پھاند کر بھاگ نکلا .... وہ کچھ عرصہ تک اپنے ایک دوست کے گھر چھپا رہا۔ اور جب اسے اخبارات کے ذریعہ علم ہوا ... کہ سلیمان کھوسہ ٹرام ڈرائیور کے قتل کے الزام میں .... اس کے ہندو پڑوسی "گھنشام" کو گرفتار کر لیا گیا ہے .... تو اسے اطمینان ہوا .... اور وہ واپس اپنے گاؤں چلا گیا۔

○

سلیمان کھوسہ کے قتل کی روئیداد گاہے بگاہے اخبارات میں چھپتی رہتی تھی۔ اور رحیم بخش جب بھی بدین شہر آتا تھا۔ اخبارات کے ذریعہ اس مقدمہ کے بارے میں معلومات حاصل کر لیا کرتا تھا ڈیڑھ سال بعد .... جب اس مقدمہ کا فیصلہ سنایا گیا تو اسے اخبارات کے ذریعہ پتا چلا .... کہ عدالت نے "گھنشام" کو "سزائے موت" دے دی ہے۔ وہ بہت ہی خوش ہوا.... لیکن جب اسے پتا چلا کہ گھنشام کی رحم کی درخواست مسترد کر دی گئی ہے تو اس کا ضمیر جاگ اٹھا.... احساس جرم اس کے ضمیر کو ہچکولے دینے لگا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا.... کہ اس کے جرم کی سزا میں ایک بے گناہ مارا جا رہا ہے.... وہ اپنے ضمیر کی ملامت برداشت نہ کر سکا۔ اور جرم کا جو خوف اس کے ذہن پر چھایا ہوا تھا یکسر ختم ہو گیا.... وہ ریل گاڑی میں بیٹھا اور سیدھا کراچی چلا آیا.... وہ جس رات کراچی پہنچا تھا۔ اسی رات گھنشام کو پھانسی دی جانے والی تھی.... وہ بھاگم بھاگ علاقہ کے تھانیدار کے پاس پہنچا اور اسے تمام حقیقت حال بتائی۔

تھانیدار اس کی بات سن کر عجیب طرح کے شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے .... اصل مجرم ظاہر ہو چکا تھا اور اس کے ظاہر ہونے سے قتل کے اس مقدمہ کی نوعیت بالکل ہی بدل گئی تھی ... اگر وہ ... اب اصل مجرم کو قانون کی گرفت میں لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے مقدمہ کی صحیح تفتیش نہیں کی .... اور اس طرح غلط کاروائی کے جرم مین اس کی نوکری جانے کا بھی خطرہ تھا.... لیکن دوسری جانب اس کا ضمیر اس بات پر اصرار کر

رہا تھا کہ جب اصل مجرم ظاہر ہو گیا ہے .... تو بے گناہ گھنشام کو موت کی سزا کیوں ملے .... کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ تو صرف دنیاوی معمولات ہیں جن سے باآسانی نبٹا جا سکتا ہے .... لیکن اگر واقعی گھنشام کو پھانسی ہو گئی اور روز محشر گھنشام نے اسے پکڑ لیا ... تو ... تو وہ اپنے خدا کو کیا منہ دکھائے گا۔ یہ سوچ کر بالآخر... تھانیدار نے اپنے ضمیر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے.... اس نے گھنشام کو بچانے اور اصل مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مقصد کی خاطر اس نے رحیم بخش کا حلفیہ بیان قلمبند کیا اور اسے لے کر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت کی طرف چل دیا۔

○

عدالت کا وقت ختم ہو چکا تھا... دفتر کے لوگوں سے پتا چلا کہ .... ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ باہر گئے ہوئے ہیں اب تھانیدار کی بھی یہ کوشش تھی کہ گھنشام کی زندگی بچ جائے ... لہٰذا وہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا انتظار کرنے لگا .... وقت گزرتا رہا... اور ..... دفتر والے بھی گھر جانے لگے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اب مجسٹریٹ صاحب دفتر میں نہیں آئیں گے۔

تھانیدار نے ایک شخص سے مجسٹریٹ کا پتہ لیا۔ اور رحیم بخش کو ساتھ لے کر ان کی طرف چل دیا۔ اس وقت سب سے اہم مسئلہ گھنشام کی زندگی کو بچانا تھا۔ اور تھانیدار جانتا تھا کہ ..... کہ فوری طور پر پھانسی کو صرف ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہی رکوا سکتا ہے .... اور وہ یہ انتہائی اقدام اسی وقت کر سکتا تھا جب کہ اس کے پاس پھانسی والے شخص کے بارے میں کوئی ٹھوس ثبوت موجود ہو.... تھانیدار

کے ساتھ رحیم بخش ایک ایسے ثبوت کے طور پر موجود تھا جو کہ خود اپنے جرم کا اقرار کر رہا تھا۔ لہٰذا .... وہ اسے ساتھ لیے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔

○

جس وقت تھانیدار اصل مجرم کو لے کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بڑے سے مکان میں داخل ہوا تو رات کی سیاہ چادر پھیل چکی تھی ... نیلے آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے۔ لیکن رحیم بخش کی قسمت کا ستارہ تاریک تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اردلی نے بتایا.... کہ صاحب کھانا کھا کر باہر نکل گئے ہیں۔

تھانیدار اور رحیم بخش یہ سن کر بہت مایوس ہوئے۔ لیکن انھوں نے باہر ورانڈے میں بیٹھ کر انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا .... اس عرصہ میں رحیم بخش پر اضطرابی کیفیت طاری رہی .... کبھی وہ اٹھتا اور بے چینی سے ٹہلنے لگتا .... کبھی وہ بیٹھتا اور پھر فوراً ہی ٹہلنے لگتا ..... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سخت ذہنی الجھن میں مبتلا ہے۔

رات کو تقریباً بارہ بجے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی گاڑی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ اور جب انھوں نے ورانڈے میں ایک پولیس افسر اور عام شہری کو بیٹھا دیکھا تو گاڑی سے اتر کر انہی کی طرف چلے آئے۔

تھانیدار نے سلام کرنے کے بعد انہیں رحیم بخش سے متعلق تمام تفصیل بتائی ..... ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بھرپور نظروں سے جائزہ لیا۔ اور پھر بڑی ہی حقارت سے بولے .... یہ جھوٹ بکتا ہے۔

رحیم بخش ہاتھ جوڑ کر بولا .... حضور ایک ہندو کے لیے میں جھوٹ نہیں بول سکتا لیکن کیا کروں .... میرے دل سے یہ آواز نکلتی ہے کہ تو بزدل ہے ..... قتل تو نے کیا ہے اور سزا ایک بے قصور کو مل رہی ہے .... جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ گھنشام اب نہیں بچ سکتا ..... میرا سکون تباہ ہو کر رہ گیا ہے ... خدا کے لیے میرا یقین کریں .... سلیمان کو میں نے قتل کیا ہے .... میں نے .... کیونکہ اس نے میری بہن کی زندگی برباد کر دی تھی .... وہ سہاگن ہو کر بھی بیوہ کی طرح زندگی گزار رہی تھی۔

آخری جملہ پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ چونکا .... اس نے رحیم بخش کا سر سے لے کر پاؤں تک جائزہ لیتے ہوئے پوچھا .... سلیمان کا تیری بہن سے کیا تعلق تھا۔

جواب میں رحیم بخش نے شروع سے آخر تک کے واقعات سنا دیئے۔

○

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بڑی ہی توجہ سے واقعات سنے..... اس کی دوران ملازمت بارہا ایسا ہوا کہ قتل یا چوری کا اصلی ملزم عین وقت پر ظاہر ہوا۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ جرم کرنے کے بعد قانون کے ڈر سے روپوش ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس کے بجائے کسی بے گناہ کو سزا دی جاتی ہے تو اس کے اندر کا سویا ہوا بہادر انسان جاگ اٹھتا ہے.... اور اس وقت بھی ایسا ہی تھا.... لیکن وہ نفسیاتی طور سے چاہتا تھا کہ رحیم بخش کے جذبات کو اس قدر مشتعل کر دے کہ مقدمہ کی دوبارہ سماعت کے دوران وہ کہیں بھی انحراف نہ کر سکے۔

یہی وجہ تھی کہ اس نے تھانیدار کو معنی خیز انداز میں آنکھ سے اشارہ کیا۔

اور یہ کہتا ہوا اندر چلا گیا ...... یہ گھنشام کو بچانا چاہتا ہے۔

اس کے جانے کے بعد رحیم بخش چند لمحہ بند دروازہ تکتا رہا۔ پھر اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ زور زور سے چلانے لگا.... گھنشام کوئی میرا رشتہ دار ہے جو اسے بچاؤں گا .... ارے وہ بنیا کیا کسی کو قتل کریگا.... سلیمان اس کی نہیں میری بہن کا شوہر تھا.... سلیمان کو میں نے قتل کیا ہے .... تم لوگ مجھے نہیں پکڑ سکتے ہو .... اپنی عزت بچانے کے لیے اس بے قصور کو سزائے موت دے رہے ہو ....

اور اس کے علاوہ بھی وہ نہ جانے کیا کیا کہتا رہا... اندر کمرہ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خاموشی سے کرسی پر بیٹھا سنتا رہا۔ اور جب اسے پوری طرح یقین ہو گیا کہ اب اصل قاتل اپنے بیان سے کبھی بھی نہیں پھر سکے گا .... اور وہ شدت احساس جرم کی وجہ سے ہر سزا کو قبول کر لے گا.....تو اپنے کمرہ سے باہر نکلا۔

رحیم بخش نے اسے دیکھتے ہی پاؤں پکڑ لئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا - میرے پاؤں چھوڑو۔ او ریہ بتاؤ کہ تم نے اسے کس طرح قتل کیا تھا۔

رحیم بخش نے من و عن وہی بیان دوہرا دیا جو کہ وہ تھانیدار کو لکھوا چکا تھا .... ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بیان پر اس کے دونوں انگوٹھے لگائے - اور دبدبہ سے بولا .... اگر تیرا بیان غلط ہوا تو ساری عمر کے لیے جیل بھیج دوں گا۔

یہ دو زندگیوں کا معاملہ تھا.... ایک کو موت کی تمنا تھی۔ اور دوسرے سے بے قصور زندگی چھینی جا رہی تھی۔ ایسے موقعہ پر ذمہ دار افسران بڑی ہی سوجھ

بوجھ سے کام لیتے ہیں۔

○

بہرحال - گھنشام موت کی دہلیز سے واپس لوٹ آیا تھا اور جیل کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اس کے رشتہ داروں کو اطلاع دے دی گئی ...... کہ فی الحال اس کی موت پر .... عمل در آمد روک دیا گیا ہے..... یہ خوشخبری سن کر اس کے رشتہ داروں کی منہ سے حیرت و خوشی سے چیخیں نکل گئیں .... ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا .... یہ سب کس طرح ہو گیا۔

گھنشام کی بیوی ابھی تک نہیں پہنچی تھی ..... رشتے دار اس کے انتظار میں کھڑے رہے..... وہ صبح صادق کے وقت واپس پہنچی۔ اس کے دل و دماغ پر امید و بیم کی کیفیت طاری تھی .... اس کا خیال تھا کہ گھنشام کی لاش باہر کھڑے ہوئے لوگوں کو مل چکی ہو گی۔ لیکن جب دور سے اس نے رشتہ داروں کو خالی کھڑے دیکھا تو سمجھی کہ لاش کو گھر بھیج دیا گیا ہے۔ اور اب .... یہ سب اس کے انتظار میں کھڑے ہیں۔

سہاگ اجڑنے کا خیال آتے ہی وہ چیخ مار کر گاڑی ہی میں رونے لگی .... رشتے دار دوڑتے ہوئے اس کے قریب پہنچے اور کہا .... اری نیک بخت! بھگوان نے تیرا سہاگ بچالیا ہے ... گھنشام کی سزا روک دی گئی ہے۔

اس نے جونہی یہ بات سنی تو ایک لمحہ کے لیے سکتہ طاری ہو گیا... جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو... پھر دوسرے ہی لمحہ وہ خوشی سے "اللہ رکھی" کہتی ہوئی زمین پر ایسے گری گئی جیسے سجدہ میں اللہ کا شکر ادا کر رہی ہو۔

تمام رشتہ دار پریشان ہو گئے .... کہ یہ اللہ رکھی کون ہے..... پھر انھوں نے اسے سجدہ سے اٹھایا..... اور پھر..... سب اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔

○

وہ صبح ان سب کے لئے خوشی کا پیغام لے کر آئی ...... عدالت میں رحیم بخش کو پیش کیا گیا جس نے عدالت میں اقبال جرم کر لیا....... جج نے فوری طور سے گھنشام کو بری کرنے کے احکام جاری کر دیئے۔ گھنشام رہا ہونے کے بعد سیدھا گھر پہنچا تو تمام رشتہ دار خوشی سے گلے ملے۔ ...... گھنشام نے بتایا کہ .....سلیمان کھوسہ کا اصل قاتل اس کا بہنوئی تھا۔ اور اس نے عدالت میں پہنچ کر خود ہی اقبال جرم کر لیا۔ گھنشام کے آنے سے قبل ..... اس کی بیوی رشتہ داروں کو بتا چکی تھی ..... کہ وہ اپنے شوہر کے کہنے پر "اللہ رکھی" کے پاس گئی تھی۔ جو کہ بھگوان کی اوتار ہے اور اس نے یہ خوشخبری سنائی تھی .... کہ تیرا ساگ بچ جائے گا..... ابھی اس کے مرنے کا "وقت" نہیں آیا ہے ..... یہ سن کر تمام رشتہ داروں کے دل میں اللہ رکھی کے لئے عقیدت پیدا ہو چکی تھی .....اور وہ سب اس کے پاس جانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ گھنشام بھی رہا ہو کر پہنچ گیا۔

گھنشام نے جب یہ سنا تو وہ قدرے ناراضگی سے اپنی بیوی سے بولا .... اگر تو شروع ہی سے میری بات مان لیتی اور "اللہ رکھی" سے مل لیتی تو میں کب کا چھوٹ چکا ہوتا۔

پھر وہ بڑے فخر و غرور سے بولا .... تو اسے نہیں جانتی اللہ اس کی بات سنتا ہے اور اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ پھر وہ جوتے سنبھالتے ہوئے بولا.... .. میں پہلے

اس کے چرن چھو کر آتا ہوں۔

اسے جاتا دیکھ کر بیوی نے کہا ..... ٹھہرو۔ میں بھی چلوں گی ..... اور پھر..... تھوڑی دیر بعد ہی دونوں میاں بیوی دوسرے رشتہ داروں کے ہمراہ "اللہ رکھی" کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ سب تخت پر بیٹھے ہوئے "اللہ رکھی" کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر کچھ دیر بعد ..... جونہی اللہ رکھی دروازہ سے نمودار ہوئی .... گھنشام اور اس کی بیوی نے دوڑ کر اس کے قدموں میں سر رکھنا چاہا ..... لیکن اس نے دونوں کو روک دیا۔ اور تخت پر بیٹھتے ہوئے گھنشام سے بولی ..... تم پر اتنی زبردست مصیبت آ پڑی اور مجھے خبر تک نہ دی۔

مجھے اتنی مہلت ہی نہیں ملی .... گھنشام نے خفت سے جواب دیا ..... صبح ہوتے ہی پولیس نے پکڑ لیا......اور پھر......

تم کسی کے ذریعے ہی اطلاع کرا دیتے ..... اللہ رکھی نے شکوہ کیا۔ پھر قدرے مسکرا کر بولی ..... کیا تمہارا مجھ پر ایمان نہیں تھا..... کیا تمھیں مجھ پر بھروسا نہیں تھا۔

نہیں ماں جی ...... نہیں ..... گھنشام ہاتھ جوڑ کر گھگیایا .....میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا ..... پھر وہ اپنی بیوی کی طرف غصہ بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا .....میں تو اس سے بار بار کہتا تھا...... کہ میری پیر و مرشد کے پاس چلی جا..... لیکن یہ سادھوؤں اور پنڈتوں کے چکر لگاتی رہی۔

یہ سن کر گھنشام کی بیوی اور رشتے دار اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے

لگے۔ اللہ رکھی شاید ان کا مطلب سمجھ گئی تھی ..... لہٰذا ..... وضاحت کرتے ہوئے بولی ..... اس میں اس معصوم کا کیا قصور ..... اس کے شعور میں مذہب کا جو رنگ بسا ہوا ہے ' یہ تو اسی رنگ کے لوگوں کے پاس جائے گی۔

بس ماں جی ..... گھنشام نے عقیدت سے اس کے پاؤں پکڑ کر کہا ...... اب تو دل چاہتا ہے ..... تمہارے قدموں میں زندگی گزار دوں۔

نہیں بھئی ..... نہیں ..... اللہ رکھی نے اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے جواب دیا ... تمہاری بیوی ہے۔ بچے ہیں..... انکے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزارو ..... اللہ نے تمہیں نئی زندگی دی ہے۔ اس کا شکر ادا کرو۔ اپنے نبیؐ کی نیاز کراؤ۔

آخری جملے پر گھنشام کی بیوی چونکی .... اس نے نظر بھر کر اپنے شوہر کو دیکھا۔ جیسے بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو ... پھر..... پھر اللہ رکھی کے قدموں میں جھکتے ہوئے بولی ..... میں بھی مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ..... اللہ رکھی نے اسے شانوں سے اٹھاتے ہوئے جواب دیا .... تمہارا شوہر پہلے ہی اس سعادت سے فیض یاب ہو چکا ہے۔ اور اب یہ نعمت تمہیں بھی حاصل ہو گئی ہے۔

اس کے بعد ..... اللہ رکھی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھے رکھے کلمہ پڑھایا - اور چند اسلامی رکن بتائے۔ اس کے بعد .... جب اس نے ہاتھ ہٹایا تو گھنشام کی بیوی کے چہرہ پر نور پھیلا ہوا تھا .... حق اور سچائی کا نور .... وہ باطل کے اندھیروں سے نکل آئی تھی۔

اتنی دیر میں ایک نہایت ہی وجیہہ شکل نوجوان نیلے رنگ کے سوٹ میں

ملبوس ' مٹھائی لے کر آ گیا اور اس نے مٹھائی کی پلیٹیں تخت پر ان سب کے سامنے رکھنا شروع کر دیں .... اسی لمحہ .... اسی ساعت میری آنکھ خود بخود کھل گئی۔ اور میں یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا .... کہ کمرہ کے دروازہ سے دھوپ اندر آ رہی ہے۔

جب کہ ابھی ابھی ..... میں نے جو آخری منظر دیکھا تھا ..... وہ رات کا تھا۔

○

زمان و مکان

میں آنکھیں ملتا ہوا پلنگ سے اٹھا۔ اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ مجھے اللہ رکھی کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ میں کمرہ سے باہر نکل آیا۔ باہر تخت پر اللہ رکھی بیٹھی ' انگلیوں پر کوئی وظیفہ پڑھ رہی تھی مجھے دیکھتے ہی بولی۔ تم اٹھ گئے۔

تو کیا میں سو گیا تھا۔ میں نے قریب آ کر پوچھا۔

میں تو یہی سمجھتی ہوں .... اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ ..... وہ ..... عورت اور دوسرے تمام لوگ کہاں گئے۔ میں نے اپنے اطراف میں نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

کون لوگ ..... اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

وہ تو کبھی کے اپنے گھر جا چکے ہیں..... اس نے بتایا۔

اس کا مطلب ہے .... میں نے قدرے تعجب سے کہا۔ تمھاری پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی۔

ارے نہیں .... اس نے انکساری سے جواب دیا۔ میں تو ناچیز بندی ہوں ..... یہ جو کچھ بھی تم نے دیکھا ہے۔ خواب میں دیکھا ہے۔

اگر یہ خواب تھا ..... میں نے سوچتے ہوئے کہا .....تو عجیب خواب تھا..... دو سال پہلے کا واقعہ حقیقت میں نظر آ رہا تھا۔

خواب میں تو انسان ..... سیکڑوں سال پہلے کے واقعات پلک جھپکتے دیکھ لیتا

ہے۔ اس نے جواب دیا۔

لیکن یہ خواب تو نہیں تھا ..... مجھے جیسے یاد آ گیا۔ یہ تو تم نے میری پیشانی پر پھونک ماری تھی۔

تو پھر یہ پھونک کا کمال ہوا۔ وہ زور سے ہنسی۔

نہیں پھونک کا کمال بھی نہیں تھا ..... میں جھنجلا گیا۔

تو پھر کیا تھا ..... اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ پھر خود ہی ملائم لہجہ میں بولی ..... تم کچھ نہیں جانتے ...... کچھ بھی نہیں ..... تم تو مادی علوم جانتے ہو نہ تمہیں روحانیت کا پتہ ہے۔

تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں نے اسی لہجہ میں کہا۔ لیکن میں ان شعبدہ بازیوں سے مرعوب ہونے والا نہیں ہوں.... اگر تم کچھ جانتی ہوتیں تو ان واقعات کی توجیہہ پیش کر دیتیں۔

اگر میں پیش بھی کر دوں تو بھی تم اعتبار نہیں کرو گے اس نے کہا۔

تم بتاؤ تو سہی .. میں نے اصرار کیا۔

تم ... تم ... مراقبہ کے بارے میں جانتے ہو ..... اللہ رکھی نے پوچھا۔

ہاں - جانتا ہوں... میں نے فخر سے جواب دیا ... یہ ایک طرح کی عبادت ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں کیا کرتے تھے۔

اور بس ..... وہ مسکرائی۔

ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہی خوبرو نوجوان نہ جانے کہاں سے نمودار ہو گیا ... میں چونک گیا ... کیونکہ میں اس نوجوان کو پہلے بھی دیکھا تھا۔ وہ نوجوان

نہایت ہی ادب سے سر جھکائے اللہ رکھی سے کہہ رہا تھا۔ ماں جی اب آپ کو کراچی شہر چلنا ہو گا۔

رہائش کا انتظام ہو گیا.... اللہ رکھی نے پوچھا۔

ہاں۔ ہو گیا... نوجوان نے مختصر سا جواب دیا۔

تو پھر چلنے کی تیاری کرو .... اللہ رکھی نے اسے حکم دیا .... وہ نوجوان روبوٹ کی طرح پلٹا اور سہ دری کے دروازہ میں داخل ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی میں اس طرح چونک گیا جیسے نیند سے بیدار ہوا ہوں۔

یہ ... نوجوان کون ہے ... میں نے پوچھا۔

میرا ملازم ہے .... اللہ رکھی نے بتایا۔

تمھارا ملازم ... میں قدرے حیرانگی سے کہا ... بڑا ہی ماڈرن ہے۔

ارے ہاں۔ اب کچھ سنبھل گیا ہے ..... اللہ رکھی نے ہنستے ہوئے کہا ....پہلے تو یہ بہت ہی بگڑا ہوا تھا۔

کیا مطلب .... میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

پہلے یہ بڑا ہی بنا ٹھنا پھرتا تھا .... اللہ رکھی نے بتایا ... لڑکیاں اسے دیکھتے ہی شادی کے لیے تیار ہو جاتی تھیں - اب سمجھا بجھا کر ایک ہی حلیہ میں رہنے پر راضی کیا ہے۔

ہے تو واقعی حسین ... میں نے تعجب سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔ لیکن حلیہ والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

حسین ہے نا .... اللہ رکھی نے میری بات کی تائید کی۔ پھر سرگوشی سے بولی۔

یہ "جن" ہے۔ لہٰذا جب چاہتا اپنا حلیہ تبدیل کر لیتا تھا۔

یہ "جن" ہے.... میں نے قہقہہ لگایا۔ جن تو بڑے ہی ڈراؤنے اور ہیبتناک ہوتے ہیں۔ تم مجھے بے وقوف بنا رہی ہو۔

بنے ہوئے کو کیا بنانا ... اللہ رکھی نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔ پھر تخت سے اٹھتے ہوئے بولی اچھا اب مجھے تو کراچی جانا ہے.... تم بھی گھر جاؤ۔

پھر وہ دس روپے کا نوٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی .... یہ .... رکھ لو۔

مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے.... میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

انسان کو پیسے کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے.... اس نے جواب دیا۔ اور دس روپے کا نوٹ زبردستی میری جیب میں ٹھونستے ہوئے بولی .... سدا وقت ایک سا نہیں رہتا.... وقت نے تمہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے... بہت پیچھے۔

کیا مطلب ..... میں نے وضاحت چاہی۔

اب جاؤ... اس نے روکھے لہجہ میں کہا.... جب گھر جاؤ گے تو خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ آخری جملہ ادا کرنے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے دروازہ کی طرف بڑھی۔ اور غائب ہو گئی۔ میں اس کے آخری جملوں پر غور کرتا ہوا اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

○

جب میں اپنے مکان کی طرف جا رہا تھا تو عجیب سے تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔

میرے قدموں کے نیچے کولتار کی سیاہ سڑک تھی

کھڑے تھے .... پھر بھی نہیں- گاؤں میں بھی تبدیلی آ چکی تھی ... میرے گاؤں میں کچے مکانات بکثرت تھے- لیکن اب .... وہاں کوئی بھی مکان کچا نہیں تھا بلکہ ہر مکان پکا تھا اور گاؤں ایک جدید بستی میں تبدیل ہو چکا تھا-

میں ایک ہی رات میں .... اس تبدیلی پر حیران و پریشان تھا.... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا... کچھ بھی نہیں .... میں بار بار سوچتا تھا کہ .... کہیں کسی اور بستی میں تو نہیں نکل آیا .... لیکن ذہن بار بار اس خیال کی تردید کر دیتا تھا... میں اندازہ سے اس گلی میں داخل ہوا جس میں ہمشیرہ کا مکان تھا اور اس مکان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اب یہ مکان بھی پختہ تھا میں نے دروازہ پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا- میرا خیال تھا کہ بہن یا بہنوئی کوئی تو دروازہ کھولے گا لیکن جب دیر تک دروازہ نہیں کھلا تو میں نے دوبارہ دستک دی اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا دروازہ کھولنے والی ایک ادھیڑ عمر اجنبی عورت تھی-

میں اس اجنبی عورت کو دیکھ کر سخت پریشان ہو گیا.... اور ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا.... کہ اس نے سخت لہجہ میں پوچھا.... کیا بات ہے-

میں نے اپنی بہن اور بہنوئی کا نام بتاتے ہوئے کہا... وہ اس مکان میں رہتے تھے-

ہاں رہتے تھے... اس عورت نے پیشانی پر بل ڈال کر جواب دیا ... پانچ سال پہلے وہ یہ مکان بیچ کر چلے گئے-

پانچ سال پہلے ... حیرت و استعجاب سے میں نے کہا-

لو- تو کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں .. عورت نے کمر پر ہاتھ رکھ کر بڑی ہی

اکڑ سے کہا- میرے پاس مکان کا اسٹامپ ہے .... لیکن تو کون ہے-

یہ تم کیا کہہ رہی ہو- میں نے مزید حیران و پریشان ہو کر کہا- میں کل رات ہی تو انھیں یہاں چھوڑ کر گیا ہوں اور تم-

لو- اس کی سنو- اس عورت نے ایک دوسری عورت کو مخاطب کیا- یہ کل رات اپنے بہنوئی اور بہن کو اس گھر میں چھوڑ کر گیا تھا-

اس عورت نے عجیب نظروں سے مجھے گھورا... جیسے میں پاگل ہوں- پھر بڑے ہی طمطراق سے پوچھا... کیا نام تھا تیری بہن اور بہنوئی کا-

میں نے اسے نام بتائے-

جا - اپنا کام کر.... اس نے اکھڑ لہجہ میں کہا .... وہ تو پانچ سال پہلے یہ مکان بیچ کر کہیں چلے گئے-

کہاں چلے گئے- میں نے بے اختیار پوچھا-

ہمیں کیا معلوم .... عورت نے ہاتھ نچا کر جواب دیا .... پھر وہ پہلی والی عورت سے مخاطب ہوئی .... بہن بہنوئی اس کے ہیں اور پتہ ہم سے معلوم کر رہا ہے-

پہلی والی عورت نے قدرے تشش و پنج سے کہا ... مجھے تو کوئی پاگل دکھائی دیتا ہے-

آخری الفاظ کے ساتھ ہی اس عورت نے دروازہ بند کر لیا .... اس کی ساتھی عورت نے بھی ایسا ہی کیا.... اب میں عجیب الجھن میں مبتلا ہو گیا- میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایک رات میں اتنی زبردست تبدیلی کس طرح رونما ہو گئی

میں اس بارے میں جتنا بھی غور کرتا تھا الجھتا جاتا تھا... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ
رہا تھا کچھ بھی نہیں .... اس گاؤں میں .... اس بستی میں اور کوئی میرا رشتہ دار
نہیں تھا .... میں نے راہ چلتے ہوئے چند لوگوں سے اس بستی کے بارے میں پوچھا۔
انھوں نے میری ہر بات کا جواب .... پانچ سال پہلے کے حوالہ سے دیا... اس کا
مطلب یہ تھا کہ ایک رات .... جو کہ میں نے اللہ رکھی کی حویلی میں گزاری تھی ... وہ
پانچ سال پر محیط تھی۔اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں اس کے یہ الفاظ گونجنے
لگے۔

وقت نے تمہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

آخرکار میں نے فیصلہ کیا.... کہ واپس "اللہ رکھی" کے پاس جاؤں اور اس
سے یہ مسئلہ حل کراؤں یہ سوچ کر میں دوبارہ اس کی حویلی کی جانب چل دیا۔

○

اللہ رکھی کو زمان و مکان پر کنٹرول تھا۔ یا نہیں .... مجھے کچھ نہیں معلوم۔
لیکن اس وقت میں جس صورتحال سے دوچار تھا۔ اس کا حل اللہ رکھی کے پاس
ضرور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں بستی سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کی حویلی
کی طرف چل دیا .... لیکن جب میں سڑک عبور کر کے ان درختوں کے جھنڈ کے
قریب پہنچا جن کی اوٹ میں اس کی حویلی تھی = تو یہ دیکھ کر بہت ہی پریشان ہوا
.... کہ اس کی حویلی تو خاک کا ڈھیر بنی ہوئی تھی .... اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس
حویلی کو بھی زمین بوس ہوئے عرصہ ہو چکا ہے۔

○

واقعات ہر لمحہ مجھے ایک نئی الجھن میں ڈال رہے تھے .... لیکن میرے
اعصاب .... مضبوط تھے میں نے ان بھول بھلیوں سے نکلنے کی خاطر... اس ماحول
ہی کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا اور کراچی جانے کا ارادہ کرلیا۔ میں نے اینٹوں کے
ڈھیر پر الوداعی نظر ڈالی اور کراچی کی جانب جانے والی سڑک پر آگیا.... اس وقت
یہاں ذرائع آمدورفت برائے نام تھے .... سڑک پر کھڑے کھڑے مجھے خیال آیا
.... کہ میں کراچی جاؤں گا کیسے .... اس کے ساتھ ہی خود بخود میرا ہاتھ جیب کی
طرف چلا گیا۔ اور یہ جان کا اطمینان ہوا کہ اللہ رکھی کے دیئے ہوئے دس روپے
کا نوٹ موجود ہے۔

اس کے ساتھ ہی مجھے اس کے وہ الفاظ یاد آگئے جو اس نے دس روپے کا
نوٹ دیتے ہوئے کہے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ رکھی کو میرے ساتھ پیش
آنے والے واقعہ کا علم تھا۔ اور وہ جانتی تھی .... کہ میں اس کے پاس کراچی آؤں
گا۔ اس خیال کے آتے ہی میرے دل میں شدت سے یہ خواہش پیدا ہو گئی۔ کہ
کسی نہ کسی طرح سے جلد از جلد کراچی پہنچ جاؤں .... کافی دیر بعد .... ایک
سواری ادھر سے گذری میں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا اور قریب پہنچ کر بولا ....
مجھے کراچی جانا ہے۔

پانچ روپے ہوں گے بابوجی .... اس نے کرایہ بتایا۔

ٹھیک ہے .... میں نے جواب دیا اور بیٹھ گیا۔ میرے پاس دس روپے تھے
میں نے سوچا کہ پانچ روپے کرایہ کے ادا کرنے کے بعد بھی پانچ روپے تو بچ ہی
جائیں گے۔

تقریباً" دو گھنٹے کے بعد .... میں کراچی پہنچ گیا.... میں اپنے خیالات میں گم تھا کہ اچانک اس کی آواز سنائی دی۔

میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا.... میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا - اللہ رکھی کا پتہ میرے پاس نہیں تھا .... یہ میری غلطی تھی .... کہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ اب وہ کراچی جا رہی ہے - میں نے اس کا پتہ نہیں معلوم کیا تھا۔ اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی - کہ حالات بالکل ہی بدل جائیں گے..... کراچی میرے لیے بالکل اجنبی شہر تھا .... میرے ماں باپ پہلے ہی اس دنیا سے کوچ کر چکے تھے - بہن اور بہنوئی کے علاوہ کوئی ایسا رشتہ دار بھی نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی ..... کہ جیسے ہی تعلیم کا سلسلہ ختم ہوا۔ میں گاؤں اپنی بہن کے پاس چلا گیا تھا۔ جہاں میری ملاقات "اللہ رکھی" سے ہو گئی تھی۔ اور "وقت" نے مجھے پیچھے چھوڑ دیا تھا .... اب میں اسی کی تلاش میں کراچی آ گیا تھا۔

○

میں جس جگہ اترا تھا..... میرے سامنے سے رنگ برنگی کاریں گزر رہی تھیں۔اطراف میں عوام کا اژدھام تھا .... میں فٹ پاتھ پر کھڑا سوچ رہا تھا - کہ اب کہاں جاؤں .... اجنبی شہر میں میرا شناسا کوئی بھی نہ تھا ... میں مستقبل کے تانے بانے بنتا ہوا فٹ پاتھ پر چلنے لگا..... میں چلتا رہا .... چلتا رہا .... اس مسافر کی طرح جسے اپنی منزل کا علم نہیں ہوتا۔

بس لوگ چل رہے تھے۔ اور میں بھی ان کے ہمراہ وکٹوریہ روڈ پر چل رہا تھا ... انسانوں کے اس ہجوم میں ہر شخص کی منزل تھی..... صرف میں ہی ایک ایسا

تھا - جس کی کوئی منزل نہ تھی۔ کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ چلتے چلتے میں ایک باغ کے قریب پہنچ گیا ..... سامنے نظر دوڑائی تو سبز گھاس کے تختے اور ان کے کناروں پر خوش رنگ پھولوں کے درخت لہلہا رہے تھے۔ چند بچے اور بوڑھے گھاس پر بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ میں تھک چکا تھا۔ اور گھاس پر بیٹھ کر ستانا چاہتا تھا کہ اچانک مجھے بھوک کا احساس ہوا.... اس کے ساتھ ہی میری نظر باغ کے آخری کونے میں گئی ..... یہاں مالا باری کا ہوٹل تھا .... بھوک انسان سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لیتی ہے۔ اس وقت میری بھی یہی حالت تھی ..... میری جیب میں آخری پونجی صرف پانچ روپے تھے۔ اور بھوک کا غلبہ اس قدر شدید تھا کہ میں کل کی فکر کیے بغیر مالا باری کے ہوٹل کی طرف چل دیا۔

○

مالا باری کے ہوٹل میں .... میں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اور جب باہر نکلا تو میری جیب میں صرف دو آنے تھے .....جی ہاں .... دو آنے ..... ان دو آنوں سے میں صرف ایک کپ چائے پی سکتا تھا..... میں نے دو آنے سنبھال کر رکھ لیے۔

پھر جب سورج نے مغرب کی سمت سفر شروع کر دیا۔ تو مجھے رات گزارنے کی فکر ہوئی .... اس بڑے شہر میں رات بسر کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں تھا - پھر میرے لیے زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ میں گھر کی چاردیواری کے باہر رات بسر کرنا والا تھا..... میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں ..... میں ذہن میں رات بسر کرنے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ اور سوچتا ہوا پھر صدر کے قلب میں پہنچ گیا۔

یہاں پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ اب ..... اس وقت یہاں دن جیسی چہل پہل نہیں تھی- اور اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ دوکانیں بند کر کے اپنے گھروں کو جا رہے تھے-

جوں جوں رات گہری ہوتی جا رہی تھی- صدر کی رونق بھی ختم ہوتی جا رہی تھی- اور تقریبا" دس بجے تو بالکل ہی سناٹا سا چھا گیا تھا.... پھر میں نے دیکھا کہ لوگ بند دوکانوں کے سامنے فٹ پاتھ پر بستر بچھا بچھا کر لیٹنے لگے.... ان کو دیکھ کر میری بھی ہمت بڑھی ...... یہ لوگ وہ تھے جن کا میری طرح کوئی ٹھکانہ نہیں تھا ..... جب کافی تعداد میں لوگ آ کر لیٹ گئے تو میں نے اطراف میں نظر ڈالی .... اور ہمت کر کے ایک خالی جگہ پر لیٹ گیا-

○

ابھی میں عالم غنودگی میں تھا - کہ ایک نہایت ہی کرخت آواز کانوں سے ٹکرائی ... اڑے اٹھو ... وری تم ادھر کدھر سے آگیا-

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا .... ایک لحیم شحیم قد آور شیدی سر پر کھڑا مجھ سے کہہ رہا تھا - میں اس کی آواز اور قد آور شخصیت سے سہم کر فورا" ہی اٹھ گیا .... میرے اٹھتے ہی اس نے بغل میں دبی ہوئی دری بچھائی اور اس پر لیٹتے ہوئے بولا .... چلو ابھی اِدھر سے اپنا شکل گم کرو-

میں اپنی شکل کہاں گم کرتا- تمام فٹ پاتھ بھر چکے تھے- میں نے اپنے جسم کو سکیڑا اور اس کے پاؤں کے قریب بیٹھ گیا- اس نے سونے کی خاطر اپنا سر زمین پر ٹکا دیا- لیکن چند لمحہ بعد جب اس نے دیکھا کہ میں اپنی جگہ سے نہیں ہلا ہوں تو

گردن اٹھا کر بولا .... اڑے اس شہر میں اجنبی ہے کیا-

میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے اس کی جانب رحم طلب نظروں سے دیکھا .... وہ فورا" ہی سنبھل کر بستر پر بیٹھ گیا .... اور تسلی دیتے ہوئے بولا .... تم ہندوستان سے آیا ہے .... گھبراؤ نہیں .... یہ کراچی اپنے ہی جیسے بے گھر لوگوں کا ٹھکانہ ہے .... تمہارے پاس دری شری ہو تو بچھا لو-

میں نے بتایا کہ میرے پاس اس قسم کی کوئی چیز نہیں ہے وہ میری بات کے جواب میں زور سے ہنسا- اور اپنے مخصوص انداز میں تین انگلیوں سے چٹکی بجاتے ہوئے بولا ..... تم چوری موری میں سزا کاٹ کر تو نہیں آیا-

میں نے اس کی غلطی فہمی دور کرنے کی خاطر شروع سے لے کر اب تک کے واقعات سنا دیئے-

○

میری بپتا سننے کے بعد .... اس کے چہرہ پر ایک عجیب قسم کا تاثر پھیل گیا- اور وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا- اپن پتا نہیں تم سچ بولتا ہے - یا- جھوٹ ... لیکن ہم ایک بات بولتا ہوں ... یہ اللہ والے لوگ موجی ہوتے ہیں- چاہیں تو بادشاہ بنا دیں- اور چاہیں تو فقیر-

لیکن اس وقت تو میری حالت فقیر سے بھی بدتر ہے .....میں نے غمزدہ لہجہ میں کہا-

کوئی بات نہیں .... اس نے تسلی دی- پھر اپنے مخصوص انداز میں چٹکی بجاتے ہوئے بولا.... اپن تو ایک بات جانتا ہے - سدا وقت ایک سا نہیں رہتا -

لیکن ..... لیکن ..... ابھی تو وقت نے مجھے پیچھے چھوڑ دیا ہے..... میں نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

ابھی معلوم نہیں ..... وقت نے تمھیں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ یا۔ تم نے وقت کو پیچھے چھوڑ دیا ہے ..... اس نے ایک بار پھر تسلی دی ..... لیکن تم فکر نہیں کرو ..... اپنے ساتھ ہی رہو۔

تم۔ کیا کرتے ہو..... میں نے بے ساختہ پوچھا۔

اپنا اسٹوری بھی تمھارے جیسا ہے ..... وہ زور سے ہنستے ہوئے بولا ..... اپنے کو بھی وقت نے ادھر فٹ پاتھ پہ دھکیل دیا ہے۔

وہ کیسے ..... میں نے تعجب سے پوچھا۔

اس نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا۔ وہ مختصراً" یہ تھا..... کہ وہ لیاری کے ایک اوسط درجہ کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام محمد قاسم شیدی تھا ..... اس کا باپ موٹر مکینک تھا۔ اور بند روڈ پر موہن لال کے گیراج میں ملازم تھا۔ جب وہ دس گیارہ سال کا ہوا۔ تو اس کا باپ اپنے ساتھ ہی کام پر لے جانے لگا اور اس طرح وہ بیس سال کی عمر میں ایک ماہر موٹر مکینک ہو گیا۔ جب وہ بیس سال کا تھا۔ تو اس کے باپ کو دمہ ہو گیا۔ اس نے باپ کے علاج پر روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ لیکن تین سال بعد وہ مر گیا۔ اسے باپ کی موت کا گہرا صدمہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود کام پر جاتا رہا..... اور ابھی ایک سال ہی گزرا تھا، گیراج میں کام کرتے ہوئے بھاری مشین اس کے پاؤں پر گری اور دائیں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

اس کی ماں نے دو سال تک علاج کرایا۔ اس عرصہ میں گھر کا نہ صرف تمام اثاثہ فروخت ہو گیا بلکہ گھر بھی رہن رکھنا پڑ گیا..... جب وہ اسپتال سے گھر آیا۔ تو اس کی چال میں لنگ پیدا ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ چھوٹی ہو گئی ہے۔ اس نے اپنے اس جسمانی نقص کے باوجود کام جاری رکھا۔ وہ دن رات گیراج میں کام کرتا رہا۔ تاکہ گھر کو رہن سے چھڑا لے۔ لیکن وہ گھر نہیں چھڑا سکا۔ اس کی ماں اس صدمہ کی تاب نہ لا کر مر گئی ..... پھر پاکستان بن گیا۔ اور موہن لال اپنا گیراج بیچ کر ہندوستان چلا گیا ...... اور اس طرح وہ فٹ پاتھ پر آ گیا۔

○

میرے اس دوست کا نام "قاسم شیدی" تھا...... میرا یہ دوست عجیب قسم کے مزاج کا تھا۔ اسے میں نے کبھی بھی کل کی فکر میں مبتلا نہیں دیکھا ... وہ دن بھر گاڑیوں کی صفائی اور مرمت میں لگا رہتا۔ میں چونکہ کوئی ٹیکنیکل کام نہیں جانتا تھا۔ لہٰذا تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع ایک مالا باری کے ہوٹل میں بیٹھا رہتا تھا۔ یہ مالا باری بھی قاسم شیدی کا دوست تھا۔ میں اس سے کوئی بھی چیز طلب کرتا۔ وہ فوراً" ہی مہیا کر دیتا ..... قاسم شیدی جیسا مخلص دوست مجھے پھر کبھی نہیں ملا۔ وہ ایسے وقت میں میرا دوست بنا تھا۔ جب کہ میرے پاس نہ تو کھانے کے لیے کوئی پیسہ تھا۔ اور نہ ہی سر چھپانے کی جگہ تھی۔

مجھے اپنے دوست کی ہر ادا پسند تھی ..... وہ لنگڑا کر چلتا تھا۔ اور اس کی چال میں بھی ایک طرح کا وقار تھا ..... وہ بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی سے بڑے ہی زور

سے چٹکی بجاتا تھا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کا کوئی بھی شخص اس طرح سے چٹکی نہیں بجا سکتا۔

اگر مجھے اختلاف تھا۔ تو صرف اس کی لاابالی طبیعت سے تھا۔ وہ کسی بھی قسم کی فکر نہیں کرتا تھا۔ کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ گھنٹوں ہوٹل میں بیٹھ کر "خیالی پلاؤ" پکاتا رہتا تھا۔ اور جب میں اس کی کسمپرسی کی شکایت کرتا۔ تو وہ اپنے مخصوص انداز میں چٹکی بجا کر کہتا ..... سدا وقت ایک سا نہیں رہتا تم دیکھنا .... ایک وقت آئے گا جب کہ ہم بہت امیر ہوں گے ..... سندھ کے وڈیروں کی طرح ..... میں اسے کوئی جواب نہیں دیتا تھا ۔ کیونکہ میں جانتا تھا ..... کہ "قاسم" نہ جانے کس امید پر امیر بننے کی آس لگائے بیٹھا تھا .... شاید اسے کسی جادوئی چراغ کے ملنے کی امید تھی۔

○

انہی دنوں حکومت نے دریائے سندھ پر بیراج بنانے کے منصوبہ کا اعلان کیا۔ یہ بیراج دریائے سندھ پر .... حیدر آباد سے تقریباً" چھ سات میل دور "جام شورو" کے مقام پر تعمیر کیا جانا تھا.... یہ ایک بڑا منصوبہ تھا۔

شروع میں ملکی و غیر ملکی ماہرین کی رہائش کے لیے مکانات وغیرہ تعمیر کرنے کا کام تھا۔ اور اس کام کی نگرانی کے لیے پڑھے لکھے لوگوں کی ضرورت تھی۔ جو کہ کام کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ مزدوروں کا حساب بھی کر سکیں.... میں نے نوکری کی دو درخواستیں ہاتھ سے لکھیں .... ان میں ایک درخواست تو میری تھی اور دوسری میرے دوست قاسم کی .... اس وقت ہم دونوں ہی کی قسمت زوروں

پر تھی - لہٰذا ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر ہم دونوں کی درخواستیں منظور کر لی گئیں۔

مجھے تعمیری کام کا سپروائزر مقرر کیا گیا۔ اور قاسم کو سرکاری گاڑیوں کی دیکھ بھال کا کام سونپا گیا۔ اور اس طرح ہم دونوں کراچی چھوڑ کر "حیدر آباد" آ گئے.... حیدر آباد شہر کے باہر حکومت نے ایک بڑا سا قطعہ اراضی حاصل کر لیا تھا۔ جہاں مکانات کی تعمیر شروع ہو گئی۔

○

پھر..... ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ ہم دونوں جدا ہو گئے - قاسم کو جام شورو میں دریائے سندھ کے کنارے بھیج دیا گیا۔ کیونکہ اب بھاری مشینیں آنا شروع ہو گئی تھیں جو کہ بیراج بنانے کے لیے مٹی سمیٹتی تھیں۔ ان مشینوں کے ذریعہ دریا کے بہنے کا متبادل راستہ بنایا جانے لگا.... جام شورہ کے مقام پر کام زور و شور سے ہونے لگا۔ بیراج کالونی کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ اور اس میں ملکی و غیر ملکی ماہرین نے رہائش اختیار کر لی تھی۔ اب کیونکہ میرا کام ختم ہو چکا تھا۔ لہٰذا حکام بالا نے مجھے ملازمت سے برطرف کرنے کی بجائے یہ ڈیوٹی لگا دی ... کہ میں غیر ملکیوں کو حیدر آباد شہر اور اس کے گرد و نواح کی سیر کرایا کروں .... اس مقصد کے لیے انھوں نے مجھے ایک گاڑی بھی دے دی جسے میں نے چند روز ہی میں چلانا سیکھ لیا .... اب میرا کام شام کو غیر ملکیوں کو سیر کرانا ہوتا تھا۔ اور ان کی خواہش پر کبھی میں حیدر آباد شہر میں ہوتا تھا۔ اور کبھی جام شورو میں۔

اس مصروفیت کی وجہ سے میں اپنے دوست قاسم سے بہت ہی کم ملاقات کر

دیتا تھا... البتہ جب میں جام شورو میں ہوتا تھا۔ تو آتے جاتے اس سے سلام دعا ہو جاتی تھی ...... میں اسے اکثر فولادی ٹوپی پہنے اور ہاتھ میں اوزار لیے ہوئے کسی نہ کسی گاڑی کے انجن پر جھکا ہوا دیکھتا تھا۔ میں جب بھی اسے مخاطب کرتا تھا۔ وہ سلام کا جواب دینے کے بعد اپنے مخصوص انداز میں چٹکی بجایا کرتا تھا۔ میں نے اس میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں دیکھی۔ اس کی وہی مست مولا قسم کی طبیعت تھی۔

○

وقت گزرتا رہا... اور اس طرح تین سال گزر گئے ..... پھر اتوار کی ایک شام میں چند غیر ملکیوں کو لے کر جی - ایم - بیراج گیا۔ میں نے دریا سے قدرے دور ایک ہوٹل کے قریب گاڑی کھڑی کی .... غیر ملکی گاڑی سے اتر کر زیر تعمیر بیراج دیکھنے کو چل دیئے۔ اور میں نے ہوٹل کا رخ کیا .... یہ ہوٹل ایک مقامی نے بانس اور چٹائیوں سے بنایا تھا۔ اور بیراج پر کام کرنے والے مزدور وغیرہ یہیں کھانا کھاتے تھے ..... میں جیسے ہی اندر داخل ہوا .... میں نے دیکھا کہ قاسم ایک ٹیبل کے گرد اپنے چند دوستوں کے ہمراہ بیٹھا ہے .... مجھے دیکھتے ہی اس نے گرمجوشی سے سلام کیا۔ اور پھر چٹکی بجا کر اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے قریب جا کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ادھر ادھر کی ہانک رہا تھا .... میرے پہنچنے کے بعد .... گفتگو یہ چل نکلی ..... کہ دراصل ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایک نہ ایک دن یہ بیراج تو مکمل ہو ہی جائے گا۔ اس کے بعد ہم سب کیا کریں گے۔

اس موضوع پر ہر شخص اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد قاسم کھانس کر بولا .... اچھی زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں۔ایک محنت کے ساتھ اور دوسرا عقل و چالاکی سے۔

ہر شخص محنت کرتا ہے ..... میں نے جواب دیا .... لیکن ہر.......

لیکن .... اس نے میری بات کاٹی.... ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق زندگی نہیں گزار سکتا۔

کیا مطلب ..... ایک اور دوست نے پوچھا۔

ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے.......وہ مخصوص انداز میں چٹکی بجا کر بولا ..... کہ اس کے پاس بے پناہ دولت ہو۔ اور اس کی ہر خواہش پلک جھپکتے میں پوری ہو جائے۔

یہ بات تو ہے .... ایک دوسرے ساتھی نے تائید کی۔

اور اس کے لیے عقل کی ضرورت ہے..... اس نے مختصر جواب دیا۔

یہ عقل والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی ..... میں نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

ارے عقل سے کام لے کر تو انسان اپنی تقدیر بدل سکتا ہے..... اس نے جواب دیا۔

چاہے اس کی قسمت میں غریبی لکھی ہو ....میں نے برجستہ پوچھا۔

یہ قسمت کی بات تو کم عقل لوگ کرتے ہیں .... وہ اپنے الفاظ پر زور دے کر بولا .... اگر انسان عقل سے کام لے۔ تو وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ جو

وہ چاہتا ہے۔

چھوڑو یار ... میں نے تمسخر سے کہا ... جب ہم کراچی میں تھے۔ تو تم ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ سدا وقت ایک سا نہیں رہتا۔

میں صحیح کہتا تھا ... اس نے برجستہ جواب دیا ... اب دیکھو۔ تم نے عقل سے کام لے کر نوکری کے لیے درخواست دے دیا تھا اور ہم دونوں کو نوکری مل گیا۔ اگر تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ تو اپن دونوں ابھی کراچی ہی کی فٹ پاتھ پر ہوتے۔

○

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ عقل سے کام لے کر "وقت" کو بھی بدلا جا سکتا ہے ... میں نے پوچھا۔

بالکل ... بالکل ... اس نے تائیدی لہجہ میں کہا۔ پھر سب کے چہروں پر نظر ڈالتے ہوئے بولا ... جب سے میں حیدر آباد آیا ہوں ... ادھر کے رئیس ... نواب ' اور وڈیروں کو دیکھ دیکھ کر میرے دل میں بھی "وڈیرہ" بننے کی خواہش پیدا ہو گئی ہے۔

تو کیا تم وڈیرہ بن جاؤ گے ... ایک دوست نے طنز کیا۔

کیوں نہیں ... اس نے اعتماد سے جواب دیا ... میں عقل سے کام لے کر ایک ایسا رئیس بنوں گا جس کی زندگی قدیم سندھی تہذیب و تمدن اور جدید آرام و آسائش کا حسین امتزاج ہو گی جس کے "کوٹ" میں پھلوں کے درختوں کی بے شمار قطاریں ہوں گی ... میرے آگے پیچھے خدام ہوں گے ... پیچ در پیچ راہداریاں

ہوں گی جن کے فرش بیش قیمت قالینوں سے مزین ہوں گے ... دیواروں پر سندھی بادشاہوں کے محل کی طرح پچی کاری کا کام ہو گا ... اور چھت پر جواہرات کا جڑاؤ کام ہو گا ... ایک بڑا سا حرم ہو گا۔ جس میں دنیا جہاں کا حسن جمع ہو گا ... میرے پاس ایسے غلام ہوں گے جو حکم دیئے بغیر یہ جانتے ہوں گے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔

قاسم نے جونہی اپنی بات ختم کی - ہم سب زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے ... اس نے اپنی خیالی دنیا کا جو نقشہ کھینچا تھا وہ کسی شاہی خاندان ہی کا ہو سکتا تھا۔ جو ہم لوگوں کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

تم لوگ ہنس رہے ہو ... اس نے چٹکی بجا کر سنجیدگی سے کہا ... دیکھنا ایک دن میں اس عقل سے کام لے کر اپنی قسمت بدل دوں گا۔

اس دن اس کی یہ باتیں سن کر مجھے یقین ہو گیا۔ کہ اس کی کھوپڑی میں کوئی کل ڈھیلی ہے ... اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے یہ مجلس ختم ہو گئی - اور جب میں ہوٹل سے باہر نکلا - تو غیر ملکی ماہرین بھی واپس گاڑی کی طرف آ رہے تھے۔

○

باندی

اس ملاقات کے بعد ..... قاسم سے پھر کبھی میری ملاقات نہ ہو سکی- میں کئی بار جامشورو گیا مگر مجھے وہ نظر نہیں آیا ..... میں نے سوچا ..... ممکن ہے- اس میل بھر لمبے بیراج پر وہ کسی ایسی جگہ کام کر رہا ہو جہاں مجھے جانے کا اتفاق نہ ہوا ہو-

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قاسم کی باتیں اور یادیں بھی میرے ذہن سے ختم ہوتی چلی گئی اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ میں اپنے اس دوست کو بالکل ہی بھول گیا-

جی- ایم بیراج جسے اب جامشورو بیراج بھی کہا جاتا ہے- اپنی تکمیل کے آخر مراحل میں تھا- منہ زور دریائے سندھ کے سینے پر آہنی دروازے نصب کئے جا چکے تھے جس کی وجہ سے غیر ملکی ماہرین نے بھی رفتہ رفتہ اپنے وطن جانا شروع کر دیا تھا-

○

ایک دن مجھے حیدر آباد شہر جانا پڑ گیا- وہاں میری ملاقات چند ایسے غیر ملکی دوستوں سے ہو گئی جو عنقریب اپنے وطن واپس جانے والے تھے- ان سب کے ساتھ بیویاں تھیں- اور وہ یہاں سے ایسی چیزیں ساتھ لے جانا چاہتے تھے جو کہ یادگار قسم کی ہوتی ہیں-

میں نے ان سب کے اصرار پر خرید و فروخت کرانے کی ذمہ داری قبول کر لی- کیونکہ مقامی دکاندار نہ تو ان کی بولی سمجھ پاتے تھے اور نہ ہی وہ سمجھا سکتے تھے ..... پہلے تو کافی دیر تک ہم سب شہر کے مرکزی بازار میں گھومتے پھرتے رہے ..... خواتین کو جو چیز بھی پسند آ جاتی میں بھاؤ تاؤ کرا کر انہیں مناسب داموں میں دلوا دیتا تھا ..... مرد اس بھاؤ تاؤ سے سخت بیزار تھے لیکن میں انہیں بھی بہلائے ہوئے تھا ..... اسی طرح گھومتے پھرتے اور خریداری کرتے ہوئے ہم زیورات کی دوکانوں کی طرف نکل آئے- زیورات کی دوکانوں پر نظر پڑتے ہی خواتین کی "نمائشی" فطرت عود کر آئی اور وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھیں ..... اس دن مجھے معلوم ہوا کہ عورت "مشرق" کی ہو یا "مغرب" کی- وہ کسان کی بیوی ہو یا نواب کی ..... زیورات سے اسے دلی لگاؤ ہوتا ہے اور وہ اپنی خوبصورتی کو اجاگر کرنے کی خاطر زیورات کا سہارا ضرور لیتی ہے ..... خواتین کی زیورات میں دلچسپی کو دیکھتے ہوئے ..... میں یہ بات تو سمجھ گیا کہ اب ڈیڑھ دو گھنٹے کی چھٹی ہو گئی ہے ..... ان کے مرد بھی اس بات کو سمجھ گئے- لہٰذا انہوں نے ساتھ دینے کی بجائے ایک قریبی اچھے سے ہوٹل کا رخ کیا- انہوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا- لیکن میں نے انہیں سمجھایا کہ میرا یہاں رہنا زیادہ مناسب ہے- کیونکہ خواتین کو کسی بھی وقت میری ضرورت پڑ سکتی ہے- میری بات سن کر انہوں نے اپنے اپنے کاندھے اچکائے اور بیویوں کو زیادہ رقم خرچ نہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ہوٹل میں چلے گئے-

○

عورت کی پسند کیا ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا بڑا ہی مشکل ہے۔ دوکاندار نے ان کے سامنے مختلف قسم کے زیورات کا ڈھیر سا لگا دیا تھا جس سے وہ ایک ایک زیور کو اٹھا کر دیکھتیں اور پھر دوسرے کی طرف متوجہ ہو جاتیں۔ ان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے میں نے یونہی دکانوں کے سامنے ٹہلنا شروع کر دیا۔

زیورات کی دکانوں سے ہٹ کر ایک پتلی سی گلی اور تھی اس گلی میں ہار پھول کے زیورات بنا کر بیچنے والوں کی دکانیں تھیں۔ جن کی وجہ سے اس گلی کی فضا معطر رہا کرتی تھی ..... اس گلی میں چوتھی دکان مشہور گلفروش "ڈنو" کی تھی ..... حیدر آباد آنے کے بعد غیر ملکیوں کو سیر کرانے کی وجہ سے میری اس سے شناسائی ہو گئی تھی ..... غیر ملکیوں کو نہ صرف اس کی دکان کے پھول پسند تھے بلکہ وہ جس انداز میں پھولوں سے دوسری چیزیں بناتا تھا وہ بھی منفرد ہوتی تھیں ..... وہ عورت کی زیبائش کی خاطر پھولوں سے پورا زیور تیار کر دیا کرتا تھا۔ اور اس فن میں کوئی بھی اس کا ہم سر نہ تھا ..... سندھ کے بڑے بڑے امراء نواب اور رئیس اس کے مستقل گاہک تھے یہ قوی الجثہ شخص اکثر اپنی دکان کے ایک گوشے میں بیٹھا پھولوں سے نت نئے ڈیزائن تیار کرتا رہتا تھا۔

○

میں نے سوچا کہ جب ادھر آ ہی گیا ہوں تو کیوں نہ اس سے بھی ملاقات کر لوں۔ یہ سوچ کر جب میں گلی میں داخل ہوا تو سب سے پہلے میری نظر ایک چمکتی ہو شیورلے امپالا کار پر پڑی۔ اس کار کے طول و عرض کے سبب گلی تقریباً" بند ہو کر رہ گئی تھی اور چلنے والوں کو دقت ہو رہی تھی ..... گاڑی کی چمک دمک سے

معلوم ہوتا تھا کہ وہ حال ہی میں خریدی گئی ہے ..... اس گاڑی میں ڈرائیور کی نشست پر ایک بھاری بھرکم شخص سفید یونیفارم پہنے بیٹھا تھا۔ اس کے گلے میں کارتوسوں کی پیٹی لٹک رہی تھی اور کمر میں دونوں طرف کے ہولسٹر سے ریوالور کے سیاہ دستے جھانک رہے تھے۔ اس پر نظر پڑتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ گاڑی اور اس کا ڈرائیور کسی بہت بڑے رئیس سے تعلق رکھتے ہیں ..... میں یہی سوچتا ہوا ذرا آگے بڑھا تو میری نظر ایک خوبرو نوجوان پر پڑی جو کہ گاڑی کے پیچھے کھڑا مسلسل ڈنو کو تکے جا رہا تھا ..... میں نے ایک بار پھر کار کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا ..... کہ آخر یہ گاڑی کس کی ہے اور ڈرائیور نما گارڈ کیوں موجود ہے اور یہ نوجوان کسے دیکھ رہا ہے۔

○

حیدر آباد کے بازاروں میں کبھی کبھی ہی کسی رئیس ..... یا نواب کی گاڑی نظر آتی تھی۔ اور جب ..... نظر آ جاتی تھی تو سمجھا جاتا کہ قریب ہی سندھ کی کوئی بہت ہی معزز ہستی موجود ہے۔ یا پھر اس کی بیوی یا منہ چڑھی "باندی" موجود ہے۔ اور اس کا حسین ہونا بھی ضروری ہے۔ تب ہی تو اس کی حفاظت کے لئے گارڈ موجود ہوتا ہے۔

میں یہی سوچتا ہوا ..... اس کی دکان کے قریب پہنچ گیا لیکن فوراً" ہی ٹھٹک کر رہ گیا ..... دکان کے اندر ایک پری وش ڈنو سے پھولوں کا زیور خرید رہی تھی ..... اس کا پورا جسم "اجرک" سے چھپا ہوا تھا اور اس کے نصف چہرے پر سیاہ ریشمی نقاب پڑی ہوئی تھی۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے چاند بادلوں سے جھانک رہا ہو

..... اس کے قریب ہی ایک ضعیف العمر عورت بھی کھڑی تھی۔ جو کہ یقیناً" اس کی خادمہ تھی۔ مجھے پہلی بار شبہ ہوا کہ وہ "اللہ رکھی" ہے۔ میں دکان سے چند قدم دور ہی کھڑا ہو گیا تاکہ اس مہ جبین کو جی بھر کر دیکھ سکوں ..... یہ بہت ضروری تھا۔ کیونکہ کوئی بھی رئیس اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی بیوی یا باندی کے قریب کوئی غیر مرد کھڑا ہو ..... میرا خیال تھا کہ ممکن ہے اللہ رکھی نے سندھ کے کسی معزز شخص سے شادی کر لی ہو میں آڑ میں کھڑا ہو کر غور سے اسے دیکھنے لگا ..... اس وقت اس کا حسن شعلہ جوالہ ہو رہا تھا ..... وہ قدرت کی صناعی کا بہترین شاہکار تھی میں اس کے حسن کو دیکھنے میں محو تھا کہ اچانک میں نے اس کی بھنوؤں کی جنبش اور گردن کو مڑتے ہوئے دیکھا ..... مجھے فوراً" ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ اس خوبرو نوجوان کو دیکھ رہی ہے جو کہ کار کی پچھلی سمت میں کھڑا مسلسل اسے تکے جا رہا تھا۔

○

چند لمحہ بعد قریبی مسجد سے موذن کی آواز بلند ہوئی۔ اور کئی لوگ دکانوں سے نکل نکل کر مسجد کی طرف چل دیئے ..... اور پھر ..... وہ بھی اٹھ گئی ..... اس کی چال مورنی کی مانند تھی ..... وہ حسن کا ایک ایسا شاہکار تھی جسے الفاظ میں نہیں بیان کیا جا سکتا۔ صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جیسے گلاب کی خوشبو ..... میں نے آگے بڑھ کر اس سے بات کرنی چاہی۔ لیکن مستعد گارڈ کو دیکھ کر ہمت نہ ہوئی۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ حسین پیکر اپنی خادمہ کے ساتھ لمبی چوڑی کار میں

بیٹھ کر چلی گئی ..... اس کی کار جونہی گلی کے موڑ پر پہنچ کر نظروں سے اوجھل ہوئی وہ خوبرو نوجوان بھی کہیں غائب ہو گیا اس کے جانے کے بعد میں ڈنو کی طرف بڑھا ..... مجھے دیکھتے ہی وہ کھل اٹھا اور بڑے ہی پُرتپاک لہجہ میں بولا ..... آؤ ..... ادا ..... آؤ۔

میں نے اس کے قریب ہی ایک تپائی پر بیٹھتے ہوئے شکریہ ادا کیا ..... اس نے ذرا بلند آواز سے گلی میں چائے والے کو آواز دی۔ اور مجھے ایک سگریٹ پیش کرنے کے بعد خیر و عافیت دریافت کرنے لگا۔ خیریت وغیرہ بتانے کے بعد میرا سب سے پہلا سوال اس حسین دوشیزہ کے بارے میں تھا۔

میرا سوال سنتے ہی ڈنو نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر خاموش رہنے کو کہا ..... اس کی اس حرکت سے میرا تجسس اور بڑھا ..... میں نے اپنا سوال دوبارہ دہرایا ..... کیونکہ میرا یہ شک پختہ ہوتا جا رہا تھا ..... کہ وہ "اللہ رکھی" ہے۔

○

میری بے قراری کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا ..... بتاتا ہوں ..... بتاتا ہوں ..... پھر گردن موڑ کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور کسی کو قریب نہ پا کر سرگوشی سے بولا۔ اس کا تعلق بڑے ہی معزز خاندان سے ہے۔

سندھ میں یوں تو کئی معزز خاندان گزرے ہیں جن میں سومرا ..... کلہوڑا ..... اور تالپور وغیرہ بڑے قابل ذکر ہیں۔

میں نے ان کی تفصیل میں جانے کی بجائے پوچھا ..... یہ حسینہ کون تھی ..... کیا اس کا نام "اللہ رکھی" ہے۔

ارے بابا..... ڈنو نے اسی طرح سرگوشی سے کہا..... تم کس "اللہ رکھی" کی بات کر رہے ہو یہ تو..... رئیس کی چہیتی باندی ہے۔

اس کے جواب سے مجھے قدرے طمینان ہوا۔ اور میں نے دوسرا سوال کیا..... وہ خوبرو نوجوان کون تھا جو کہ کار کی اوٹ میں کھڑا مسلسل اسے تکے جا رہا تھا۔

میری بات سنتے ہی اس کا رنگ اڑ گیا۔ اور وہ نہایت ہی خوفزدہ آواز سے بولا..... خدا کے لئے آہستہ بولو۔ اگر کسی نے سن لیا تو غضب ہو جائے گا۔

اس کی خوفزدگی دیکھ کر مجھے تجسس ہوا۔ اور میں نے آہستگی سے پوچھا..... آخر ایسی کیا بات ہے اتنے میں باہر والا چائے لے کر آ گیا..... ڈنو نے کیتلی سے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا..... یہ نوجوان میرا بھائی ہے۔ اور اس عورت پر عاشق ہو گیا ہے۔ یہ ہفتہ میں ایک بار ضرور میری دوکان پر آتی ہے۔ اور یہ جب بھی آتی ہے میرا بھائی اسے تکنے لگتا ہے..... اور خون میرا خشک ہوتا رہتا ہے۔

تم اس معاملہ میں اس قدر خوفزدہ کیوں ہو..... میں نے چائے کا گھونٹ لے کر پوچھا۔

تم نہیں جانتے..... اس نے ہراساں ہو کر جواب دیا..... یہ جس رئیس کی باندی ہے وہ بہت ہی سخت مزاج ہے۔ اگر اسے ذرا سا شبہ ہو گیا کہ اس کی پسند باندی کو کوئی اور شخص بھی پسند کرتا ہے تو پھر اس کی خیر نہیں۔

اگر ایسی بات ہے..... میں نے چائے ختم کرتے ہوئے کہا..... تو تم اپنے

بھائی کو سمجھاتے کیوں نہیں۔

میں اسے کئی بار سمجھا چکا ہوں ..... اس نے چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے جواب دیا ..... لیکن اس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا ..... حالانکہ وہ اپنے ایک رشتہ دار کا حشر دیکھ چکا ہے۔

کیا مطلب ..... میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

اس کے جواب میں اس نے نہایت ہی رازداری سے بتایا ..... کہ ایک بار ..... اس کا ایک رشتہ دار "کوٹ" کے اندر داخل ہو گیا تھا ..... اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ دیوار کی دوسری جانب گونگے اور بہرے شیدی ہر وقت عذاب دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

عذاب ..... میں نے حیرت سے کہا۔

ہاں ادا۔ عذاب ..... ڈنو نے ایک دفعہ پھر خوفزدہ ہو کر کہا ..... جب میرا رشتہ دار "کوٹ" کے اندر کودا تو فوراً ہی گونگے بہرے شیدی اس پر کتوں کی طرح جھپٹے۔ جیسے وہ اسی کے انتظار میں تھے ..... پھر وہ اسے گھسیٹتے ہوئے رئیس کے سامنے لے گئے اور رئیس نے .....

اس کے بعد اس نے جو کچھ بتایا وہ اس قدر ہولناک تھا کہ میرے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ یہ رئیس رہتا کہاں ہے ..... میں نے بالکل غیر متوقع سوال کیا۔

تم نے شہر کے باہر واقع "کوٹ" تو دیکھا ہو گا۔ ڈنو نے دریافت کیا۔

میں نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ کیونکہ شہر کے باہر میں بارہا اس سڑک سے گزرا ہوں جس پر کچی مٹی کے قلعہ کی طرح اونچی دیواروں کی ایک عمارت کھڑی تھی۔

ڈنو نے بتایا ..... اس کوٹ کے اندر ہی وہ محل نما عمارت ہے جس میں رئیس رہتا ہے ..... ابھی حال ہی میں اس نے اپنے محل کی مرمت کرائی ہے۔

کیا وہ رئیس کوٹ سے باہر بھی آتا ہے..... میں نے تجسس سے پوچھا۔

دو تین سال پہلے تو وہ کبھی کبھی باہر آ جایا کرتا تھا ..... ڈنو نے بتایا ..... اس کے محل میں رئیس اور حکومت کے بھی بڑے بڑے لوگ آیا کرتے تھے۔ لیکن اب وہ بالکل غیر سماجی زندگی گزار رہا ہے۔

لیکن کیوں ..... میں نے بے ساختہ پوچھا۔

وری ہم کو کیا معلوم ..... ڈنو نے معصومیت سے جواب دیا ...... ہم کو تو بس اتنا معلوم ہے کہ وہ جدید تہذیب سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ آج بھی اس کے محل میں پرانی روایتوں کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔

اس بیسویں صدی کے دور میں پرانی روایتوں پر عمل کیا جا سکتا ہے ...... میں نے سوچا۔ یہ رئیس کس قسم کا آدمی ہے ..... ابھی میں اسی طرح سوچ بچار میں مبتلا تھا کہ .....ڈنو بولا ..... وری تم کس سوچ میں گم ہو گیا ہے۔

کچھ نہیں' کچھ نہیں ..... میں نے جواب دیا اور سنبھل کر بولا ..... میں تمہارے بھائی کے بارے میں سوچ رہا تھا ..... اگر ہو سکا تو میں اسے سمجھاؤں گا۔

اس کے بعد ..... میں تھوڑی دیر تک اور اس کے پاس بیٹھا۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اور پھر یہ سوچ کر اٹھ گیا کہ اب خواتین کے پاس چلنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے۔ انہیں میری ضرورت پڑ جائے۔

○

ان باتوں سے نجانے کیوں میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ "اللہ رکھی" اسی رئیس کے پاس ہے ..... اور جسے ڈنو نے باندی بتایا تھا ...... وہ اللہ رکھی ہی تھی ..... میں جوں جوں اس خیال کو اپنے ذہن سے نکالنا چاہتا تھا ..... یہ خیال اسی قدر پختہ ہوتا جاتا تھا۔

پھر ایک رات اچانک مجھے شہر کے باہر جانا پڑ گیا۔ اور جب میں اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد واپس آ رہا تھا تو درختوں کے جھنڈ میں کھڑی ہوئی یہ عمارت نظر آئی ..... اس عمارت پر نظر پڑتے ہی ذہن میں اللہ رکھی کی تلاش کا جذبہ ابھر آیا۔ اور میں حالات کی پروا کئے بغیر اس عمارت کی طرف چل دیا ..... میں ملحقہ قبرستان سے ہوتا ہوا "کوٹ" کی پچھلی جانب چل دیا ..... یہاں قبروں کے ساتھ ساتھ ان عمارتوں کے بھی کھنڈرات تھے جو کبھی لاثانی رہی ہوں گی۔ لیکن اب ان میں جنگلی کبوتروں اور چمگادڑوں نے بسیرا کر رکھا تھا۔ میں قبروں کے درمیان سے ہوتا ہوا اس دیوار کے پاس پہنچ گیا جو کافی دور تک چلی گئی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ نیم کے درخت کھڑے تھے۔ میں اس دیوار کے قریب کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ اندر کیسے جاؤں ..... اس مقصد کے لئے میرے ذہن میں طرح طرح کی ترکیبیں آ رہی تھیں ..... اچانک میری نظر برگد کے ایک بہت ہی پرانے درخت پر پڑی جس کی شاخیں کوٹ کی دیواروں کو چھو رہی تھیں ..... یہ ایک طرح سے قدرتی سیڑھی تھی ..... میں نے بندر کی طرح پھرتی سے اس درخت کے موٹے سے تنے کو پکڑا اور اوپر چڑھنے لگا۔ جب میں ان شاخوں تک پہنچ گیا جو کہ کوٹ کی دیواروں سے مل رہی تھیں چھلانگ لگا دی ..... میری یہ چھلانگ بالکل

سیج تھی ..... میں کوٹ کی دیوار پر بلی کی طرح لیٹا ہوا تھا ..... میرے سامنے اندھیرے میں ایسی عالیشان عمارت کھڑی تھی جیسے کسی کا محل ہو ..... عمارت کے چاروں جانب پھولوں کے درخت اور گھاس کے لان پھیلے ہوئے تھے۔ عمارت کی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ میں بلی کی طرح دبے پاؤں دیوار پر چلتے ہوئے ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں سے با آسانی نیچے اتر سکوں۔

○

مجھے تعجب اس بات پر تھا کہ اس پوری عمارت میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ یا پھر ہو سکتا ہے دور ہونے کی وجہ سے مجھے کوئی آہٹ سنائی نہ دے رہی ہو۔ کافی دیر کے بعد مجھے ایک ایسی جگہ نظر آئی جہاں پیر ٹکا کر نیچے اترا جا سکتا تھا۔

میں نے موقع دیکھ کر دیوار میں اس جگہ پیر ٹکائے اور نیچے کود گیا ..... نیچے پہنچ کر میں کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھا تو خود کو دوسری ہی دنیا میں پایا۔

مجھ سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک خوشنما جھیل تھی جس کے چاروں جانب سنگ مرمر کی نشستیں تھی ..... جھیل سے محل تک سفید سنگ مرمر کی سیڑھیاں ہی سیڑھیاں تھیں۔ جن میں پچی کاری کا نادر کام تھا ..... اس خوبصورتی میں مزید اضافہ ان گملوں نے کر رکھا تھا جن میں موتیا چنبیلی اور گلاب کے درخت لگے ہوئے تھے۔ اور یہ گملے سیڑھیوں کے دونوں جانب بڑے بڑے سنہری ظروف میں رکھے ہوئے تھے۔

محل خاصی بلندی پر تھا اور اس کے تین جانب ایسا باغ تھا کہ میں حیرت زدہ رہ گیا ..... سبز گھاس کی روشوں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہرن ..... مور.....

اور مچھلی کے مجسمے نصب تھے۔ جن کی منہ سے پانی کی دھاریں فوارے کی شکل میں نکل رہی تھیں ..... محل کا اندرونی حصہ روشنی کی وجہ سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔

○

میں حیرت زدہ نظروں سے اس منظر کو دیکھتا ہوا ..... درختوں کی آڑ میں آگے بڑھنے لگا اور اس طرح میں محل کے بغلی عمارت کی پشت پر پہنچ گیا ..... اب میرے سامنے ایک دیوار سینہ تانے کھڑی تھی ..... اس دیوار کو پار کرنا میرے بس میں نہیں تھا ..... پھر کچھ ہی فاصلہ پر تعمیراتی سامان بکھرا ہوا دکھائی دیا تو خیال آیا کہ ممکن ہے ..... ابھی یہ دیوار نامکمل ہو .....اس خیال کے آتے ہی میں دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ اور ابھی کچھ ہی دور چلا ہوں گا کہ یہ دیوار ختم ہو گئی۔

میں نے پہلے تو چوروں کی طرح دیوار کی اوٹ سے جھانکا اور جب کسی کی آہٹ محسوس نہیں ہوئی تو آگے بڑھ گیا ..... اب میرے اور محل کے درمیان صرف سبز گھاس کا میدان رہ گیا تھا۔ اور ابھی اس سبز خطہ کو عبور کرنے کی سوچ رہا تھا کہ اچانک رات کے سناٹے میں ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی ۔ میں خوف سے اس طرح اچھلا جس طرح مینڈک اچھلتا ہے۔ یہ آواز کہیں قریب ہی سے آئی تھی .... میں دبے پاؤں اس طرف بڑھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ میں جوں جوں آگے بڑھتا جا رہا تھا میرے کانوں میں "شائیں شائیں" چابک مارنے کی آواز آ رہی تھی۔ اور ساتھ ہی کوئی ٹھیٹ سندھی زبان میں معاف کر دو ..... معاف کر دو۔ چیخ رہا تھا۔ لیکن چابک کی آواز بھی اسی تواتر کے ساتھ آ رہی تھی۔

میں اس آواز کا تعاقب کرتا ہوا ایک ایسی عمارت تک پہنچ گیا جو یقیناً "محل

کے ملازمین کی رہائش گاہ تھی۔ میں جس دیوار سے ملا ہوا کھڑا تھا۔ یہ آوازیں اسی دیوار کے پیچھے سے آ رہی تھیں ..... دیوار سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بہت بڑا سا دروازہ تھا ..... کچھ دیر بعد چیخیں بند ہو گئیں۔ لیکن چابک مارنے کی آواز برابر آتی رہی۔

میں نے سوچا کہ اگر اس وقت دروازہ کھول کر کوئی بھی باہر آ گیا تو میں دیکھ لیا جاؤں گا۔ اور پھر خدا جانے میرے ساتھ کیا سلوک ہو..... یہ سوچ کر میں نے پناہ کے لئے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں .....

مجھ سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک آم کا درخت کھڑا تھا..... میں فوراً ہی آم کے درخت پر چڑھ گیا اور اس کی شاخوں کے درمیان چھپ کر بیٹھ گیا۔

ابھی مجھے بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دروازہ کھلا ایک لمبا تڑنگا شیدی ہاتھ میں پانی کا جگ لئے ہوئے باہر نکلا۔ اس نے قریب کے فوارے سے جگ بھرا اور دروازہ کے سامنے پڑے ہوئے ننگ دھڑنگ شخص کے منہ پر انڈیل دیا۔ اندر کمرہ میں برقی روشنی اتنی زیادہ تھی کہ مجھے کمرہ کے فرش پر پڑا ہوا شخص صاف نظر آ رہا تھا۔ ..... اس شخص کا بدن چابک کی ضربوں سے لہو لہان تھا ..... پانی پڑتے ہی زخموں سے چور اس شخص نے کراہ کر کروٹ لی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس پر دوبارہ چابک پڑنے لگے ..... جب اس شخص نے کروٹ لی میں نے دیکھا تھا وہ گلفروش ڈنو کا خوبرو بھائی تھا جسے میں ایک بار پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

○

بعض لمحے ایسے ہوتے ہیں جب کہ بزدل سے بزدل شخص بھی بہادر بن جا

ہے ..... ڈنو کے بھائی کی یہ حالت دیکھ میرے ذہن میں خوف کی جگہ بے خوفی اور ہمدردی نے لے لی ..... اور پھر..... میں نے نتائج کی پروا کئے بغیر درخت پر سے چھلانگ لگائی اور دوڑتا ہوا کمرہ کے اندر پہنچ گیا اندر پہنچ کر میں نے چابک برسانے والے شیدی کے منہ پر زور دار مکا مارا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا چند قدم پیچھے ہٹا اور اس کے ساتھ ہی ..... اس کا دوسرا ساتھی بھی مقابلہ پر آ گیا ..... اب ایک طرف تو یہ دو قوی ہیکل انسان تھے اور دوسری جانب میں تنہا تھا ..... اس سے پہلے کہ یہ دونوں ایک ساتھ حملہ کرتے میں نے فضا میں اچھل کر مدمقابل کے لات ماری اور وہ اپنے ساتھی سے جا ٹکرایا ..... لات مارنے کے بعد میں سنبھلا ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرے دونوں ہاتھ سختی سے اپنی گرفت میں لے لئے میں نے ہاتھ چھڑانے کی دو تین بار کوشش کی۔ لیکن گرفت بہت ہی سخت تھی۔ مجھے بے بس دیکھ کر دونوں شیدی تیزی سے آگے بڑھے اور مجھ پر تشدد کرنے کی بجائے ان سب نے مل کر میرے ہاتھ اور پاؤں مضبوطی سے پکڑ لئے اور تیزی سے چکر دینے لگے ...... یہ ایسی صورتحال تھی کہ حواس نے چند منٹ بعد ہی میرا ساتھ چھوڑ دیا ..... میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ اور کچھ ہی دیر بعد ...... میں تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

○

خان قید میں

جب مجھے ہوش آیا تو چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ تاریکی اتنی زیادہ تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میرا انگ انگ دکھ رہا تھا ..... تھوڑی دیر تک تو میں تاریکی میں آنکھیں کھولے لیٹا رہا اور یہ یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا ..... کہ کہاں ہوں ..... پھر چند لمحہ بعد مجھے گزرے ہوئے واقعات یاد آ گئے .....
یہ بھی غنیمت تھا کہ سر بھاری ہونے کے باوجود یادداشت قائم تھی۔ان بدبختوں نے نجانے کتنی دیر تک مجھے چکر دیئے تھے کہ سر میں ٹھہر ٹھہر کر درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں ..... میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تب مجھے احساس ہوا کہ میں ایک پتھر کی سل پر لیٹا ہوں اور مجھے خیال آیا کہ کہیں کسی تہ خانے میں تو قید نہیں کر دیا گیا ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے اِردگرد کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ لیکن تاریکی اتنی زیادہ تھی کہ آنکھیں جمانے کے باوجود کچھ دکھائی نہ دیا .....
ابھی میں اس ماحول کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا..... کہ فرش پر کئی آدمیوں کے چلنے کی چاپ سنائی دی پھر باہر سے دروازہ کھولا گیا اور اس کے ساتھ ہی نہ صرف روشنی پھیل گئی بلکہ تین تنومند آدمی بھی اندر داخل ہو گئے۔ ان میں سے دو کے پاس بندوقیں تھیں اور تیسرا جو کہ سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھ میں لالٹین تھی ..... ان سب کے پیچھے دروازہ کے درمیان میں ایک اور ہیبتناک شخص تھا جس نے اپنے پورے جسم کو چادر میں چھپایا ہوا تھا۔ اس کے سر پر

شیشوں والی ٹوپی تھی۔ جو اس بات کی علامت تھی ..... کہ وہ ان سب کا حاکم ہے۔

لالٹین پکڑے ہوئے شخص نے میرے قریب آ کر مجھے اٹھ جانے کا حکم دیا ..... اور میں اس کی زبان نہ سمجھتے ہوئے بھی اس کا مقصد سمجھ گیا۔ لہٰذا۔ فوراً ہی کھڑا ہو گیا..... پھر انہوں نے ساتھ چلنے کو کہا۔ میرے پاس ان کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ لہٰذا۔ خاموشی سے ساتھ ہو لیا ..... سب سے آگے لالٹین والا تھا۔ اس کے پیچھے دونوں بندوق برداروں کے درمیان میں تھا۔ اور میرے پیچھے ٹوپی والا تھا ..... کچھ دور چلنے کے بعد ٹوپی والا دائیں جانب چلا گیا اور ہم سب آگے بڑھتے رہے..... ہم سب نے پیچ در پیچ کئی راہداریاں طے کیں ..... کئی سیڑھیاں چڑھے اور کئی سیڑھیاں اترے .....ایک ایسے راستے پر پہنچے جو قدرے سیدھا تھا اور فرش پر قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے ..... یہ ایک طویل راہداری تھی جو بتدریج روشن تھی۔ یعنی اس کا ایک حصہ تاریک تھا تو دوسرا دن کی طرح روشن ..... میں روشن حصہ کی طرف بڑھ رہا تھا ..... راہداری کے اختتام پر ایک بڑا سا سنہری محراب دروازہ تھا ..... ہم جوں ہی اس کے قریب پہنچے وہ خود بخود کھل گیا ...... یہاں آ کر لالٹین والا رک گیا اور دونوں بندوق بردار مجھے لیئے ہوئے آگے بڑھے ..... اس کمرہ کے فرش پر بھی نہایت ہی دبیز اور خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا..... دیواروں پر نہایت ہی دیدہ زیب پچی کاری کا کام تھا۔ اور کمرہ کے گنبد جو کہ عین میرے سر کے اوپر واقع تھا رنگین شیشے جڑے ہوئے تھے۔ جن میں سے رنگین روشنیاں چھن چھن کر قوس قزح کا سماں پیش کر رہی

تھیں۔

ہم تینوں آگے بڑھتے ہوئے ایک ایسے خوشنما ریشمی پردہ کے قریب پہنچ گئے جو کہ دیوار کی مانند دائیں سے بائیں پھیلا ہوا تھا۔ چند لمحے بالکل سکوت چھایا رہا۔ پھر اس پردے کے پیچھے سے تالی بجنے کی آواز آئی ...... اور اس کے ساتھ ہی نہایت سرعت سے پردہ سرک گیا ..... پردے کے سرکتے ہی میں نے خود کو ایک ایسے دیوان خانہ میں پایا جو واقعی کسی بادشاہ کا معلوم ہوتا تھا۔

○

کمرہ میں گلاب اور حنا کی خوشبو تھی۔ جس نے میرے دماغ کو معطر کرنا شروع کر دیا تھا..... کمرہ میں اس قدر تیز روشنی تھی کہ کسی بھی شے پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی ..... پردہ کے سرکتے ہی میرے دونوں محافظ زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ اور مقامی زبان میں بولنے لگے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ یہاں کوئی اور شخص بھی موجود ہے میں نے غور سے دیکھا ..... آخری دیوار کے ساتھ قدرے بلند چبوترہ پر ایک نہایت ہی خوشنما کرسی رکھی ہوئی تھی۔ اور اس تخت نما کرسی پر ایک بارعب اور پرجلال شخص گاؤ تکیوں کے سہارے شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا ...... داڑھی سے بھرا ہوا چہرہ اس کی خاندانی وجاہت اور بزرگی کا غماز تھا...... ایک نہایت ہی تندرست و توانا دوشیزہ مشک و عنبر کا بلوری پیالہ ہاتھ میں اٹھائے اس کے بائیں جانب کھڑی تھی اور اس کی پشت کے دائیں جانب نوخیز لڑکیاں ایک لوک دھن ہلکے سروں میں بجا رہی تھیں ..... جب پردہ سرک رہا تھا تو میں نے ایک نہایت ہی حسین دوشیزہ کو بغلی دروازہ کی اوٹ میں الٹے پاؤں جاتے

ہوئے دیکھا تھا..... اس کے پاؤں میں بندھے ہوئے گھنگرو چھنک رہے تھے۔

جب دونوں محافظ اپنی بات ختم کر چکے تو اس شخص کی بھاری آواز گونجی ...... اسے قریب لاؤ اس آواز کے ساتھ ہی دونوں محافظوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑا اور تخت نما کرسی کی جانب دھکا دے دیا ..... میں گرتے گرتے سنبھلا اور کھڑا ہو گیا ..... رئیس نے میری جانب نگاہیں اٹھائیں۔ میں اس کی بڑی بڑی عقابی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا اور نظریں جھکا لیں۔

تم کوٹ کے اندر کیوں آئے ..... رئیس نے بڑے ہی دبنگ لہجہ میں پوچھا۔

میں ..... میں ..... میں ..... اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ میرا حلق خشک ہو گیا۔

میں ..... میں کے بچے..... وہ غصہ سے دھاڑا ..... تو جانتا ہے کہ کوٹ میں آنے کے بعد کوئی بھی شخص زندہ واپس نہیں جا سکتا۔

میں جانتا ہوں ..... لیکن سائیں میں مجبور تھا ..... میں گڑگڑایا۔

تیری کیا مجبوری تھی ..... وہ پہلے سے کم سخت لہجہ میں بولا۔

اس کی شخصیت کا رعب کچھ ایسا تھا کہ میں جواب نہ دے سکا ..... مجھے خاموش دیکھ کر اس کے چہرہ پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اور اس نے اپنی آواز میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا ..... اگر تو سچ سچ بتا دے گا تو یہاں سے زندہ بھی واپس چلا جائے گا ..... مجھے سچ بولنے والوں سے ہمدردی ہوتی ہے۔ اس کی بات سن کر مجھے حوصلہ ہوا۔ اور میں نے ہمت کر کے پوچھا ..... سائیں سچ سچ بتا دوں آپ ناراض تو نہیں ہوں گے۔

نہیں ..... اس نے صرف یہ ایک لفظ ادا کیا اور زیر لب مسکرانے لگا۔

سائیں! میں "اللہ رکھی" کے پیچھے یہاں تک آیا ہوں ..... میں نے بتایا۔

اللہ رکھی ..... وہ بڑبڑایا۔ اور پھر پہلے ہی کی طرح کرخت لہجہ میں بولا ..... تو نے اللہ رکھی کو کہاں دیکھا تھا۔

میں نے اسے شروع سے لے کر گلفروش ڈنو تک کے واقعات سنا دیئے ..... اور پھر کہا میں اسی کے تعاقب میں یہاں تک چلا آیا تھا۔

○

میری بات سن کر اس نے ایک زور دار قہقہہ لگایا ..... اور بولا ...... تجھے جس اللہ رکھی کی تلاش ہے وہ تو کسی مزار پر بیٹھی بھیک مانگ رہی ہوگی ..... یہاں اس کا کیا کام؟

ممکن ہے یہ میری غلط فہمی ہو ..... میں نے ندامت سے کہا۔

پھر بھی تیری غلط فہمی دور کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ..... اس نے بڑے ہی اطمینان سے جواب دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی دوبارہ تالی بجائی ...... ابھی تالی کی بازگشت ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ بغلی دروازہ پر پڑے ہوئے ریشمی پردہ کو حرکت ہوئی ..... اور وہاں ایک جاذب نظر دوشیزہ رکوع کے انداز میں نمودار ہوئی۔

اللہ رکھی کو بلاؤ ..... رئیس نے اپنی بھاری بھر کم آواز میں حکم دیا .....
دوشیزہ واپس پردہ کے پیچھے غائب ہو گئی اور چند ثانیہ بعد ...... ایک نوخیز لڑکی جس کا حسن قابل دید تھا ..... دروازہ کے درمیان ظاہر ہوئی۔

اسے غور سے دیکھ لے ..... رئیس کی بارعب آواز سنائی دی ..... کیا یہی

تیری مطلوبہ اللہ رکھی ہے۔

میں نے گردن اٹھا کر اس لڑکی کی طرف دیکھا ..... یہ وہی لڑکی تھی جو کہ چند دن قبل گلفروش ڈنو کی دوکان سے پھولوں کا زیور خرید رہی تھی ..... میں نے نظریں جھکا کر انکار کے انداز میں سر ہلا دیا..... اس نے بائیں ہاتھ کے اشارہ سے دوشیزہ کو واپس جانے کا اشارہ کیا ..... اور دوسرے ہی لمحہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

میرے مجرم کا کیا حال ہے؟ رئیس نے اپنے محافظوں سے پوچھا۔

سائیں! ..... ایک محافظ نے ادب سے جواب دیا ..... اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے۔

یہ جواب سن کر وہ مجھ سے مخاطب ہوا ..... تم دونوں کا جرم ایک ہی ہے ..... فرق صرف یہ ہے کہ تم جس اللہ رکھی کی خاطر کوٹ میں داخل ہوئے تھے۔ وہ اللہ رکھی یہ نہیں ہے ..... لیکن جس شخص کو تم نے میرے غضب سے بچانے کی کوشش کی تھی ..... اس کی اللہ رکھی یہی ہے۔

میں اس کی بات کا کیا جواب دیتا۔ خاموشی سے گردن جھکائے اس کی بات سنتا رہا ..... لیکن ایک عجیب سا خیال بار بار میرے ذہن میں آ رہا تھا۔ میں نے اس شخص کو کہیں دیکھا ہے۔ لیکن کہاں دیکھا ہے اور کب دیکھا ہے ..... یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔

○

ابھی میں اپنے خیالات میں کھویا ہی تھا کہ اس کی آواز سنائی دی ..... تمہارے دل میں صرف محبت ہی نہیں ہے۔ بلکہ انسانی ہمدردی بھی ہے جس کا

ثبوت یہ ہے کہ تم نے میرے مجرم کو بچانے کی خاطر اپنی زندگی خطرہ میں ڈال دی۔

آپ کا مجرم ..... میں نے قدرے اچنبھے سے کہا۔ پھر سنبھل کر بولا .... وہ دراصل میرے گلفروش دوست کا بھائی ہے ..... اور اس نے بارہا سمجھایا بھی ہے کہ وہ اللہ رکھی کا خیال چھوڑ دے۔ لیکن یہ نہ مانا اور آخر کار "کوٹ" کے اندر گھس آیا۔ جہاں تمہارے محافظ اس پر تشدد کر رہے ہیں .....

..... اور یہ تم سے برداشت نہ ہو سکا ..... اس نے تمسخرانہ لہجے میں میرا جملہ پورا کیا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحہ فلسفیانہ انداز میں بولا ...... عشق و حسن ازل کا جھگڑا ہے ..... اس بے وقوف کو سوچنا چاہیے تھا کہ وہ زندگی بھر اپنی محبوبہ کو حاصل نہیں کر سکے گا۔

تو کیا تم اسے جان سے مار دو گے ..... میں نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

اس کا ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا..... اس نے میری جانب جھکتے ہوئے بتایا ..... ویسے "کوٹ" میں داخل ہونے والا شخص مردوں سے بدتر زندگی گزارتا ہے۔

اس کے سفاکانہ لہجہ سے میری پیٹھ میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اور میں نے عاجزانہ انداز سے کہا ..... اس نے کوٹ میں داخل ہو کر سخت غلطی کی ہے ..... لیکن آپ سمجھدار ہیں ..... قانون کو ہاتھ میں لینا اچھی بات نہیں ہے۔

اور کسی کے کوٹ میں داخل ہونا اچھی بات ہے ..... اس نے زہر خند سے جواب دیا ..... شاید تمہیں معلوم نہیں ..... کوٹ کے اندر میرا قانون چلتا ہے۔ اور اگر میں تمہارے قانون کی پابندی کرتا تو ..... آج سے کئی برس قبل قتل کیا جا چکا

ہوتا ..... یا پھر سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا ہوتا۔

کیوں - ایسی کیا بات ہو گئی ..... میں نے تعجب سے پوچھا۔

میرے دوست ..... وہ نہایت ہی سنجیدگی سے بولا ..... یہ دنیا انسانوں کا ایسا تالاب ہے جس میں بڑے مگرمچھ ہر وقت منہ کھولے چھوٹے مگرمچھوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ ..... اور اگر انسان اپنی عقل سے کام نہ لے تو ان کا آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔

میں آپ کی بات نہیں سمجھا ..... میں نے معصومیت سے جواب دیا۔

میری بات کے جواب میں اس نے بھرپور نظروں سے میرے چہرے کا جائزہ لیا جیسے جاننا چاہتا ہو کہ واقعی میں اس کا مطلب نہیں سمجھا ..... پھر وہ ایک دم اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے محافظوں سے مخاطب ہوا ..... ہم "بندی" خانہ میں جانا چاہتے ہیں تاکہ اس شخص کو معلوم ہو جائے ..... اس نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ..... کہ اگر ہم اپنے قانون پر انحصار نہ کریں تو لوگ ہمیں جینے نہیں دیں گے۔

آخری لفظ کے ساتھ ہی وہ چبوترہ سے نیچے اتر آیا۔ اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا بغلی دروازہ میں داخل ہو گیا۔

○

چند لمحے بعد ..... میں رئیس کے دو محافظوں کی معیت میں مختلف راہداریوں سے گزر رہا تھا۔ دو نہایت ہی تنومند شیدی گیس کے جلتے ہوئے ہنڈے اٹھائے آگے آگے چل رہے تھے ..... قیمتی اجرک کو سنبھالتا ہوا رئیس نہایت ہی تمکنت

اور وقار سے چل رہا تھا ..... گو کہ اس کی چال میں لنگ تھا ..... اس کے باوجود ..... اس کا قد و قامت ..... تیکھے نقوش ..... اور بات کا انداز سب کچھ قدیم بادشاہوں جیسا تھا ..... وہ حقیقت میں سندھ کے کسی شاہی خاندان کا آخری چشم و چراغ دکھائی دیتا تھا ..... میں اس کے پیچھے تھا۔ اور ادھر ادھر نظریں دوڑاتا ہوا چل رہا تھا ..... ایک بار پھر..... ہم نے بہت سی غلام گردشیں طے کیں ..... کئی بھاری بھرکم آہنی دروازے کھولے گئے ..... پتھر کی کئی سلیں سرکائی گئیں ..... تب کہیں جا کر ہم سب ایک ایسی راہداری میں پہنچے جو دوسری راہداریوں سے زیادہ تنگ اور مہیب تھی ..... اس راہداری کے الٹے ہاتھ پر آہنی دروازوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا اور ہم سب کے قدموں کی چاپ سنگی فرش پر گونج رہی تھی ..... جلتی ہوئی روشنی میں ہمارے سائے کھردری دیواروں پر آڑے ترچھے پڑ رہے تھے ..... اور مجھے بچپن میں پڑھی گئی الف لیلہ کی کہانیاں یاد آ رہی تھیں ..... چلتے چلتے رئیس نے پوچھا..... اللہ رکھی کا عاشق کس کوٹھری میں ہے۔

سائیں! دائیں سے دوسری کوٹھری میں ..... ایک محافظ نے بتایا۔

چند قدم چلنے کے بعد رئیس رک گیا ..... ایک محافظ نے آگے بڑھ کر آہنی دروازہ میں پڑے ہوئے تالہ کو کھولا ..... اور پھر دروازہ کھلتے ہی تیز بدبو کا بھبکا میری ناک سے ٹکرایا ..... میں نے گیس کی تیز روشنی میں ایک نوجوان کو دیکھا جس کا جسم زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اور کوٹھری کے ایک کونہ میں غلاظت کا ڈھیر تھا۔ اس نوجوان کی حالت زار دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ..... وہ میرے دوست کا بھائی تھا ..... اور اس کا زنجیروں میں بندھا ہوا جسم زخموں سے چور چور

تھا۔

سائیں! مجھ پر رحم کریں ..... نوجوان نقاہت سے گڑگڑایا ..... آپ کو خدا کا واسطہ مجھ پر رحم کریں۔

مجھے اس نوجوان کی فریاد پر رحم آ گیا۔ میں نے رئیس کی طرف دیکھا۔ لیکن اس پر نوجوان کی فریاد کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے چہرہ پر نفرت عود کر آئی۔ اور وہ غصے سے بولا ..... میرے "کوٹ" میں آنے والا کتے سے بدتر موت مرتا ہے۔

آخری الفاظ کے ساتھ ہی اس نے حقارت سے نوجوان کے منہ پر تھوک دیا۔ اور محافظ کو دروازہ بند کرنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل آیا۔

اس کوٹھری کے بند ہو جانے کے بعد ..... رئیس ایک دوسری کوٹھی کے سامنے پہنچ کر رک گیا ..... ایک محافظ نے آگے بڑھ کر کوٹھری کا دروازہ کھولا۔ اور دونوں محافظ مجھے بازوؤں سے پکڑ کر اندر لے گئے۔ رئیس اندر نہیں آیا۔ وہ دروازہ کے درمیان میں کھڑا رہا۔ ہنڈوں کی روشنی میں مجھے کوٹھری کے اندر کی ہر چیز صاف دکھائی دے رہی تھی۔

اس شخص کو خوب غور سے دیکھ لو..... باہر سے رئیس کی آواز سنائی دی۔

میں نے حکم کے مطابق کوٹھری میں نظریں دوڑائیں اور ایک کونہ میں ایک شخص کو کسی خونخوار درندہ کی مانند زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا۔ اس شخص کے بدن پر کوڑوں کے نیلے نشان پڑے ہوئے تھے۔ جن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں اس کی جگہ نہیں ہوں۔

اس نقلی رئیس کو قریب جا کر دیکھ لو ..... رئیس کی آواز دوبارہ سنائی دی ..... یہ گذشتہ کئی برسوں سے میرے بارے میں معلومات اکٹھی کرتا رہا ہے اور میری حرکات و سکنات کی مشق کرتا رہا ہے۔

وہ شخص بے جان سا آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ہی مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ..... وہ میرا دوست قاسم شیدی تھا۔

اصلی رئیس کہہ رہا تھا ..... نہ جانے اس شیطان کے ذہن میں یہ سازش کس طرح آئی ..... کہ مجھے ہٹا کر خود رئیس بن جائے۔

○

میں بیان نہیں کر سکتا کہ رئیس کا یہ جملہ سن کر میرا کیا حال ہوا ...... اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں قاسم کی وہ تمام گفتگو تازہ ہو گئی جو کہ اس نے جی۔ ایم بیراج کی تعمیر کے دوران ایک بار دوستوں کے سامنے ہوٹل میں کی تھی۔

میں نے مڑ کے دروازہ کے درمیان کھڑے ہوئے رئیس پر نظر ڈالی اور پھر کوٹھری کے سنگی فرش پر پڑے ہوئے اپنے دوست قاسم کو دیکھنے لگا۔ دونوں میں سر مو کوئی فرق نہیں تھا ..... وہاں اگر فرق تھا تو صرف لباس کا ......ایک ننگے بدن فرش پر پڑا ہوا تھا اور دوسرا صاف ستھرا قیمتی لباس زیب تن کئے خوشبو میں بسا کھڑا تھا ..... اور پھر اسی لمحہ میرے خون کی گردش تیز ہو گئی اپنے برے وقت کے ساتھی کو اس حال میں دیکھ کر مجھ سے برداشت نہ ہو سکا ..... میں ایک دم سے بپھر گیا اور قریب کھڑے ہوئے محافظ پر یہ کہتا ہوا جھپٹ پڑا۔

بدمعاشو۔ تم نے میرے دوست کو قید کر رکھا ہے۔

میرے اس اچانک حملہ سے وہ محافظ سنبھل نہ سکا۔ اس کا گلا میرے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ ..... میں اسے جان سے مار دینا چاہتا تھا۔ عین اسی وقت دو غلاموں نے مجھے پیچھے سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ میں آسانی سے قابو میں آنے والا کہاں تھا۔ اپنے دوست کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار ہو گیا ..... اور جب رئیس کے آدمی مجھے کھینچتے ہوئے باہر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے تو کوٹھری میں پڑے ہوئے قاسم نے نہایت ہی نحیف آواز میں کہا ..... نوجوان! یہاں ایک نہایت ہی .... سنگین جرم سرزد ہوا ہے ..... ہمیں دھوکا دیا گیا ..... اصل رئیس .....

اس سے قبل کہ میرا دوست اپنا جملہ پورا کرتا ..... اس کوٹھری کا دروازہ ایک دھماکا کے ساتھ بند کر دیا گیا۔ اور میرے دوست کی آواز اس کال کوٹھری میں گھٹ کر رہ گئی ..... رئیس کے آدمی مجھے گھسیٹتے ہوئے پھر دیوان خاص کی طرف لے کر چلے ..... راستہ میں مجھے خیال آیا ..... کہ یہ شخص جو اپنے مجرموں کے ساتھ اس طرح کا ظالمانہ سلوک کرتا ہے ..... میرا کیا حشر کرے گا ..... اگر میں نے زیادہ دیر تک مزاحمت کی تو ممکن ہے ..... مجھے بھی قاسم کی طرح کسی ایسی زمین دوز کوٹھری میں ڈال دے جہاں سے میں زندگی بھر نہ نکل سکوں ..... اس خیال کے آتے ہی میں سنبھلا اور رئیس کے آدمیوں کے ساتھ چلنے لگا۔

○

قاسم رئیس

دیوانِ خاص میں پہنچ کر رئیس ایک بار پھر اپنی مرصع کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے ابھی تک دونوں محافظوں نے بازوؤں سے پکڑے ہوئے تھے کہ مبادا میں پھر کوئی حرکت نہ کر بیٹھوں ..... رئیس نے ان دونوں کو مجھے چھوڑ دینے کو کہا۔ اور پھر بھاری آواز میں بولا ..... نوجوان تم اس نقلی رئیس کو دیکھ کر کیوں مشتعل ہو گئے تھے۔

وہ ..... وہ ..... میرا دوست ہے ..... میں نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

تو تم اس شخص کو اچھی طرح جانتے ہو ..... اس نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا پھر بڑے ہی کرخت لہجہ میں پوچھا ..... بتاؤ تمہاری اس شخص سے کہاں ملاقات ہوئی تھی۔

میں نے شروع سے لے کر جی۔ ایم بیراج کی تعمیر تک کے واقعات سنا دیئے ..... رئیس بڑی ہی توجہ سے باتیں سنتا رہا ..... میری بات ختم ہونے کے بعد وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا ..... تمہاری باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ تمہارا یہ دوست غریب ہے۔ لیکن اس کے سینہ میں دولت مند بننے کی خواہش تھی اور اپنی خواہش کو پورا کرنے کی خاطر اس نے ایک نہایت ہی زبردست سازش کی۔

مجھے اس کی کسی بھی سازش کا علم نہیں ..... میں نے خوفزدہ ہو کر جواب دیا۔

اس کی "سازش" کا کسی کو بھی علم نہیں ہو سکتا ..... رئیس نے زہریلی

مسکراہٹ سے کہا ..... تمہارا دوست چالاک ہے ..... بہت ہی چالاک اس نے کسی طرح سے پتہ چلا لیا ..... کہ میری شکل ہو بہو اس کی طرح ہے۔ لہٰذا اس نے میرے ہاں ملازمت اختیار کر لی۔ اور کئی برس تک میری حرکات کی نقل اتارتا رہا ..... پھر اگر مجھے بروقت پتا نہ چل جاتا تو یہ مجھے زہر دے کر خود "رئیس" بن جاتا۔

میں اس کی بات کا کیا جواب دیتا کیونکہ قاسم شیدی ایسا ہی تھا۔ مجھے خاموش دیکھ کر رئیس نے نشست سے پیٹھ لگائی اور نہایت ہی اطمینان سے بولا ..... میرے سفاکانہ رویے سے تم مجھے ظالم سمجھتے ہو گے۔ لیکن سوچو۔ اگر میں یہ رویہ نہ رکھوں ..... تو لوگ مجھے زندہ رہنے دیں گے؟

میں نے اس کے نرم لہجہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ..... میری آپ سے ایک درخواست ہے۔

بولو ..... اگر ہو سکا تو ضروری پوری کروں گا ..... رئیس نے جواب دیا۔

میں نے ہمت کر کے کہا ..... میرا دوست بے وقوف ہے اس نے آپ کی شباہت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر کے غلطی کی ہے ..... آپ اسے رہا کر دیں ..... میں اسے کبھی بھی ادھر نہیں آنے دوں گا۔

ناممکن ..... قطعی ناممکن ..... رئیس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ میرا ہم شکل ہونے کی وجہ سے وہ میری موت ہے۔

میں یقین دلاتا ہوں۔

نوجوان ..... رئیس نے میری بات کاٹی ..... تم انسان دوست ہو لیکن میں

تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا ..... اب تمہارا دوست مر کر ہی باہر جا سکے گا۔

میں اس بے رحم کی بات کا کیا جواب دیتا ..... مجھے خاموش دیکھ کر وہ پہلے ہی کی طرح سخت لہجہ میں بولا ..... میرے "کوٹ" میں اجازت کے بغیر قدم رکھنے والا زندہ واپس نہیں جاتا۔

اس کی بات سن کر میرے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی ..... مجھے اپنا انجام بھی گلفروش ڈلو کے بھائی اور دوست قاسم شیدی جیسا نظر آنے لگا۔ پھر بھی میں نے ہمت کر کے صفائی پیش کی ..... میں اپنی غلطی پر نادم ہوں لیکن یہ سب کچھ غلط فہمی کی بنا پر ہوا ہے۔

غلط فہمی ..... اس نے تمسخر سے کہا ..... تم اسے غلط فہمی کہتے ہو۔ حالانکہ انسان کو چاہیے کہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے نتائج پر غور کر لے ..... تمہیں کوٹ میں داخل ہونے سے پہلے سوچ لینا چاہیے تھا ..... کہ انجام کیا ہو گا۔

میں اس کی بات سن کر ایک بار پھر لاجواب ہو گیا ..... کیونکہ کوٹ میں داخل ہو کر واقعی میں نے غلطی کی تھی۔

میں تمہیں کوئی سزا دینے سے قبل اس کے نتائج پر غور کرنا چاہتا ہوں ..... اس نے بڑے پراسرار لہجہ میں کہا ..... کیونکہ تم مجرم ہونے کے ساتھ ساتھ انسان دوست بھی ہو۔

میں اس کے ذو معنی جملے کا مطلب نہیں سمجھ سکا ..... پھر اس نے اپنے محافظوں کو جانے کا اشارہ کیا اور دوسرے ہی لمحہ وہاں کوئی بھی نہ تھا ..... اب رئیس میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہا تھا ..... جیسے پہچان رہا ہو۔ یا۔ کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہو ..... کچھ دیر بعد اس کے چہرہ پر بڑی ہی معنی خیز مسکراہٹ دوڑ رہی تھی ..... پھر وہ ٹھہرے ہوئے لہجہ میں مجھ سے مخاطب ہوا ..... سدا وقت ایک سا نہیں رہتا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے مخصوص انداز میں چٹکی بجائی۔ اور میں اپنی جگہ سے اس طرح اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو ..... کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس طرح چٹکی پوری دنیا میں صرف ایک ہی شخص بجا سکتا ہے۔ اور وہ میرا دوست "قاسم شیدی" تھا۔

آپ نہیں جان سکتے اس وقت میری کیا حالت ہوئی .....اور میرے برے وقت کا ساتھی ..... میرا دوست قاسم شیدی سامنے کھڑا تھا۔ اسے اس انداز میں دیکھ کر مجھے تعجب بھی تھا اور خوشی بھی ..... اس نے سرگوشی میں مجھ سے پوچھا ..... کہو دوست مجھے پہچانا۔

تم ..... تم ..... یہاں ..... میں نے حیرت و استعجاب سے کہا۔

میں نے جو کہا تھا کر کے دکھا دیا ..... وہ فخر سے بولا ..... اب میں اپنی ہر خواہش پوری کر سکتا ہوں۔

تو ..... تو ..... پھر اس کوٹھری میں کون تھا ..... میں نے تعجب سے پوچھا۔

قاسم نے میری بات پر ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ وہی تو اصلی رئیس

ہے۔

اس مختصر سے جملے کے ساتھ ہی تمام بات میری سمجھ میں آ گئی ..... دراصل میرے دوست قاسم کو کسی طرح یہ علم ہو گیا ..... کہ رئیس کی حیرت انگیز حد تک اس سے مشابہت ہے۔ اس قدرتی مشابہت سے قاسم نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور کسی طرح اصلی رئیس کو دھوکا سے قید کر دیا ..... اس پر الزام عائد کر دیا کہ وہ مثل ہونے کی وجہ سے اسے دھوکا دینا چاہتا تھا۔

یہ دنیا کا سب سے انوکھا ..... سب سے نرالا فراڈ تھا۔ یہ دھوکا دہی کی ایسی واردات تھی جس کی مثال دنیا میں کہیں بھی نہیں مل سکتی تھی ..... پھر میری غیرت ایمانی جاگ اٹھی۔ اور میں نے اسے متنبہ کیا ..... یہ تو تم نے دھوکا دیا ہے۔

میں نے کسی کو دھوکا نہیں دیا ..... اس نے بڑے ہی وثوق سے جواب دیا ..... میں نے عقل کو استعمال کیا ہے اور وہ سب کچھ حاصل کر لیا جس کی مجھے تمنا تھی۔

تو پھر اب ..... تمہیں چاہیے کہ واپس اپنی دنیا میں لوٹ جاؤ ...... میں نے مشورہ دیا ..... اور اصلی رئیس کو سب کچھ واپس کر دو۔

تمہارا مشورہ صحیح بھی ہے اور غلط بھی ..... قاسم نے قدرے تشویش سے کہا۔

وہ کس طرح ..... میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

وہ اس طرح ..... قاسم شیدی اپنے مخصوص انداز میں چٹکی بجا کر بولا ......

اگر میں واقعی اصلی رئیس کو قید سے نکال کر سب کچھ اس کے حوالے کر دوں تو وہ میرا شکر گزار ہو گا۔ لیکن زندہ نہیں چھوڑے گا۔

ہاں یہ بات تو ہے ..... میں نے اس کی تائید کی ..... لیکن اس طرح اس کی حق تلفی کب تک کرتے رہو گے۔

یہ بات قابل غور ہے ..... اس نے قدرے تفکر سے کہا ..... پھر میرے قریب آ کر بولا ..... میں رئیس کو جلد ہی اس کا مقام دے دوں گا .... لیکن یہ اسی وقت ہو گا جبکہ "وقت" میرے ہاتھ میں ہو گا۔

کیا مطلب ..... میں چونکا۔

شاید تمہیں یاد ہو ..... قاسم شیدی نے یاد دلانے والے لہجہ میں کہا ...... جب کراچی فٹ پاتھ پر میری اور تمہاری ملاقات ہوئی تھی تو تم نے کسی "اللہ رکھی" کے حوالہ سے بتایا تھا ..... کہ "وقت" نے تمہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

ہاں بتایا تھا ..... میں نے اعتماد سے جواب دیا ..... اور یہ سب کچھ سچ تھا۔

تمہاری اسی بات نے مجھے "وقت" کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا ..... قاسم شیدی نے جواب دیا ..... میں سوچتا رہا ..... سوچتا رہا ..... اور بالآخر میں نے وقتی طور سے "وقت" کو عقل سے قابو کر لیا ..... اور آج میں تمہارے سامنے ایک مکینک کے بجائے "رئیس" کی حیثیت سے موجود ہوں۔

اس میں تمہاری چالاکی کو دخل ہے ..... میں نے جواباً کہا۔

تم اسے چالاکی کہتے ہو ..... اس نے منہ بگاڑ کر کہا ..... حالانکہ اس مقام تک پہنچنے کی خاطر میں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی ہے اور "وقت" کو پیچھے چھوڑ دیا

ہے۔

کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو۔

میں وقت کو بہت پیچھے چھوڑ دینا چاہتا ہوں ..... قاسم شیدی نے فلسفیانہ لہجہ میں کہا ..... اتنا پیچھے کہ کوئی بھی شخص مجھ تک نہ پہنچ سکے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب کہ میرے پاس بے انتہا دولت ہو۔

اس کی یہ بات سن کر میں نے سوچا ..... کہ میرا دوست زیادہ سے زیادہ دولتمند بننے کی فکر میں ہے لیکن وہ کس طرح دولت مند بنے گا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

○

مجھے سوچ میں گم دیکھ کر قاسم شیدی قریب آیا۔ اور شانہ پر ہاتھ رکھ کر بولا ..... وقت کیا ہے ..... ماضی ..... حال ..... اور مستقبل ..... وقت کی اس تقسیم کو صرف اور صرف تیز رفتاری سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

کیا مطلب میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

انسان ماضی اور مستقبل میں سفر کر سکتا ہے ..... اس نے بتایا۔

ناممکن۔ قطعی ناممکن ..... میں نے غیر یقینی کی کیفیت سے کہا۔

اس سائنسی دور میں سب کچھ ممکن ہے ..... اس نے سمجھایا...... آج جب کہ انسانی شکل کے ساتھ ساتھ اس کی حرکات و سکنات کو ہزاروں میل کے فاصلہ پر منتقل کیا جا سکتا ہے تو کیا ممکن نہیں کہ اسی طرح اسے بھی منتقل کر دیا جائے۔

اس کی بات سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا ..... میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ

اس نے ایسی کونسی ایجاد دریافت کر لی ہے جس کی بناء پر یہ بات کہہ رہا ہے۔ میں کوئی جواب دینے کی بجائے حیرانگی سے اس کا چہرہ تکے جا رہا تھا ..... اس نے مجھے حیرت زدہ دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا ..... میں نے ٹی وی کی تھیوری میں تھوڑا سا ردو بدل کیا ہے ..... پھر وہ جتانے والے لہجہ سے بولا ..... شاید تمہیں علم نہیں ..... اس کرہ ارض کے چاروں جانب "ایتھر" لہروں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ یہ وہ لہریں ہیں جو نباتات و جمادات کے ساتھ ساتھ دنیا میں موجود ہر شے کو جوں کا توں محفوظ کر لیں۔

یہ کیا کہہ رہے ہو ..... میں نے حیرانی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

میں ایک موٹر مکینک تھا ..... اس نے کہا ..... اور مکینک ہونے کی حیثیت سے کئی ایسی باتوں کا علم تھا جو ہر شخص کو نہیں ہو سکتا ..... رئیس بننے کے بعد ..... میں نے سائنس کے علم میں سے EITHER "ایتھر" لہروں پر زیادہ سے زیادہ کام کیا ہے ..... اس کے لئے میں نے مغربی ماہرین کی خدمات حاصل کیں اور اس طرح جلد از جلد کامیابی حاصل کر لی۔

قاسم ..... میں نے تعریفی لہجہ سے کہا ..... تم کس قدر ہوشیار ..... چالاک اور عقلمند ہو۔

دراصل عقل ہی سب کچھ ہے ..... اس نے سنجیدگی سے جواب دیا ..... اور اس عقل ہی سے کام لے کر میں نے "وقت" کو اپنے قابو میں کر لیا ہے۔

تمہاری باتوں نے مجھے عجیب کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے ..... میں نے کہا ..... وقت کو تم نے "ایتھر" لہروں کے ذریعے کس طرح قابو کر لیا۔

یہ بات تمہاری سمجھ میں آسانی سے نہیں آئے گی ..... قاسم نے جواب دیا
..... ویسے یہ کام کوئی مشکل بھی نہیں ہے۔ میں اپنی ایجاد کے ذریعے ماضی میں چلا
جاتا ہوں اور بادشاہوں کے زیورات لے کر واپس اپنی دنیا میں آجاتا ہوں۔

اب میری سمجھ میں اس کی بات آگئی ..... میں نے جملہ پورا کیا ..... اور ان
زیورات کو تم فروخت کر دیتے ہو۔ اس طرح تمہارے پاس بے بہا دولت جمع ہو
رہی ہے۔

تم بالکل صحیح سمجھے ..... وہ تائیدی لہجہ میں بولا ..... لیکن میری دولت کی وجہ
سے چند لوگ میرے دشمن بھی ہو گئے ہیں۔

وہ تو ہوں گے ..... میں نے کہا ..... بے انتہا دولت دوست کم اور دشمن
زیادہ پیدا کرتی ہے۔

لیکن ..... لیکن ..... تم زیادہ سے زیادہ دولتمند کیوں ہونا چاہتے ہو۔

اس کی وجہ صرف یہ ہے ..... اس نے بتایا ..... کہ میں اصلی رئیس کو قید
خانہ سے نکال کر اس کا اعلیٰ مقام واپس دینا چاہتا ہوں ..... اور خود اتنا بڑا رئیس
بن جانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ میرے خلاف کوئی قدم اٹھانا چاہے تو نہ اٹھا سکے۔

تم بہت ہی شاطر ہو ..... بہت ہی ..... میں نے ہنس کر کہا۔

تم سے ملاقات ہو گئی۔ یہ بہت ہی اچھا ہوا ..... اس نے خوش ہو کر کہا .....
اب تم میرے ساتھ رہ کر میرا تجربہ دیکھنا۔ میں نے اس مقصد کے لئے ایک خفیہ
مقام پر لیبارٹری قائم کی ہے۔

میرے دشمن ہر وقت تاک میں رہتے ہیں ..... اس نے سرگوشی سے بتایا

..... وہ سمجھتے ہیں کہ میرے ہاتھ کوئی خفیہ خزانہ لگ گیا ہے' اسی وجہ سے میں نے
اپنی لیبارٹری شہر کے باہر جنگل میں قائم کی ہے۔

بات ختم کرنے کے ساتھ ہی اس نے تالی بجائی اور اس کے ساتھ ہی ایک
حسین "باندی" حاضر ہو گئی اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا۔ اس نے باندی کو حکم
دیا کہ اس شخص کو مہمان خانہ میں لے جاؤ ..... اور جب میں کہوں ' حاضر کر
دینا۔

اور پھر میں بھی خاموشی سے اس نازک اندام باندی کی ہمراہی میں کمرہ سے
نکل گیا۔

○

مجھے جس کمرہ میں ٹھہرایا گیا تھا' وہ قدم و جدید تہذیب کا حسین امتزاج تھا
اس کمرہ میں تمام آسائشیں میسر تھیں۔ میرے ایک اشارہ پر حسین باندیاں حاضر
ہو جاتی تھیں اور پلک جھپکتے میں میری ہر خواہش کی تکمیل کر دی جاتی تھی .....
میں بڑی ہی پر لطف زندگی گزار رہا تھا ..... کہ ایک دن ..... باندی نے کہا کہ رئیس
شکار پر جا رہا ہے اور اس نے مجھے بھی بلایا ہے ..... میں فوراً ہی باندی کے ہمراہ
چل دیا ..... میں نے اس عالیشان عمارت کے لان میں ایک نئی جیپ کھڑی دیکھی
جس میں قاسم پہلے ہی اپنے دو تنومند محافظوں کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی
اس نے مخصوص انداز میں چٹکی بجائی اور قریبی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا .....
میرے بیٹھتے ہی جیپ اسٹارٹ ہو گئی۔

حیدر آباد شہر کے باہر کچھ دیر تک تو ہماری جیپ پکی سڑک پر چلتی رہی۔ پھر

جنگل میں ایک پگڈنڈی پر مڑ گئی۔ کچھ دیر تک ..... چلنے کے بعد جیپ ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گئی ..... جوں ..... جوں ..... ہم آگے بڑھتے جا رہے تھے جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا ..... پھر ایک مقام ایسا بھی آیا جب کہ جیپ روک دی گئی اور ہم سب نیچے اتر آئے ..... میں نے زندگی میں کبھی شکار نہیں کھیلا تھا اور نہ ہی شکار کے رموز سے واقف تھا۔ جیپ سے اترنے کے بعد دونوں باڈی گارڈ آگے چلنے لگے۔ ان کے پیچھے میں اور قاسم ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ چلتے چلتے قاسم مجھ سے مخاطب ہوا ..... دراصل میں تمہیں اپنا تجربہ دکھانے یہاں لایا ہوں ..... تم تو شکار کرنے آئے تھے۔ ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ بات کاٹ کر بولا ..... درحقیقت میں جو کچھ بھی کرتا ہوں سب سے چھپ کر کرتا ہوں ..... میں ہفتہ میں ایک بار اپنی تجربہ گاہ میں آتا ہوں اور بہانہ یہی کرتا ہوں کہ شکار پر جا رہا ہوں۔

اس کی وجہ ..... میں نے پوچھا۔

اس کی وجہ ..... اس نے میرے الفاظ دہراتے ہوئے کہا ..... وہی دشمنوں والی بات ہے ..... اس کے علاوہ اصلی رئیس کو سائنس سے کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی ..... اب اگر کسی کو معلوم ہو جائے تو یہ شک والی بات ہو گی۔ لہٰذا میں کام کو نہایت ہی خفیہ طریقہ سے کر رہا ہوں۔

اگر تمہارے یہ محافظ کسی کو بتا دیں تو ..... میں نے شک و شبہہ کا اظہار کیا۔

یہ کسی کو نہیں بتا سکتے ..... اس نے اعتماد سے جواب دیا کیونکہ یہ گونگے اور بہرے ہیں۔

میں اس انکشاف پر تعجب سے ان دونوں باڈی گارڈز کو دیکھنے لگا جو کہ مشینی

انداز میں چل رہے تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد درختوں کے جھنڈ میں لال اینٹوں کی بنی ہوئی ایک چوکور عمارت نظر آئی۔ یہ قاسم شیدی کی تجربہ گاہ تھی۔

○

جب ہم اس عمارت کے صدر دروازہ پر پہنچے تو دو تنومند نوجوان کو دیکھا جو کہ نہایت تیز دھار چمکدار کلہاڑیاں ہاتھ میں تھامے مستعد کھڑے تھے۔ ان دونوں نوجوانوں نے روایتی انداز میں سلام کیا اور با ادب گردن جھکا کر کھڑے ہو گئے ..... عمارت کا دروازہ کوئی خاص بڑا نہ تھا لیکن مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ قاسم کا اشارہ پاتے ہی ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا ..... میں اور قاسم اندر داخل ہو گئے ہمارے ساتھ آئے ہوئے باڈی گارڈز باہر رہ گئے۔ اندر قدرے تاریکی تھی۔ صرف ایک چھوٹا سا بلب چھت کے ساتھ لٹک رہا تھا جس کی مدھم روشنی میں صرف اطراف کے در و دیوار ہی نظر آ رہے تھے۔ کوئی سو قدم چلنے کے بعد قاسم دائیں جانب گھوم گیا۔ یہ ایک پتلی سی گلی تھی جس کے آخری سرے پر ایک درمیانہ سائز کا دروازہ نصب تھا ..... دروازہ کے قریب پہنچ کر اس نے دیوار میں نصب ایک بٹن دبایا ..... چند لمحہ بعد دروازہ کھل گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم دونوں ایک بڑے سے ہال میں پہنچ گئے۔

ہال کے وسط میں نیم گول دائرہ میں ایک بڑا سا ڈیش بورڈ ڈیسک نصب تھا اور سامنے کی جانب سطح زمین سے تقریباً" چار فٹ بلند چبوترہ تھا۔ اس چبوترہ کے درمیان میں قد آدم فریم نصب تھا جس کے اطراف میں بے شمار تار پھیلے ہوئے تھے..... اور ان تمام تاروں کا رابطہ ڈیش بورڈ سے تھا..... اس فریم سے ذرا ہٹ

کر بائیں جانب ایک عجیب طرح کا ڈائل نصب تھا ...... یہ بالکل گھڑی کی طرح
کا ڈائل تھا جس میں سوئیاں بھی تھیں ..... لیکن اس کی بڑی سوئی وقت کی بجائے
.....زمانہ اور مقام بتاتی تھی جب کہ چھوٹی سوئی "وقت" بتا رہی تھی۔ اس ڈائل
کے اوپر کی جانب ٹی وی کے انٹینا کی مانند کئی پتلی پتلی سلاخیں نصب تھیں .....
جب ہم ہال میں داخل ہوئے تو دو نہایت ہی بوڑھے انگریز ڈیش بورڈ کے سامنے
بیٹھے اونگھ رہے تھے ..... ہمارے اندر داخل ہوتے ہی انہیں پتا چل گیا۔ لہٰذا
دونوں اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ گئے۔ اور ہماری جانب استقبالیہ انداز میں بڑھے
..... ان دونوں نے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا۔ پھر قاسم دائیں جانب والے انگریز
سے مخاطب ہوا...... کیا رپورٹ ہے۔

انگریز نے جواب دینے سے قبل میری طرف دیکھا ..... قاسم اس کا مطلب
سمجھ گیا۔ لہٰذا۔ کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا ..... ماسٹر یہ میرا دوست ہے۔

انگریز یہ سن کر مطمئن سا ہو گیا۔ اور چبوترہ پر نصب ڈائل کی جانب دیکھتے
ہوئے بولا ..... میں نے ٹائم فکس کر دیا ہے۔

کتنا ٹائم ہے ..... قاسم نے خالی کرسیوں کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

تقریباً" تین ہزار سال قبل مسیح ..... ماسٹر نے جواب دیا ..... یہ وہ زمانہ ہے
جب کہ موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ صحرائے سینا میں بھٹک رہے تھے۔ اور
سامری نے ان کی عورتوں کے زیور سے گائے کا بچھڑا بنایا تھا۔

تو میں اس زمانہ میں جاؤں گا ..... قاسم نے خوشی سے پوچھا۔

ہاں ..... ماسٹر نے جواب دیا ..... یہ وقت ہو گا ..... جب کہ سامری بچھڑا تیار

کر چکا ہو گا۔ اور لوگ اس کی پوجا کر رہے ہوں گے ...... تم سونے کا بنا ہو یہ
بیش بہا تحفہ لے کر واپس اپنی دنیا میں لوٹ آؤ گے۔

ماسٹر کی یہ بات سن کر میں حیران تھا ..... قاسم نے دونوں ہاتھوں سے میرے
شانے پکڑ کر خوشی سے کہا ..... تم اس تھیوری کو سمجھے۔

میں نے نفی میں سر ہلا دیا ..... قاسم بڑے ہی پُرجوش لہجہ میں بولا ..... تھیوری
کچھ یوں ہے کہ روشنی کی لہروں کے ساتھ ساتھ ماضی میں سفر کیا جاتا ہے۔ اور
پھر ..... روشنی کے اس سفر کو ماضی میں رونما ہونے والے کسی بھی واقعہ سے
منسلک کر دیا جاتا ہے۔

لیکن کیا ماضی میں رونما ہونے والا کوئی بھی واقعہ جوں کا توں موجود رہتا ہے
..... میں نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں موجود رہتا ہے۔ ..... قاسم کی بجائے ماسٹر نے جواب دیا...... آسمان
سے زمین تک ایسی لہروں کا جال بچھا ہوا ہے جن میں گزرا ہوا زمانہ جوں کا توں
محفوظ رہتا ہے ان لہروں کو "ایتھر" کہا جاتا ہے۔

لو یار قاسم بے تکلفی سے بولا ..... تم حقیقت کو خود دیکھ لو۔

یہ کہہ کر اس نے ماسٹر کو اپنے مخصوص انداز میں چٹکی بجا کر اشارہ کیا .....
اور خود چبوترہ پر چڑھ گیا۔ ماسٹر اپنے انگریز ساتھی کے ہمراہ ڈیش بورڈ کے سامنے
چلا گیا ..... پھر اس نے مختلف بٹن دبائے ..... چند ثانیہ بعد قد آدم چوکھٹے میں
اطراف سے روشنیاں نکلنے لگیں ..... یہ روشنیاں فریم کے اندر آپس میں گڈمڈ
ہوتی رہیں اور پھر رفتہ رفتہ چوکھٹ کے اندر ایک منظر ابھرنے لگا ..... یہ حدِ نگاہ تک

صحرا ہی صحرا تھا۔ اور اس صحرا کے ایک جانب ہیبت ناک پہاڑ تھا۔ اس پہاڑ کے دامن میں قدیم لباس میں عورتیں اور مرد ایک بے ہنگم سا شور مچا رہے تھے..... شاید یہ بنی اسرائیل تھے کیونکہ ایک قدرے بلند جگہ پر چمکتا ہوا گائے کا بچھڑا بھی کھڑا تھا یہ سب اس کے گرد رقص کر رہے تھے۔

○

ماضی میں سفر

ماسٹر کہہ رہا تھا..... یہ تین ہزار سال قبل مسیح کا دور ہے۔ جبکہ پیغمبر موسیٰ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر صحرائے سینا میں آباد ہوگئے تھے..... پھر خدا نے انہیں کوہ طور پر بلایا تو سامری نے بنی اسرائیل کی عورتوں سے زیور لیکر ان کے لیے گائے کا یہ بچھڑا بنایا۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ ماسٹر جو کچھ بھی کہہ رہا تھا وہ سب چوکھٹے میں ظاہر ہوتا جا رہا تھا۔ سامری کے بنائے ہوئے سونے کے بچھڑے کے گرد لوگ خوشی سے رقص کررہے تھے۔ اور ماسٹر قاسم سے کہہ رہا تھا..... سائیں..... اب آپ..... اس زمانہ میں داخل ہو جائیں اور بچھڑا اٹھا لائیں..... جلدی کریں..... نہیں تو موسیٰ واپس آئیں گے اور بچھڑا ضائع ہوجائے گا۔

ماسٹر کی بات سنتے ہی قاسم نے اجرک کرسی پر رکھی اور تیزی سے بھاگتا ہوا چوکھٹے میں داخل ہوگیا۔ سامری اور بنی اسرائیل اپنے درمیان اس اجنبی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوگے..... وہ پھٹی پھٹی نظروں سے قاسم کو دیکھ رہے تھے

○

میرے لیے یہ سب کچھ انتہائی تعجب خیز تھا..... سائنس کی ایجاد حیرت انگیز تھی۔ میری نگاہوں کے سامنے تین ہزار سال پرانا ماضی تھا..... اس ماضی میں "حال" کا بھی ایک انسان موجود تھا۔ قاسم نے دو تین بار پوری طاقت لگا کر بچھڑا

اٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس قدر وزنی تھا کہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ قاسم نے آخری بار اسے پھر اٹھانے کی کوشش کی۔ اور ابھی وہ یہ کوشش کرہی رہا تھا کہ فضا میں گولیاں چلنے کی آواز بلند ہوئی۔

میں نے دیکھا کہ لیٹر بورڈ کے سامنے کھڑے ہوئے دونوں انگریز خون میں نہا گئے۔ لیکن انہوں نے گرتے گرتے تمام سوئچ آف کردیے..... اور اس طرح میرا دوست قاسم ماضی کی تاریکیوں میں گم ہوگیا..... میں نے وقت کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہوئے دروازہ کی جانب چھلانگ لگائی.....اور ابھی میں دروازہ تک پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ ایک زور دار دھماکا ہوا۔ اور پوری عمارت بیٹھ گئی۔ میں نے جلدی سے بھاگ کر ایک میز کے پیچھے پناہ لی۔ ورنہ گرنے والی اینٹیں میرا قیمہ بنا دیتیں' میرے چاروں جانب تاریکی ہی تاریکی تھی۔ کچھ دیر بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ہر چیز دھندلا گئی ہو..... پھر مجھے ان گنت ہاتھوں کا احساس ہوا..... یہ ہاتھ آس پاس بکھری ہوئی اینٹوں کو ہٹا رہے تھے..... گویا مجھے اینٹوں کے ملبہ کے نیچے سے نکالا جارہا تھا..... پھر ایک شخص کی مدھم سی آواز سنائی دی۔ اسے اٹھاؤ گاڑی آگئی ہے۔

اس کے بعد مجھے متعدد ہاتھوں نے اٹھایا۔ اور ایک گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن چہرہ گرد وغبار سے اٹا ہوا تھا۔ سیمنٹ اور ریت کے ذرات پلکوں میں پیوست تھے..... میری پلکیں اتنی بھاری ہو گئی تھیں کہ انہیں اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ اگرچہ میں کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا اس کے باوجود سماعت پوری طرح بیدار تھی..... مجھے احساس ہو چلا تھا کہ میرے گرد ایک ہجوم موجود ہے..... پھر گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ اور ایک دھکے کے ساتھ چل

پڑی۔ گاڑی کے ہچکولوں سے میری پلکوں پر جما ہوا گرد وغبار ہٹ گیا۔ اور پھر میں نے پہلی بار آنکھیں کھول کر دیکھا۔

○

موت کے تصور سے انسان کے دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے۔ لیکن میں پرسکون تھا۔ مجھے اس بات کا یقین ہوچلا تھا کہ پولیس کی دسترس میں نہیں ہوں..... بلکہ کچھ دوسرے لوگوں نے قیدی بنا لیا ہے..... لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ میرے اغوا سے ان کا مقصد کیا ہے..... کیا قاسم سے ان لوگوں کی دشمنی ہے..... ایک بار قاسم نے بتایا تھا کہ کچھ لوگ اس کے خلاف ہوگئے ہیں۔ کہیں یہ لوگ وہی تو نہیں۔ میں انہی خیالات میں گم تھا کہ کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے نیم آنکھوں سے دیکھا۔ وہ سب شلوار قمیض میں ملبوس اسٹین گنوں سے مسلح تھے اور کسی منظم گروہ کے افراد نظر آتے تھے۔ ان کے اطوار سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سب موت کا کھیل کھیلنا جانتے ہیں..... ایک بار تو میرے دل میں فرار ہونے کا خیال آیا۔ لیکن سامنے والی سیٹ پر چار مسلح جوانوں کو دیکھ کر حوصلہ پست ہوگیا۔

آنے والے لمحات میرے مستقبل کا نیا باب تھے۔ لیکن میں اس کی تمہید جاننے سے بھی قاصر تھا۔ میں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے خود کو حالات کے سپرد کر دیا۔ اور طے کرلیا..... کہ..... اب جو بھی حالات پیش آئیں گے میں ان سے مفاہمت کرنے کی کوشش کروں گا۔

○

گاڑی بدستور تیزی سے چل رہی تھی۔ اور میں خاموشی سے لیٹا ہوا ان مسلح آدمیوں کو دیکھے جا رہا تھا۔ ایک مسلح شخص اشاروں سے کسی کو کچھ بتا رہا تھا۔ وہ جیسے اشارے کر رہا تھا۔ وہ میری نگاہوں کے سامنے نہیں تھا...وہ شخص جو اشارے کر رہا تھا' اچانک اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور بالکل فوجی انداز میں دوقدم پیچھے ہٹ گیا...میں ابھی اس کا مقصد سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ میرے بالکل سامنے ایک اور شخص نمودار ہوا۔ یہ نوواردادھیڑ عمر تھا۔ اس کا قد لمبا اور بدن چھریرہ تھا اسکے اعضاء بظاہر کمزور نظر آرہے تھے۔ لیکن آنکھوں میں چمک درندوں جیسی تھی...میں بدستور لیٹا رہا میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ جب تک مجھے کوئی حکم نہیں دیا جائے گا اپنی جگہ سے حرکت نہیں کروں گا...نووارد چند لمحہ مجھے تیز نظروں سے گھورتا رہا۔ پھر خلاف توقع نرم لہجہ میں بولا...نوجوان تمہارا نام کیا ہے۔

میں نے اپنا نام بتایا۔ تو دوبارہ پوچھا گیا... تمہارا رئیس سے کیا تعلق ہے۔

میں ابھی جواب دینے کی سوچ ہی رہا تھا کہ نووارد بولا... کوئی بات نہیں۔اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو...نہ بتاؤ۔ لیکن خیال رہے۔ ڈاکٹر ایمی کے سامنے صاف گوئی سے کام لینا...ورنہ...ورنہ کیا ہوگا...اچانک میرا لہجہ سخت ہوگیا۔

ورنہ... کچھ نہ ہوگا...نووارد نے زیرلب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ گویا اس نے میرا چیلنج رد کردیا تھا۔ اس کے بعد وہ لاپرواہی سے خالی سیٹ پر بیٹھ گیا... گاڑی اب ہموار سڑک پر چل رہی تھی۔ اور ہر شخص اپنی جگہ پر خاموش تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی رک گئی۔ اس کا بڑا سا گیٹ کھولا گیا۔ اور چاروں مسلح

اشخاص نیچے اتر آئے...وہ نووارد بھی نیچے اتر آیا۔ اور گیٹ کے پاس کھڑے ہوکر بولا... اترو خان۔

میں حکم ملتے ہی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور نیچے اتر آیا...اب میرے سامنے ایک نہایت ہی عالیشان عمارت تھی...اس عمارت کے صدر دروازہ تک جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ اور سیڑھیوں کے دونوں جانب خوشبودار پھولوں کے درخت لہلہارہے تھے... عمارت کے چاروں جانب سبزگھاس کا میدان تھا۔ جس کے درمیان رنگین پھولوں کی کیاریاں بنی ہوئی تھیں...میں ابھی عمارت کے اطراف کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ نووارد مخاطب ہوا...میرے ساتھ آؤ...میں کچھ پوچھے بغیر ہی اس کے ساتھ چل دیا۔ چاروں مسلح اشخاص بھی ہمارے پیچھے ہی چل رہے تھے عمارت کے صدردروازہ پر پہنچ کر دو محافظ تو وہیں رک گئے اور دو ہمارے ساتھ ہی اندر داخل ہوگئے۔ یہ ایک لمبی سی راہداری تھی جس کے دونوں جانب کمرے بنے ہوئے تھے۔ راہداری اور کمروں کی آرائش قابل دید تھی...فرش پر دبیز قالین کی وجہ سے قدموں کی آہٹ بھی نہیں سنائی دے رہی تھی...میں کمروں پر طائرانہ نظر ڈالتا ہوا چلتا رہا...دونوں محافظ ہم سے چار قدم پیچھے چل رہے تھے۔ راستے میں ہماری کسی سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ پوری عمارت ویران پڑی ہوئی ہے...نووارد مجھے مختلف کمروں اور راہداریوں سے گزارتا ہوا ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اس کمرے کا دروازہ بند تھا۔ مجھے خیال آیا کہ وہ دروازے پر دستک دے کر اپنی آمد کا اعلان کرے گا۔ اور دروازہ کھلنے تک مجھے انتظار کرنے کو کہتا ہوا اندر چلا جائے گا۔

لیکن ایسا نہیں ہوا....دروازے کے سامنے وہ کمر پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ مجھے اس کی یہ حرکت گراں گزر رہی تھی اور ابھی میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دروازے کے اوپر لگے ہوئے خفیہ مائیک سے ایک بھاری آواز ابھری۔

مسٹر راما....میں تمہاری شاندار کارگزاری سے خوش ہوں۔

شکریہ ڈاکٹر! نووارد نے ادب سے گردن جھکا کر جواب دیا.... آپ کے اعتماد نے ہمیشہ میرا حوصلہ بلند کیا ہے۔

کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارا مشن کامیاب رہا ہے....مائیک کے ذریعے پوچھا گیا۔ مجھے پورا یقین ہے....راما نے اعتماد سے جواب دیا....میں نے نہ صرف رئیس کے ٹھکانے کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا بلکہ اس کے آدمی بھی ختم ہوگئے ہیں اب رئیس کہاں ہے۔

اس کی بجائے ملبے کے ڈھیر سے مسٹر خان زندہ ملا ہے....راما نے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں بتایا....اور اسے آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ٹھیک ہے..!.وہی آواز پھر سنائی دی۔ پھر اس نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔ اور مسلح آدمیوں کے ہمراہ واپس چلا گیا۔

○

میں نے تعجب خیز نظروں سے دروازے کی چوکھٹ کا جائزہ لیا.... لیکن مجھے وہاں کچھ بھی نہیں دکھائی دیا....مائیکروفون چوکھٹ کے اندر اس طرح نصب کیا گیا تھا کہ باہر سے نظر نہیں آرہا تھا....راما نے مجھے خاموش کھڑے رہنے کی ہدایت کی تھی....اور ابھی مشکل سے ساٹھ سیکنڈ ہی گزرے ہوں گے کہ خفیہ مائیک میں

آواز اُبھری.... مسٹر خان....اندر آ جاؤ۔

آواز کے ساتھ ہی میں نے دروازے کو دھکا دیا....دروازہ بغیر کسی رکاوٹ کے کھل گیا....دروازہ کھلنے کے بعد کمرے کے اندر کا ماحول قابل دید تھا....اس کمرے کی بناوٹ سجاوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ خود بخود بند ہوگیا.... کمرے کے وسط میں ایک بیضوی شکل کی بڑی سی میز پڑی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے گھومنے والی کرسی پر ایک بوڑھا بیٹھا تیز نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کی عمر کا اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ چلنے پھرنے سے مجبور ہے اس کے سر اور داڑھی کے بال نہیں تھے....چہرے کی کھال لٹکی ہوئی تھی اور آنکھوں کے پپوٹے ڈھلک چکے تھے....اس کی گردن میں رعشہ تھا۔ اور وہ مسلسل ہلے جا رہی تھی....اس کا قد چھوٹا تھا۔ اور بڑی کرسی کے اوپر اس کا لاغر سا جسم بڑا ہی پراسرار لگ رہا تھا....اس کے جسم پر سفید رنگ کا بے داغ سوٹ تھا۔ اور کرسی پر چاکلیٹی رنگ کا مخمل کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بے حد اجاگر نظر آ رہا تھا۔

میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا.... قریب پہنچ کر میں نے نہایت ہی خونخوار کتوں کو دیکھا جو کہ اس بوڑھے کی کرسی کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی سرخ زبانیں باہر لٹک رہی تھیں انہیں دیکھ کر مجھے جھرجھری سی آگئی.... کتوں نے مجھے دیکھا اور اپنی دم کو شیر کی طرح بل دینے لگے۔ اور اپنے نوکیلے دانت نکال کر غرانے لگے۔ اس بوڑھے نے فوراً ہی کتوں کے سروں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔ جس کے ساتھ ہی وہ بلی کی طرح دم دبا کر بیٹھ گئے۔

مسٹر خان.... اس بوڑھے نے مجھے مخاطب کیا۔ اس کی آواز بڑی ہی دبنگ تھی.... خوش آمدید شکریہ.... میں نے مہذبانہ لہجہ میں جواب دیا۔

مسٹر خان.... وہ دوبارہ مخاطب ہوا.... مجھے تمہارے تعارف کی ضرورت نہیں.... لیکن کچھ نہ کچھ اپنے بارے میں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔

جی ضرور بتایئے ڈاکٹر.... میں نے اشتیاق سے کہا۔

میرا نام ڈاکٹر "ڈیوڈ" ہے.... بوڑھے نے زیرلب مسکراتے ہوئے بتایا.... ڈاکٹر کا کوئی نام نہیں یہ صرف پیشہ کی نمائندگی کرتا ہے۔

جی ہاں.... میں نے سعادتمندی سے جواب دیا۔

لیکن میرا پیشہ وہ نہیں ہے.... بوڑھے نے قدرے زور سے ہنس کر کہا.... جس کی نمائندگی یہ لفظ کرتا ہے۔

جی.... میں سٹپٹا کر رہ گیا.... پھر کیا ہے۔

تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا.... بوڑھے ڈاکٹر ڈیوڈ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا.... فی الحال اتنا ہی جاننا کافی ہے۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا.... ڈاکٹر ڈیوڈ خالی میز پر رکھے ہوئے ایک چھوٹے سے بلوری پیپر ویٹ سے کھیلتے ہوئے بولا.... مجھے افسوس ہے کہ تمہارے دوست کی لیبارٹری تباہ کردی گئی.... اور یہ ضروری تھا۔ کیونکہ وہ ہم پر سبقت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر کے اس جملے سے میں سمجھ گیا.... کہ میرا دوست قاسم شیدی اور وہ.... دونوں دولت کے معاملہ میں ایک دوسرے کے رقیب تھے.... لیکن ....

سبقت والی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی.... میں سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا وہ مجھے سمجھاتے ہوئے بولا.... ہماری ایک کمپنی ہے.... ہم سونے کا کاروبار کرتے ہیں.... اور نہیں چاہتے کہ اس کاروبار میں کوئی ہمارے مدمقابل آئے.... تمہارا دوست بہت ہی چالاک تھا۔ اس نے پہلے تو "رئیس" کا مقام حاصل کیا اور بعد میں سائنسی آلات کی مدد سے ہمارے کاروباری معاملات میں مداخلت کرنے لگا .... وہ ماضی میں جاکر سونا لے آتا تھا.... اور ہمارے مقابلہ میں سونا سستے داموں بیچ دیا کرتا تھا۔

اس کا مطلب ہے آپ کو سب کچھ معلوم ہے.... میں نے پریشانی سے جواب دیا.... لیکن.... لیکن میرا دوست تو ماضی ہی میں رہ گیا۔

اسے ماضی میں ہی رہنا چاہیے.... بوڑھے ڈاکٹر ڈیوڈ نے سفاکی سے کہا.... وہ "حال" کے قابل نہیں تھا۔

جی.... میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اور میں اسے حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس نے میری حیرانگی کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا.... اب تمہارے بارے میں فیصلہ کرنا ہے۔

اس کے بعد وہ مسلسل پیپر ویٹ کو میز پر گھمانے لگا اور میں سوچنے لگا.... کہ آخر یہ کون شخص ہے جو کہ میرے بارے میں فیصلہ کرنا چاہتا ہے.... اسے میرے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا کیا حق ہے.... کہیں.... کہیں.... یہ کوئی خفیہ پولیس کا آدمی تو نہیں ہے لیکن دوسرے ہی لمحہ میں نے خود ہی اس خیال کی تردید کردی۔ کیونکہ اس بوڑھے نے اپنے بارے میں اب تک جو کچھ بتایا تھا۔ اس

سے تو ذرا سا بھی اشارہ نہیں ملتا تھا..... کہ وہ پولیس کا آدمی ہے

○

ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ نے پھیکی مسکراہٹ سے پوچھا.....تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے۔

میں نے ابھی تک اپنے بارے میں غور نہیں کیا۔

کیوں.....اس نے پہلے ہی کی طرح پھیکی مسکراہٹ سے کہا.....کیا تم کسی خوش فہمی کا شکار ہو۔

حالات اگر سازگار ہوں تو بلاوجہ ذہن پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے.....میں نے جواب دیا۔ بات معقول ہے.....ڈاکٹر ڈیوڈ نے مسکرا کر جواب دیا.....پھر معنی خیز لہجہ میں بولا.....اور اگر حالات ناسازگار ہو جائیں تو؟

انسان جب ڈوبنے لگتا ہے تو زندگی بچانے کی خاطر ہاتھ پاؤں تو چلاتا ہی ہے.....میں نے جواب دیا۔ صرف پانی کی حد تک.....ڈاکٹر نے خشک لہجہ میں کہا.....اور خشکی پر ایسا کیا جائے تو انسان زخمی ہو جاتا ہے۔

لیکن زندگی بچانے کی کوشش کیے بغیر مرجانا بھی تو بزدلی ہے.....میں نے حوصلے سے جواب دیا۔

اگر موت آ ہی رہی ہے تو.....ڈاکٹر ڈیوڈ نے تھوک نگلتے ہوئے کہا.....اسے بہادروں کی طرح خوش آمدید کہنا چاہیے۔

یہ تو.....اپنا.....اپنا خیال ہے۔

لیکن تمہیں.....اس نے اپنے کپکپاتے ہاتھ کی انگلی سے میری طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہا.....تمہیں اپنا خیال بدلنا ہوگا.....تمہیں میرے تمام نظریات کی پیروی کرنا ہوگی.....اس کا لہجہ سخت ہوگیا.....تمہیں اشاروں پر چلنا ہوگا.....ورنہ.....ورنہ.....جانتے ہو کیا ہوگا۔

ان آخری الفاظ کے ساتھ ہی اس کے چہرے اور لہجے میں ایک دم درندگی آگئی۔ اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اور میز کی دراز کھول کر اس میں سے تازہ گوشت کا بڑا سا لفافہ نکالا۔ اور کتوں کے سامنے ڈال دیا.....جانور اور خاص کر کتے کی تو یہ خاصیت ہوتی ہے کہ گوشت کو دیکھتے ہی جھپٹتا ہے..... لیکن ان دونوں کتوں نے ایک نظر گوشت کی طرف دیکھا غرائے اور اپنی سرخ زبانیں لٹکا کر نیچے دیکھنے لگے۔

مجھے تعجب تھا کہ یہ گوشت خور جانور اپنی غذا سامنے دیکھ کر اس طرح خاموش کیوں بیٹھا ہے.....یہ دونوں جانور اپنی فطرت کے برخلاف خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے.....کہ اچانک بوڑھے ڈاکٹر ڈیوڈ نے چٹکی بجائی.....اور اس کے ساتھ ہی کتوں نے گوشت کھانا شروع کردیا.....ابھی وہ گوشت حلق سے اتارنے ہی والے تھے کہ ڈاکٹر نے دوبارہ چٹکی بجائی.....اس کے ساتھ ہی کتوں کے چلتے ہوئے منہ رک گئے۔ اور انہوں نے حلق کے کناروں پر آیا ہوا گوشت فرش پر اگل دیا۔

تم نے دیکھا خان.....ڈاکٹر ڈیوڈ خوشی بھرے لہجے میں بولا.....یہ جانور میرے اشارے کے بغیر اپنی خوراک بھی حلق سے نہیں اتار سکتے۔

جانور اور انسان میں بہت فرق ہے ڈاکٹر.....میں نے حوصلے سے جواب دیا۔

تمہارے اس جواب کا "جواب" نہیں.....ڈاکٹر ڈیوڈ نے ایک زوردار قہقہہ

لگا کر کہا... انسان ویسے بھی تمام مخلوق میں افضل ہے... مزہ تو جب ہے کہ انسان، انسان کو مطیع بنالے۔

میں اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے تعجب سے کتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اور ساتھ ہی خوف کی سرد لہر میرے اعصاب کو جھنجھوڑ رہی تھی۔

تم جوان ہو..... ڈاکٹر ڈیوڈ مجھ سے دوبارہ مخاطب ہوئے.... اور میں جوانوں کی قدر کرتا ہوں۔ یہ سن کر میرے ذہن میں متعدد سوالات ابھرنے لگے۔ اور میں نے پوچھا... مجھے یہاں لانے کا مقصد کیا ہے۔

مسٹر خان..... میں کوئی کام بغیر مقصد کے نہیں کرتا ہوں..... ڈاکٹر ڈیوڈ نے مسکراتے ہوئے کہا... پھر اپنی گھومنے والی کرسی پر جھولتے ہوئے بولا..... تمہیں سب کچھ معلوم ہوجائے گا..... فی الحال تم میرے مہمان کی حیثیت سے رہو.... اور تمہاری میزبانی کے فرائض مس گلابو انجام دیں گی۔

ڈاکٹر ڈیوڈ کے الفاظ ختم ہوتے ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک حسین دوشیزہ ہوا کے جھونکے کی مانند اندر داخل ہوئی... لباس کے اعتبار سے مشرقی تھی۔ لیکن اس کے خدوخال اور اس کے جسمانی نشیب فراز میں مغربیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

○

پر اسرار ڈاکٹر

گلابو کمرے میں داخل ہوئی تو میں اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا... وہ حسن اور جوانی کا ایسا حسین امتزاج تھی جسے کوئی بھی شخص دیکھنے کے بعد اپنے دل ودماغ پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا.... وہ بڑی ہی خوش خرامی سے چلتی ہوئی میز کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ بوڑھا ڈیوڈ اس سے مخاطب ہوا..... گلابو یہ ہمارا نیا مہمان ہے اور تم اس کی میزبان ہو۔

یہ سن کر اس حسین دوشیزہ نے مجھ پر ایک نظر ڈالی۔ اور دوسرے ہی لمحے ڈاکٹر ڈیوڈ سے بولی باس یہ میری خوش قسمتی ہے۔

اس کا نام گلابو تھا..... جب کہ وہ مجسم گلاب تھی۔ قدرت نے اس کو بنانے میں اپنی تمام تر رعنائی کو استعمال کیا تھا۔

گلابو نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اور دروازے کی طرف چل دی.... میں بھی اشارہ پاتے ہی اس کے پیچھے چل دیا۔

○

میں اپنے لیے مخصوص کیے گئے کمرے میں سنگھار میز کے سامنے کھڑا تھا.... گلابو نے پوری توجہ سے نہ صرف میرا حلیہ تبدیل کردیا تھا بلکہ میری رہائش کا بھی انتظام کردیا تھا.... میں اس وقت جس کمرے میں موجود تھا اس میں آسائش زندگی کی ہرچیز موجود تھی۔ میرے دائیں جانب الماری قیمتی کپڑے کے سوٹوں سے

بھری ہوئی تھی.... ابھی میں کمرے کا جائزہ لے ہی رہا تھا' میری سماعت سے گلابو کی مترنم آواز ٹکرائی.... مسٹر خان! کیا آپ کسی چیز کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔

نہیں.... نہیں.... آپ نے توقع سے بڑھ کر میزبانی کا فرض ادا کیا ہے.... میں نے جواب دیا۔

شکریہ مسٹر خان! مجھے خوشی ہوئی کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی.... گلابو نے مجھے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

اب میرے لیے کیا حکم ہے..... میں نے اس کی نگاہوں کے سحر سے بچنے کے لیے سنجیدگی سے پوچھا۔

حکم.... گلابو نے حیرت سے کہا۔ آپ شاید بھول رہے ہیں کہ ڈاکٹر ڈیوڈ نے آپ کو ہر طرح کی مکمل آزادی دی ہے۔ اور مجھے آپ کی میزبانی پر مامور کیا ہے.... آپ مجھے جو چاہیں حکم دے سکتے ہیں۔

اس کی بات سن کر میں نے خود کو دل ہی دل میں سرزنش کی۔ اور اپنی مردانگی کا لحاظ رکھتے ہوئے کہا.... کیا یہ مناسب ہوگا کہ میں چند لمحوں کے لیے ڈاکٹر ڈیوڈ سے ملوں۔

اگر آپ چاہیں تو میں ڈاکٹر تک آپ کا یہ پیغام پہنچادوں گی.... گلابو نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ ٹھیک ہے۔ تم ڈاکٹر تک میرا پیغام پہنچادو.... میں نے کہا۔ اور آئینہ کے سامنے سے ہٹ گیا.... میرا حکم سنتے ہی گلابو کمرہ سے نکل گئی اور ٹھیک پانچ منٹ بعد اجازت لے کر واپس آگئی۔

○

جب میں دوبارہ ڈاکٹر ڈیوڈ کے کمرہ میں داخل ہوا تو یہ وہ کمرہ نہیں تھا۔ جہاں میں چند گھنٹے پہلے اس سے ملا تھا.... یہ ڈاکٹر ڈیوڈ کی خواب گاہ تھی.... اور وہ ایک شاندار مسہری پر نیم دراز تھا۔ اس نے اپنی چمکیلی آنکھوں سے مجھے غور سے دیکھا.... اور مسکراتے ہوئے بولا.... تم نے میرا پہلا مشورہ مان کر اپنی وفاداری کا ثبوت دے دیا ہے.... اب تمہاری شخصیت بھی کافی نکھر گئی ہے۔

میں نے کہا تھا نا.... میں نے سنجیدگی سے جواب دیا.... کہ خود کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کروں گا۔

اسی میں تمہاری بہتری ہے مسٹر خان!.... ڈاکٹر ڈیوڈ نے دھمکی آمیز لہجہ میں کہا۔

آپ کے گروہ میں میری کیا حیثیت ہوگی.... میں نے ڈاکٹر ڈیوڈ کے لہجہ کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

یہ تمہاری اپنی صلاحیتوں پر منحصر ہے..... ڈاکٹر ڈیوڈ نے زیر لب مسکرا کر کہا۔

میں خود میں تو کوئی ایسی صلاحیت نہیں پاتا جو میری حیثیت کو نمایاں کرسکے۔ میں نے جواب دیا۔

دنیا میں چند ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اندر موجود صلاحیتوں کو پہچان لیتے ہیں..... ڈاکٹر ڈیوڈ نے وضاحت کی.... انسان کی صلاحیتوں کو ہمیشہ دوسرے ہی پہچانتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے.... میں نے خوش ہو کر کہا.... مجھ میں ایسی صلاحتیں موجود ہیں جن کی وجہ سے آپ نے مجھے اپنے گروہ میں شامل کیا ہے۔

ہاں۔ یہی سمجھ لو۔۔۔ڈاکٹر ڈیوڈ نے مسہری پر بیٹھے ہوئے کہا۔۔۔تم کمزور ذہن کے آدمی ہو۔ کیا مطلب۔۔۔میں چونکا۔

میرا مطلب ہے۔۔۔ڈاکٹر ڈیوڈ نے بات بنائی۔۔۔کہ ابھی تمہارا ذہن سادہ کاغذ کی مانند ہے۔۔۔یہی وجہ ہے کہ تم جلد حالات سے سمجھوتہ کرلیتے ہو۔ اور مجھے عرصہ سے ایسے ہی صاف ذہن کے شخص کی ضرورت تھی۔

میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔۔۔میں نے وضاحتی لہجہ میں کہا۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اور مسہری پر پہلو بدل کر بولا۔۔۔میں تمہارے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کرکے تمہیں ایک عظیم انسان بنادوں گا۔ میں تمہیں ایسی پراسرار طاقتوں کا مالک بنادوں گا جن کا توڑ اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔

یہ۔۔۔یہ۔۔۔آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔میں نے حیرت واستعجاب سے کہا۔

مسٹر خان۔۔۔ڈاکٹر ڈیوڈ نے سمجھایا۔۔۔انسان کے دو پرت ہوتے ہیں۔۔۔ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔۔۔اور اگر انسان اپنے باطن پر غالب آجائے تو وہ ناقابل تسخیر ہوجاتا ہے۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا۔۔۔میں نے وضاحتی لہجہ میں کہا۔۔۔کہ آپ مجھے میرے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں پر غالب کردیں گے۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نے میری بات کا جواب اثبات میں سرہلا کر دیا۔

میرے اندر کونسی صلاحتیں پوشیدہ ہیں۔۔۔میں نے پوچھا۔

میرے اس غیرمتوقع سوال پر ڈاکٹر ڈیوڈ نے گھور کر مجھے دیکھا۔ اور پھر

دوسرے ہی لمحے مسکراتے ہوئے بولا۔۔۔میں نے تمہیں بتایا تھا کہ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کا علم ہو جاتا ہے۔ مجھے بھی اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کا علم نہیں تھا۔

پھر آپ کو کیسے علم ہوا۔۔۔میں نے ازراہ مذاق پوچھا۔

یہ میری جوانی کی بات ہے۔۔۔ڈاکٹر ڈیوڈ نے بتایا۔۔۔جب کہ میں اپنے والدین کے ہمراہ ہفتہ کی عبادت کرنے چرچ جایا کرتا تھا۔ پھر وہاں ایک دن۔۔۔فادر مجھے "یسوع" کے مجسمے کے سامنے لے گیا۔ اور وہاں۔۔۔ اس نے مجھے "بپتسمہ" دی۔۔۔اسی رات یسوع خواب میں آیا۔ اور اس نے مجھے دکھی انسانوں کی خدمت کے لیے چن لیا۔۔۔اب میں "دکھی انسانوں" کی خدمت پر مامور ہوں۔

ڈاکٹر ڈیوڈ کی یہ بات سن کر میں بے حد متاثر ہوا۔ اور حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔۔۔اس نے میری حیرانگی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔۔۔مسٹر خان۔۔۔یسوع خدا کا بیٹا تھا یا نہیں۔۔۔لیکن وہ اس دنیا میں دکھی لوگوں کی خدمت کرنے کے لیے آیا تھا۔۔۔وہ کوڑھیوں اور اندھوں کو تندرست کردیتا تھا۔۔۔دنیا میں کونسی ایسی بیماری تھی جس کا علاج اس کے پاس نہیں تھا۔

ڈاکٹر ڈیوڈ کی بات سن کر مجھے کئی برس قبل "اللہ رکھی" کی کہی ہوئی بات یاد آگئی۔۔۔اس نے بتایا تھا کہ حضرت عیسیٰ پرندے بناتے تھے۔ اور ان پر "پھونک" مارتے تھے جس سے ان کے جسم میں جان پڑجاتی تھی۔ اور وہ اڑجاتے تھے۔

جس نے بھی تمہیں یہ بات بتائی ہے۔۔۔ڈاکٹر ڈیوڈ نے کہا۔۔۔بالکل صحیح بتائی ہے یسوع اس سے بھی زیادہ تھا۔

یہ سن کر حیرت سے میں ساکت ہوگیا... مجھے سب سے زیادہ تعجب اس بات پر تھا کہ اسے میرے دل کی بات کا علم کس طرح ہوگیا۔

تم یسوع کا دیدار کرو گے... اس نے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یسوع" اپنے چاہنے والوں کو دیدار ضرور کراتا ہے... ڈاکٹر ڈیوڈ نے کہا۔ کل صبح میرے پاس آجانا... پھر وہ گلابو سے مخاطب ہوا... اپنے مہمان کو لے جاؤ۔ اور صبح لے آنا۔

اس کی بات سن کر گلابو میرے قریب آگئی۔ اور میں اس بوڑھے ڈاکٹر ڈیوڈ کو دیکھتا ہوا کمرہ سے نکل گیا

○

اسی رات جب کہ میں اپنی خواب گاہ میں مسہری پر لیٹا کروٹیں بدل رہا تھا... تو گلابو آگئی وہ اس وقت بہت خوش تھی... وہ اٹھلاتی ہوئی میری مسہری کے قریب آئی... اور بولی میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو مسہری کے ساتھ لگا ہوا سرخ بٹن دبا دینا

کیا نیند آرہی ہے... میں نے پوچھا۔

جی نہیں... اس نے شوخی سے جواب دیا۔

بیٹھ جاؤ... میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں... میں نے گلابو سے کہا۔

جیسی تمہاری مرضی... اس نے جواب دیا... اور مسہری پر بیٹھ گئی۔ اور میں نے ذرا بے تکلفی سے پوچھا... یہ ڈاکٹر ڈیوڈ ہے کیا چیز...

یہ تو کچھ بھی نہیں ہے... اس نے شانے اچکائے... اصل چیز تو ہیرا لال ہے

ہیرا لال... میں چونکا... یہ کونسی بلا ہے؟

تمہیں ڈاکٹر خود ہی بتا دے گا... گلابو نے مختصر سا جواب دیا... اور پھر اسی لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا ذہن خالی ہوگیا ہو۔

میری اس کیفیت کو گلابو نے غور سے دیکھا اور مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

○

ابھی صبح کی پہلی کرن پھوٹی ہی تھی کہ گلابو میرے کمرہ میں شب خوابی کے بجائے دوسرے لباس میں داخل ہوئی۔ اور مجھے ڈاکٹر ڈیوڈ کے پاس چلنے کے لیے تیار ہونے کا کہنے لگی...

چلو جلدی سے تیار ہوجاؤ... اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا... ڈاکٹر ڈیوڈ تمہارا منتظر ہوگا۔

یہ سنتے ہی میں مسہری سے اٹھ گیا... اور چند منٹوں کے اندر ہی اندر ڈاکٹر ڈیوڈ سے ملنے کے لیے تیار ہوگیا۔

گلابو کے ساتھ میں ایک ایسے کمرہ میں داخل ہوا جو دوسرے تمام کمروں سے مختلف تھا۔ یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ جس کی آخری دیوار کے ساتھ ایک چھوٹا سا اسٹیج بنا ہوا تھا۔ اور اس اسٹیج کے پیچھے سطح زمین سے کافی بلندی پر ایک چھوٹی سے کھڑکی تھی... اس اسٹیج یا چبوترہ کے سامنے چند سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اور آخری سیڑھی پر ڈاکٹر ڈیوڈ کھڑکی کی جانب منہ کیے کھڑا تھا۔

جب میں گلابو کے ہمراہ ہال نما کمرہ میں داخل ہوا۔ تو شاید ڈاکٹر ڈیوڈ انجیل مقدس کا کوئی باب پڑھ رہا تھا....ہمارے داخل ہوتے ہی وہ خاموش ہوگیا۔ گلابو مجھے ساتھ لیے ہوئے سیدھی ڈاکٹر ڈیوڈ کے پاس آئی۔

آؤ میرے بچے آؤ....ڈاکٹر ڈیوڈ نے نہایت ہی میٹھے لہجہ میں مجھے مخاطب کیا۔

گلابو تو نیچے والی سیڑھی پر ٹھہر گئی۔ اور میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ڈاکٹر کے قریب جاکر کھڑا ہوگیا۔ ڈاکٹر سینہ پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا....اس نے ایک نظر مجھے دیکھا اور پھر میرے سر پر ہاتھ رکھ کر نہایت ہی دلکش لہجہ میں بولا....میرے بچے دنیا میں صرف گنتی کے چند لوگ ہی ہیں جنہیں "یسوع" نے اپنا دیدار کرایا ہے۔ اور آج "مسیح موعود" تجھے بھی یہ شرف بخش رہا ہے۔ اس کے آخری الفاظ کے ساتھ ہی کھڑکی کھل گئی۔ اور آسمان پر پھیلی ہوئی "صبح صادق " کی روشنی نظر آنے لگی....ڈاکٹر ڈیوڈ کہہ رہا تھا....جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے۔ آسمان سے نور برس رہا ہے۔ جس نے اس دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ مجھے اس کی آواز کنویں کی تہ سے سنائی دے رہی تھی کیونکہ میری نگاہوں کے سامنے جو منظر تھا۔ وہ ناقابل تردید تھا....دیوار میں واقع کھڑکی سے آسمان صاف نظر آرہا تھا.... آسمان سے ہلکے نیلے رنگ کی نورانی کرنیں پھوٹ رہی تھیں....یہ کرنیں کھڑکی کے ذریعے کمرہ میں داخل ہورہی تھیں۔ اور میں کھلی آنکھوں سے صاف دیکھ رہا تھا کہ پورا کمرہ ان کرنوں کی وجہ سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے...پھر..ان کرنوں میں کچھ اور نورانی

کرنیں بھی شامل ہوگئیں۔ اور دوسرے ہی لمحہ ان کرنوں نے ایک معصوم صورت اختیار کرلی....یہ وجود اس قدر معصوم تھا کہ میرے دل اور دماغ میں ایک دم یہ خیال آیا کہ یہ "حضرت عیسیٰؑ" ہیں....اس وقت ان کے جسم پر ایک سفید قبا تھی۔ جس پر جگہ جگہ خون کے سرخ دھبے تھے.... آپ کی رنگت سرخ وسفید تھی اور سنہری گیسو اس قدر دراز تھے کہ شانوں پر بکھرے ہوئے تھے.... آپ کے مبارک ہونٹوں پر دعائیہ کلمہ تھا۔ جسے میں تو سمجھ رہا تھا لیکن بیان نہیں کرسکتا... آپ کے جسم اطہر سے بھی نور پھوٹ رہا تھا....چند ثانیہ بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نورانی وجود میری نگاہوں سے اوجھل ہونے لگا....ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے نور، نور میں ضم ہورہا ہے....ڈاکٹر ڈیوڈ نے میرے سر پر سے ہاتھ ہٹالیا۔ اور اس کے ساتھ ہی آسمان سے پھوٹتی ہوئی نور کی کرنیں بھی سمٹ گئیں....اب وہاں کچھ بھی نہ تھا.... کھڑکی سے نیلا آسمان نظر آرہا تھا جس پر سورج ابھرنے سے قبل شفق کی لالی پھیل رہی تھی۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آگیا.... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دیدار کے بعد میرا پورا جسم ہلکا ہوچکا تھا....میں خود کو دنیا کا سب سے زیادہ خوش قسمت انسان سمجھ رہا تھا جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیدار کیا تھا....مجھے اس وقت ایسا روحانی سکون حاصل ہوا تھا جو شاید پھر کبھی حاصل نہ ہو۔

ڈاکٹر ڈیوڈ مجھے لیے ہوئے کرسیوں کے پاس آیا۔ یہاں متعدد کرسیاں نیم دائرہ میں پڑی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر ڈیوڈ نے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور خود

دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "مسیح موعود" کا دیدار کرنے کے بعد تمہارے کیا تاثرات ہیں۔

میں ابھی تک حیران ہوں.....میں نے جواب دیا.....کہ اس جلیل القدر پیغمبر کا دیدار کس طرح ہوگیا۔

اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے.....ڈاکٹر ڈیوڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں.....میں.....تو بہت گنہگار انسان ہوں.....میں نے اپنی حیرانگی پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

مسیح موعود .....ڈاکٹر ڈیوڈ نے سنجیدگی سے کہا.....تمام انسانوں کے دوست تھے۔ میں نے اس کی بات کاٹ کر عقیدت سے کہا.....وہ واقعی محسن انسانیت تھے۔

ایسے محسن کے لیے کیا ہم اپنی جان کا نذرانہ نہیں پیش کر سکتے.....ڈاکٹر ڈیوڈ نے پوچھا

بالکل.....بالکل.....میں نے عقیدت و احترام سے گردن جھکا کر کہا.....میں حاضر ہوں۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ تم مسیح موعود کے مشن میں شامل ہونے کے لیے خوشی سے تیار ہوگئے.....ڈاکٹر ڈیوڈ نے میرے کاندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا.....اس مقصد کے لیے تمہیں "ہیرا لال" کی سرپرستی میں تربیت حاصل کرنا ہوگی۔

یہ تربیت کس قسم کی ہوگی.....میں نے اچانک پوچھا۔

تمہیں یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے.....ڈاکٹر ڈیوڈ نے قدرے سخت لہجہ میں کہا.....ہیرالال ہر فن مولا ہے۔ وہ جیسا مناسب سمجھے گا۔ تمہیں تربیت دے گا۔

آخری جملے کے ساتھ ہی ڈاکٹر ڈیوڈ اپنی نشست سے کھڑا ہوگیا۔ پھر وہ دروازہ کی طرف بڑھتے ہوئے گلابو سے مخاطب ہوا.....میں "ہیرالال" کو بھیجتا ہوں۔

اس کے بعد.....وہ دروازہ کی جانب چل دیا.....میری نگاہیں اس کے تعاقب میں تھیں۔ نجانے کیوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیدار کرنے کے بعد میرے دل میں اس کے لیے بھی عقیدت و احترام پیدا ہوگیا تھا.....میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ دروازہ کی اوٹ میں ہوگیا لیکن اس کے شانہ کا تھوڑا سا حصہ نظر آرہا تھا.....پھر وہ مڑا.....اور چند سیکنڈ کے لیے میری نظروں سے غائب ہوگیا.....دوسرے ہی لمحہ ڈاکٹر ڈیوڈ کی جگہ.....ایک چاق چوبند ادھیڑ عمر کا گنجا شخص داخل ہوا.....وہ شخص وہی لباس پہنے ہوئے تھا جو کہ ڈاکٹر ڈیوڈ نے پہن رکھا تھا۔ فرق تھا تو صرف شکل و شباہت کا.....یہ شخص جو کمرہ میں داخل ہو رہا تھا.....بڑے ہی نپے تلے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کا سر گنجا تھا اور پیشانی کے اوپر سے درمیان میں بالوں کی لمبی سی چوٹی تھی۔

گلابو نے سرگوشی کی.....یہ ہیرالال ہے.....اس سے ذرا سنبھل کر بات کرنا.....سانپ کے کاٹے کا علاج ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ جس کا دشمن ہو جائے۔ اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ذرا سنبھل کر بات کرنا.....سانپ کے کاٹے کا علاج ہو سکتا ہے۔

گلابو نے جیسے ہی سرگوشی ختم کی ہیرا لال بھی قریب آگیا.....میں نے استقبالیہ انداز میں اٹھ کر اس کی جانب مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا.....ہیرا لال نے پہلے تو

ایک نظر میرے ہاتھ پر ڈالی- اور مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا.... میرا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے شکنجہ میں جکڑ دیا ہو-

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی.... اس نے اپنی گھن گرج والی آواز سے کہا.... کہ تم خوشی سے ہمارے گروہ میں شامل ہوئے ہو-

باس نے تو شروع میں ہی کہہ دیا تھا.... اس مرتبہ گلابو نے جواب دیا.... کہ یہ شخص ہمارے لیے کار آمد ہوگا-

باس کا خیال کبھی غلط نہیں ہوسکتا.... اس نے یہ کہہ کر میرا ہاتھ چھوڑ دیا- اور میرے سامنے کرسی کھینچ کر اس پر جم کر بیٹھ گیا-

ڈاکٹر نے.... ابھی میں نے صرف یہی کہا تھا.... کہ وہ ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کراتے ہوئے بولا ڈاکٹر نے کیا کہا ہے- مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں.... میں اپنا فرض خوب سمجھتا ہوں-

تو پھر آپ میری تربیت کا آغاز کس طرح سے کریں گے.... میں نے پوچھا-

یہی تو میں سوچ رہا ہوں.... ہیرا لال نے میرے جسم کا جائزہ لیتے ہوئے کہا.... کہ تمہاری تربیت کا آغاز جسمانی ہونا چاہیے یا روحانی-

میں سمجھتا ہوں.... میں نے اپنی رائے ظاہر کی.... کہ میری تربیت کا آغاز "روحانی" ہو تو اچھا ہے

تمہاری خواہش قابل قدر ہے.... ہیرا لال مسکرایا.... لیکن اس کے لیے سخت محنت کرنا ہوگی اور وہ جسمانی قوت کے بغیر ممکن نہیں-

آپ نے کس طرح سے یہ قوت حاصل کی.... میں نے سوال کیا

میری بات سن کر ہیرا لال نے ہلکا سا قہقہہ لگایا- اور پھر مجھے گھورتے ہوئے بولا... میری کیا بات پوچھتے ہو.... میرے گرو نے.... میری جسمانی اور روحانی تربیت ایک ساتھ کی تھی

آپ کا گرو کون تھا؟.... میں نے بالکل غیر متوقع سوال کردیا-

میرا گرو... اس نے پلکیں جھپکائیں- اور پھر اطمینان سے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بولا... یہ سوال تم نے قبل از وقت کردیا ہے-

اگر آپ نہیں بتانا چاہتے تو کوئی بات نہیں.... میں نے خفگی سے کہا

نہیں نہیں- ایسی کوئی بات نہیں- ہیرا لال نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا- تمہیں کچھ معلوم کرنے کا حق ہے اچھا تو پھر بتاتیے.... میں نے حوصلہ سے کہا-

یہ میری جوانی کی بات ہے.... ہیرا لال نے اطمینان سے بتانا شروع کیا.... جبکہ میں سیاحت کرتا ہوا تبت پہنچا تھا.... اور وہاں میری ملاقات ایک "لاما" - سے ہوئی تھی-

تبت کا "لاما" میں چونکا کیونکہ میں نے پڑھا ہوا تھا کہ تبت کے لاما ایسی پراسرار طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں جن کا توڑ ہندوستان اور افریقہ کے جادوگروں کے.... پاس بھی نہیں ہوتا-

اس لاما نے.... ہیرا لال میری حیرانگی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہہ رہا تھا.... میرے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو دیکھا اور پھر مجھے ایسی لازوال صلاحیتوں کا مالک بنا دیا جن کا مقابلہ اس دنیا کی کوئی طاقت نہیں کرسکتی

تو پھر آپ مجھے بھی ایسی ہی طاقتوں کا مالک بنادیجئے گا۔ میں نے التجا آمیز لہجہ میں کہا۔

ڈاکٹر کی بھی یہی خواہش ہے.... اس نے مختصر سا جواب دیا۔

میں سمجھتا ہوں ہم نے کافی باتیں کرلی ہیں۔ ہیرا لال نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا... اب کچھ کام کی باتیں بھی ہوجائیں.... پھر وہ گلابو سے مخاطب ہوا.... تم انہیں لے کر مرکزی ہال میں پہنچو۔ اس کے بعد وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس ہال نما کمرہ سے باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میرے ذہن میں جو شک تھا۔ اس کا اظہار گلابو سے کیا... یہ ہیرالال کہیں ڈاکٹر ڈیوڈ تو نہیں۔

میری بات سن کر گلابو نے اس طرح دیکھا جیسے میں پاگل ہوں۔ پھر وہ ہاتھ پکڑ کر بولی یہ بات تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔

میں نے ڈاکٹر ڈیوڈ کو دروازہ کے باہر دیکھا تھا.... میں نے بتایا.... لیکن ابھی وہ پوری طرح نظروں سے اوجھل بھی نہیں ہوا تھا کہ ہیرا لال آگیا۔

میں نہیں جانتی گلابو نے میرا ہاتھ پکڑ کر دروازہ کی طرف چلتے ہوئے کہا.... تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ ڈاکٹر ڈیوڈ اور ہیرا لال کہیں ایک ہی انسان تو نہیں.... میں نے سرگوشی کی۔

یہ دونوں شخصیتیں نہایت ہی پراسرار اور عجیب الخلقت ہیں.... گلابو نے بتایا.... میں آج تک نہیں سمجھ سکی تم اتنی جلدی کیسے سمجھ سکتے ہو۔

میں خاموش ہوگیا۔ گلابو میرا ہاتھ پکڑے ہوئے دروازہ کے باہر آگئی اور پھر ایک راہداری میں چلنے لگی اس راہداری کے آخری سرے پر بالکل سامنے کی جانب محراب نما دروازہ تھا۔ شاید یہی ہیرا لال کی مرکزی تربیت گاہ کا دروازہ تھا۔

تربیت

جب میں گلابو کے ہمراہ اس تربیت گاہ میں داخل ہوا تو اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا.... تربیت گاہ جدید سامان سے آراستہ تھی.... یہاں میں نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جنہوں نے مجھے ملبہ سے نکالا تھا۔ ہیرا لال نے تربیت گاہ میں موجود تمام افراد سے میرا تعارف کرایا۔

تربیت گاہ کے نئے ماحول.... اور.... نئے چہروں کے درمیان مجھے کچھ کچھ اجنبیت کا احساس ہو رہا تھا۔ لیکن ہیرا لال نے اس احساس کو زیادہ دیر نہیں رہنے دیا.... تربیت گاہ کے دوسرے افراد مجھ سے اس طرح گھل مل گئے جیسے ہم برسوں سے دوست ہوں.... دو تین روز تک مجھے جسمانی ورزشوں تک محدود رکھا گیا پھر جوڈو اور کراٹے کی تربیت شروع ہوئی۔ اس فن میں.... میں نے نمایاں دلچسپی کا اظہار کیا۔ جس کی وجہ سے ہیرا لال نے خاص طور سے میری رہنمائی شروع کردی.... اس نے بہت جلد مجھے اس فن کے بیشتر پہلوؤں سے روشناس کرا دیا۔ اور پھر میں جوڈو کراٹے میں ایسا طاق ہوگیا کہ دوسرے لوگوں پر بھاری پڑنے لگا۔ اس کے بعد نشانے بازی کی مشقیں شروع ہوئیں۔ جس میں تین سیکنڈ کے اندر پانچ مختلف پوزیشنوں سے صحیح نشانہ لگانا ضروری تھا.... میں نے حیرت انگیز طور سے اس فن میں بھی مہارت حاصل کرلی۔

○

تربیت کی یہ مدت تقریباً" ایک ماہ تھی۔ اس دوران مجھے زیادہ ترجوڈو اور کراٹے ہی سے دلچسپی رہی۔ تربیت گاہ کے دوسرے تمام افراد کو اس بات پر تعجب تھا کہ میں نے اتنی جلدی سب کچھ کیسے سیکھ لیا۔

ایک روز ہیرا لال میرا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولا۔۔۔ مسٹرخان! تم نے جس تیزی سے اپنی تربیت مکمل کی ہے۔ اس پر مجھے خوشی بھی ہے۔ اور حیرت بھی۔

یہ سب کچھ آپ کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔۔۔۔میں نے عاجزانہ لہجہ میں کہا۔

نہیں اس نے میری بات کی تردید کی۔۔۔اس میں تمہاری صلاحیتوں کا بڑا دخل ہے۔

میں اپنی اس بے مثال کامیابی پر بہت خوش تھا۔ مجھے ہر شخص نے خاص طور پر مبارکباد دی تھی۔۔۔ لیکن ایک شخص ایسا بھی تھا۔ جس نے کسی قسم کے جذبے کا اظہار نہیں کیا تھا۔۔۔اور یہ اس گروہ میں شامل چھوٹے سے قد کا جاپان نژاد "الم وانگ" تھا۔ اس نے ہیرا لال کو میری تعریف کرتے سنا تو درمیان میں بولا۔۔۔ مسٹرخان! تربیت کی اصل حقیقت اس وقت کھلتی ہے جب انسان دشمنوں میں گھر جاتا ہے۔

مسٹروانگ!۔۔۔۔میں نے سنجیدگی سے کہا۔۔۔وقت آنے پر آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔

گڈ۔۔۔اچانک الم وانگ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔۔۔۔مجھے تمہاری بات پسند آئی۔ لیکن کسی امتحان سے گزرے بغیر خود پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے۔

خوداعتمادی بڑی چیز ہے۔۔۔۔میں نے برجستہ جواب دیا۔

اوہ۔۔۔۔الم وانگ پھنکارا۔۔۔۔میرے ساتھ آؤ۔ اس نے یہ کہہ کر میرا ہاتھ پکڑا۔ اور درمیان میں بنے ہوئے رنگ کی جانب چل دیا۔

○

رنگ میں پہنچ کر میں نے وضاحتی نظروں سے ہیرا لال کی طرف دیکھا۔ اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکا دیئے۔۔۔۔میرے رنگ میں داخل ہوتے ہی الم وانگ نے ایک مشاق فائٹر کی طرح مجھ سے ہاتھ ملایا اور کونے کی طرف چلا گیا۔

مسٹرخان۔۔۔۔اس نے مجھے مخاطب کیا۔۔۔کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہمارے درمیان جو مقابلہ ہو۔۔۔۔فیصلہ کن ہو۔

میں اس کے لیئے تیار نہیں ہوں۔۔۔۔میں نے نرمی سے جواب دیا۔

کیوں کیا تمہیں اپنی خود اعتمادی پر اعتبار نہیں رہا۔۔۔۔اس نے توہین آمیزلہجہ سے کہا۔

میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔۔۔۔میں نے وضاحت کی۔۔۔اگر آپ میری صلاحیتیں آزمانا چاہتے ہیں تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔

ٹھیک ہے۔ آؤ۔۔۔۔اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

پھر۔۔۔پھر۔۔۔ہمارے درمیان مقابلہ شروع ہوگیا۔۔۔الم وانگ بلاشبہ پھرتیلا اور طاقتور فائیٹر تھا۔ ایک دوبار اس کے حملے اتنے نپے تلے اور شدید تھے کہ اگر میں ذرا سا چوک جاتا تو اپنی ہڈیاں تڑوا چکا ہوتا۔۔۔بس اس کا اچٹتا ہوا ہاتھ میرے جسم سے ٹکرایا تھا۔ اس کے باوجود مجھے دن میں تارے نظر آگئے تھے۔۔۔ایک مرتبہ الم وانگ میرے روبرو ایسے زاویے سے آگیا تھا کہ اگر میں چاہتا تو ایک ہی وار میں

اسے ایک ہاتھ سے محروم کرسکتا تھا۔ لیکن عین اس لمحہ ذہن سے یہ خیال ہوا کی مانند نکل گیا۔۔ہیرا لال جو کہ رنگ کے باہر کھڑا تھا۔ یہ مقابلہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں سے ایسا کرنے سے منع کیا۔۔۔اور پھر میرے ذہن میں خود بخود یہ خیال پیدا ہوگیا۔۔۔کہ مجھے حملہ کرنے کے بجائے صرف اپنا دفاع کرنا چاہیے۔

الم وانگ نے میری اس حرکت کو اپنی توہین سمجھا۔۔۔اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے کینوس پر اپنے دونوں ہاتھ جمائے اور دوسرے ہی لمحے مجھ پر جھپٹ پڑا۔ اگر میں اچھل کر دوسری طرف نہ گیا ہوتا تو یقیناً" اس کی پڑنے والی فلائینگ کک مجھے رنگ کے باہر پھینک دیتی۔۔۔الم وانگ کا یہ حملہ ناکام ہوا تو وہ غصہ سے بھڑک اٹھا۔ اور اس نے تیزی سے حملے کرنے شروع کردیے۔۔۔اب میرے لیے دفاع کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ حالات کے پیش نظر ضروری تھا کہ میں بھی پلٹ کر حملہ کرتا۔ اور اسے محتاط رہنے پر مجبور کردیتا۔۔۔لیکن میں نے ایک مختلف اور انوکھا طریقہ اختیار کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ ایک بار۔۔۔الم وانگ مجھ پر حملہ کرکے پلٹا تو میں نے جان بوجھ کر لڑکھڑاتے ہوئے خود کو کینوس پر گرالیا۔۔۔اور پھر وہی ہوا' جو میں چاہتا تھا۔ الم وانگ نے مجھے کینوس پر پڑے ہوئے دیکھا تو اس نے مجھ پر چیتے کی طرح جست لگائی۔۔۔وہ مجھے دبوچ لینا چاہتا تھا۔۔۔میں چاہتا تو اپنی جگہ سے ہٹ کر اسے منہ کے بل گرجانے دیتا۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔۔۔جونہی وہ فضا میں اڑتا ہوا میرے اوپر آیا۔ میں نے اپنی دونوں ٹانگیں اٹھادیں۔ اور اس کے ساتھ ہی الم وانگ فٹ بال کی طرح اچھل کر رنگ کے باہر جا پڑا۔۔۔ میں نے جس خوبصورتی سے یہ حرکت کی تھی۔ اسے کوئی شخص جوابی حملہ نہیں کہہ سکتا تھا۔

البتہ اسے بچاؤ اور حملے کی ملی جلی صورت کہا جاسکتا تھا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ الم وانگ رنگ میں دوبارہ آتا۔ میں برق رفتاری سے اٹھا۔ اور رسی پکڑ کر رنگ کے باہر کود گیا۔۔۔رنگ کے باہر آتے ہی میں نے دیکھا کہ گلابو۔۔۔اور دوسرے لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ سب حیران تھے کہ میں نے ناقابل تسخیر الم وانگ کو نہ صرف رنگ کے باہر پھینک دیا تھا۔ بلکہ اب اس سے نمٹنے کی خاطر رنگ کے باہر بھی آگیا تھا۔۔۔اور پھر۔۔۔اس سے پہلے کہ۔۔۔میں زمین پر الم وانگ پر کوئی داؤ لگاتا۔ میرا ذہن یکسر بدل گیا۔۔۔مجھے ایک دم خیال آیا۔ کہ نہیں الم وانگ ناقابل تسخیر ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ اپنی چالاکی سے کیا ہے۔ مجھے اس کی برتری کو تسلیم کرلینا چاہیے۔

ان خیالات کے آتے ہی میں نے اس کے قریب پہنچ کر دونوں ہاتھ سینہ پر باندھے۔ اور پھر جاپانی انداز میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر تعظیماً" اس کے سامنے جھک گیا۔۔۔یہ اس بات کی علامت تھی کہ میں نے الم وانگ کو اپنے سے برتر تسلیم کرلیا ہے۔۔۔میں چونکہ گردن جھکائے ہوئے تھا۔ اس لیے کچھ نہ دیکھ سکا۔ البتہ الم وانگ کی گرفت اپنے بازوؤں پر محسوس کی تو اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔۔۔اور پھر۔۔۔مجھے اس کے چہرہ اور آنکھوں میں جو کچھ نظر آیا' اس نے میرے پورے جسم میں خوشی کی لہر دوڑادی۔۔۔الم وانگ نے میرا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔۔۔ مسٹرخان (خان) ام۔ مبارک باد پیش کرتا ہے۔

میں اس اعزاز پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔۔۔میں نے ادب سے جواب دیا۔

اس جواب پر الم وانگ نے مجھے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے اثبات میں

دو تین بار سر کو ہلایا۔ اور پھر خاموشی سے ہال کے باہر نکل گیا۔

اس کے باہر نکلنے کے بعد ہیرا لال اور گلابو میرے قریب آگئے۔۔۔ ہیرا لال نے تعریفی لہجہ میں کہا۔۔۔ مسٹر خان۔۔۔ مجھے یقین ہے۔ تم ہمارے گروہ میں ایک شاندار اضافہ ثابت ہوگے۔

پھر وہ گلابو سے مخاطب ہوا۔۔۔ اسے صبح میرے پاس لے آنا۔

اس مختصر سے حکم کے بعد وہ بھی پلٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اب کمرہ میں صرف میں اور گلابو تھے۔۔۔ گلابو نے بڑے ہی پیار سے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور ہم دونوں بھی دروازہ کی جانب چل دیئے۔

○

دوسرے روز جب کہ ابھی میں ناشتا سے فارغ ہوا تھا۔ گلابو نے مجھے تیار ہو کر ہیرا لال کے پاس چلنے کو کہا۔۔۔ میں فوراً ہی تیار ہوگیا۔ اور چند منٹوں کے بعد۔۔۔ گلابو کی ہمراہی میں ہیرا لال کے کمرہ میں داخل ہوا۔ اس وقت ہیرا لال کے جسم پر ہلکا نیلے رنگ کا تھری پیس سوٹ تھا۔ اور اس نے قدیم عربوں جیسی پگڑی باندھ رکھی تھی۔ جس کے درمیان میں سامنے کی جانب سرخ رنگ کا بیضوی نگینہ جگمگا رہا تھا۔۔۔ اندر داخل ہونے کے بعد۔۔۔ جب اس نے میری جانب نگاہ اٹھائی تو اس کی آنکھوں کی تیز چمک مجھے اپنے وجود کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔۔۔ وہ آج، کل سے بہت مختلف تھا۔۔۔ اس کے چہرے کے نقوش نہ صرف دلکش تھے۔ بلکہ اپنے اندر بے پناہ ساحرانہ کشش رکھتے تھے۔۔۔ وہ چند لمحہ تک۔۔۔ مجھے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت

سے قریب آنے کو کہا۔۔۔ گلابو کھڑی رہی اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔۔۔ میں نے دیکھا۔۔۔ کمرہ میں الم وانگ بھی موجود تھا۔ لیکن وہ کمر پر ہاتھ باندھے سر جھکائے ایک کونہ میں کھڑا تھا۔

مسٹر خان۔۔۔ ہیرا لال نے مجھے مخاطب کیا۔۔۔ میری طرف دیکھو۔ اور میری بات غور سے سنو۔ اس کی بات سنتے ہی میں اس کی جانب متوجہ ہوگیا۔۔۔ اس کے چہرہ پر اس وقت پہلے سے بھی زیادہ ساحرانہ کشش تھی۔ جس کی وجہ سے میں کوشش کے باوجود اس کے چہرہ سے نگاہیں نہ ہٹا سکا۔۔۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں کی چمک کچھ اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ میں نے تاب نہ لاتے ہوئے آنکھیں جھکالیں۔

ماضی کی باتیں بھول جاؤ۔۔۔ ہیرا لال کی آواز اُبھری۔۔۔ کل کیا ہوا تھا۔ تمہیں کچھ یاد نہیں۔ اور واقعی اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میرا ذہن بالکل خالی ہوگیا۔۔۔ مجھے اپنا ماضی یاد نہیں تھا۔۔۔ کل الم وانگ سے میرا مقابلہ ہوا تھا۔۔۔ وہ بھی میرے ذہن سے نکل گیا۔

تمہیں جس مقصد کی خاطر اس گروہ میں شامل کیا گیا ہے، اب اس کا وقت آگیا ہے۔۔۔ ہیرا لال کہہ رہا تھا۔۔۔ تم نے اپنی صلاحیتوں سے خود کو اس گروہ کے قابل ثابت کردیا ہے۔۔۔ اب تمہیں اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اس گروہ کی بھلائی کے لیے کام کرنا ہے۔۔۔ اس گروہ کے دشمنوں کو ختم کرنا ہے۔۔۔ بولو۔ کیا تم تیار ہو۔

ہیرا لال جو کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے الفاظ کے ساتھ ہی میرے ذہن میں تغیر و تبدیلی ہوتی جارہی تھی۔۔۔ اس گروہ سے مجھے ہمدردی ہوگئی تھی۔ کیونکہ اس

گروہ کا سربراہ ڈاکٹر ڈیوڈ تھا جو کہ مسیح موعود کی خاطر انسانیت کی خدمت کر رہا تھا۔۔۔اور جب اس نے پوچھا کہ کیا تم تیار ہو۔۔۔تو میں نے بے ساختہ کہہ دیا۔۔۔ہاں میں تیار ہوں۔

بہت خوب۔۔۔وہ خوشی سے بولا۔۔۔خیال رہے کہ اب اس دنیا میں کوئی تمہارا دوست نہیں ہے۔۔۔دوست بھی تمہارے دشمن ہیں۔

میں نے ان الفاظ کے ساتھ ہی اقرار کے انداز میں گردن ہلادی۔

ٹھیک ہے۔ اسے پہچانتے ہو۔۔۔ہیرا لال نے کہا۔ اور ساتھ ہی پوسٹ کارڈ سائز کا ایک فوٹو میری نظروں کے سامنے کردیا۔۔۔فوٹو پر نظر پڑتے ہی میری آنکھیں حیرت کیساتھ پھیل گئیں۔۔۔۔یہ "اللہ رکھی" کا فوٹو تھا۔

حیران نہ ہو۔۔۔ہیرا لال نے اطمینان سے کہا۔۔۔اور ان الفاظ کے ساتھ ہی میری حیرانگی یکلخت ختم ہوگئی۔

یہ "اللہ رکھی" ہے۔۔۔ہیرا لال کہہ رہا تھا۔۔۔تمہاری دوست۔۔۔تم اسے اچھی طرح سے جانتے ہو۔۔۔لیکن اب یہ نہ صرف تمہاری بلکہ ہم سب کی دشمن ہے۔۔۔یہ مسیح موعود کے اس انسانی مشن کی دشمن ہے۔۔۔اور تمہیں اسے ختم کرنا ہے۔

میں اس کے لیے تیار ہوں۔۔۔میں نے ٹھوس لہجہ میں جواب دیا۔

اس مقصد کے لیے۔۔۔ہیرا لال پھر مخاطب ہوا۔۔۔تمہیں کچھ دن اس کے ساتھ رہنا ہوگا اور صرف ایک ہفتہ کے اندر۔۔۔اندر۔۔۔اسے ختم کرکے واپس آنا ہوگا۔۔۔تم رات کو اس کی شہ رگ چاقو سے کاٹو گے۔۔۔اور بھاگ کر واپس یہاں

آجاؤ گے۔

یہ رہتی کہاں ہے۔۔۔میں نے خوابیدہ لہجہ میں پوچھا۔

آج سورج چھپنے کے بعد۔۔۔ہیرا لال نے کہا۔۔۔الم وانگ تمہیں اس کی رہائش گاہ کے دروازہ پر چھوڑ آئے گا۔۔۔اس کے بعد تم وہی کچھ کرو گے۔جو میں نے کہا ہے۔

جی ہاں۔ میں وہی کچھ کروں گا۔۔۔میں نے بڑے ہی اعتماد سے جواب دیا۔

یہ کام تمہیں اس وجہ سے سونپا جارہا ہے۔۔۔ہیرا لال نے بتایا۔۔۔کہ تم اس کے پرانے شناسا ہو۔ اس کو تمہارے بارے میں قطعی شک نہیں ہوگا۔۔۔اور تم سارا کام ختم کرنے کے بعد باآسانی یہاں پہنچ جاؤ گے۔

میں نے آخری الفاظ کے ختم ہوتے ہی ایک بار پھر اثبات میں سرہلایا۔

اب تم جاسکتے ہو۔۔۔ہیرا لال نے کہا۔۔۔اب تمہیں صرف سورج ڈوبنے کا انتظار کرنا ہے۔۔۔سورج ڈوبتے ہی الم وانگ تمہیں "اللہ رکھی" کے گھر پہنچادے گا۔ جو ہماری دشمن ہے۔۔۔اب تم جاؤ۔

میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا ہیرا لال کے چہرہ پر بڑی ہی دلکش مسکراہٹ تھی۔ اس کی اس مسکراہٹ نے میرے ذہن میں اس خیال کو مزید مضبوط کردیا۔۔۔کہ اللہ رکھی کو ختم کردینا چاہیے۔۔۔یہ نابکار مسیح موعود کے مشن کے خلاف ہے۔

اس کے بعد میں اللہ رکھی کے خلاف دماغ میں نفرتیں لیے ہوئے واپس اپنے کمرہ میں آگیا۔

○

سورج غروب ہوچکا تھا۔ آسمان پر شفق کی لالی پھیلی ہوئی تھی۔۔۔اور میں الم وانگ کے ہمراہ کار میں بیٹھا ایک مضافاتی بستی کی طرف جارہا تھا۔۔۔ آدھے گھنٹہ بعد ہماری کار ایک ایسی بستی میں داخل ہوئی۔۔۔جہاں بنگلے نما مکانات تھے۔۔۔ مختلف سڑکوں اور گلیوں سے گزرتے ہوئے الم وانگ نے ایک بڑی سی شاہراہ پر گاڑی روک لی۔۔۔اور دائیں جانب کی ایک گلی میں دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔اس گلی میں آخری مکان "اللہ رکھی" کا ہے۔ تم ان گلیوں اور سڑکوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔۔۔ آدھی رات گزرنے کے بعد میں تمہیں اسی سڑک پر ملوں گا۔ میں اس کی بات سن کر فوراً ہی گیٹ کھول کر کار کے باہر آگیاسنو۔ اس نے مجھے روکتے ہوئے کہا۔۔۔ تمہیں ایک ہفتہ کے اندر اندر اپنا کام انجام دینا ہے۔۔۔میں ہر روز آدھی رات گزرنے کے بعد یہیں ملوں گا۔

آخری جملہ ادا کرنے کے ساتھ ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اور تیزی سے چلا گیا۔۔۔میں نے اس کی گاڑی کے پیچھے اڑتی ہوئی دھول پر نظر ڈالی۔ اور گلی میں داخل ہوگیا۔۔اس گلی میں دونوں جانب بہت ہی خوبصورت مکانات بنے ہوئے تھے۔ انہیں مکانات کہنا تو بیجا ہے۔ یہ تو بڑے ہی خوبصورت بنگلے تھے۔ ان کے آہنی گیٹوں کے دونوں جانب خوبصورت پھولوں کی کیاریاں بنی ہوئی تھیں۔۔۔میں گلی کے دونوں جانب نظریں ڈالتا ہوا آخری سرے پر پہنچ گیا۔ یہ مکان تھا تو چھوٹا سا۔ لیکن بہت ہی خوبصورت بنا ہوا تھا۔ اس کی خوبصورتی کو اجاگر کرنے میں اس کی تکونی بناوٹ نمایاں تھی۔۔۔میں قدم اٹھاتا ہوا گیٹ پر پہنچا۔ اور پھر بائیں جانب لگے ہوئے گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھ دیا۔۔۔اور اندر کہیں چڑیا کے بولنے کی آواز

سنائی دی۔ اور پھر دومنٹ بعد ہی آہنی گیٹ میں بنی ہوئی چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی۔۔۔ایک جھریوں بھرے چہرہ نے جھانکتے ہوئے پوچھا۔۔۔کون ہے؟

اس سے پہلے کہ میں اپنے بارے میں کچھ بتاتا۔ اس چہرے نے مجھے پہچان لیا۔۔۔اور وہ خوش دلی سے بولا۔۔۔خان۔ تم۔

پھر وہ اس چھوٹی سی کھڑکی کے باہر آیا۔ اور مجھ سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے مصافحہ کرتے ہوئے غور سے دیکھا۔۔۔یہ وہی لاغر سا شخص تھا۔ جسے میں نے کئی سال قبل اللہ رکھی کے ساتھ دیکھا تھا۔۔۔مجھے سب سے زیادہ تعجب اس بات پر تھا کہ یہ شخص ابھی تک زندہ ہے۔ جب کہ اس شخص کی صحت اور عمر کو دیکھتے ہوئے یہی خیال آتا تھا کہ اسے تو اب تک ملک عدم کو سدھار جانا چاہیے تھا۔۔۔اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور آہنی گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔۔۔ تم کافی عرصہ کے بعد ملے ہو۔

جی ہاں۔۔۔میں نے جواب دیا۔۔۔دراصل مجھے آپ کا پتہ نہیں معلوم تھا۔

پھر یہاں کیسے پہنچے۔۔۔اس نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ اور آہنی گیٹ میں بنی ہوئی کھڑکی کو بند کردیا۔۔۔میں اس کے اس غیر متوقع سوال سے بوکھلا گیا۔ پھر بات بناتے ہوئے بولا۔ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔

اس نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے پوچھا۔۔۔اب کیا چاہتے ہو۔

اللہ رکھی سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔میں نے اپنا مدعا بیان کیا۔

یہ سن کر اس نے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا مکان کے صدر دروازہ کی طرف چل دیا۔

○

میں نے اس کے پیچھے چلتے ہوئے اپنے اطراف میں نظریں دوڑائیں۔۔۔یہ اس وقت کا نہایت ہی ماڈرن بنگلہ تھا۔۔۔مغربی اور مشرقی طرزِ تعمیر کا بہترین نمونہ تھا۔۔۔بنگلہ کے اطراف میں دور تک گھاس کے لان تھے۔ جن کے درمیان چھوٹی چھوٹی سی پگڈنڈیاں بنی ہوئی تھیں اور ان پگڈنڈیوں کے دونوں جانب گلاب اور چنبیلی کے پودے لگے ہوئے تھے۔۔۔میں تین سیڑھیاں چڑھ کر اس لاغر شخص کے ہمراہ صدر دروازہ پر پہنچ گیا۔۔۔دروازہ لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اور اس پر نہایت ہی خوشنما بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔۔۔اس لاغر شخص نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ کو دھکا دیا۔ دروازہ اس قدر کھل گیا کہ اس میں ایک شخص باآسانی داخل ہو سکتا تھا۔ پہلے دروازہ میں وہی داخل ہوا۔ اور اس کے بعد میں۔۔۔اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ بند کردیا۔۔۔اب میں ایک بڑے سے ہال میں کھڑا تھا۔ جس کے فرش پر نیلے رنگ کا دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ اور دیواروں کے ساتھ نہایت ہی آرام دہ صوفے لگے ہوئے تھے۔۔ بیٹھو۔ اس لاغر شخص نے ایک صوفہ کی جانب اشارہ کیا۔ اور جب میں صوفہ پر بیٹھ گیا۔ تو وہ دروازہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔۔۔اللہ رکھی کو اطلاع کرتا ہوں۔ میں نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔۔۔وہ میرا مطلب سمجھ گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔۔۔یہاں معاملہ دوسرا ہے۔۔۔یہ ڈرائنگ روم ہے۔ اور وہ یہاں ہی ملاقات کرتی ہے۔ آخری جملہ ادا کرنے کے ساتھ وہ ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔۔۔اس کے جانے کے بعد میں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ ڈرائنگ روم

بیش قیمت اشیاء سے سجا ہوا ہے۔۔۔ابھی میں ان چیزوں کا آنکھوں ہی آنکھوں سے جائزہ لے رہا تھا کہ دروازہ کھلا۔ اور اللہ رکھی ہوا کے جھونکے کی مانند اندر داخل ہوئی۔۔۔میں اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ کیونکہ وہ میرے سامنے سیدھی سادھی "اللہ رکھی" نہیں کھڑی تھی۔۔۔بلکہ ایک نہایت ماڈرن قسم کی اللہ رکھی کھڑی تھی۔ اس نے نہ صرف جدید فیشن کا لباس پہن رکھا تھا' بلکہ غیر ملکی سینٹ بھی لگا رکھا تھا۔ جس سے پورا کمرہ مہک رہا تھا۔۔۔اس کے چہرہ پر وہی پہلی والی شادابی تھی۔۔۔اس نے نہایت بے تکلفی سے دونوں ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔۔۔ آچندا۔۔۔سینہ سے لگ جا۔ تجھے دیکھنے کو تو آنکھیں ترس رہی تھیں۔

اور پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا۔۔۔اس نے والہانہ طریقہ سے مجھے سینہ سے لگا لیا۔ اس کے سینہ سے لگتے ہی مجھے ایسا سکون محسوس ہوا۔ جیسے جنت میں آگیا ہوں۔۔۔ڈاکٹر ڈیوڈ۔۔۔میرا لال۔۔۔الم وانگ حتیٰ کہ یہاں آنے کا مقصد تک بھول گیا۔۔۔اس نے مجھے اپنے سینہ سے اس طرح چمٹا رکھا تھا۔۔۔جیسے ماں اپنے سہمے ہوئے بچہ کو چمٹا لیتی ہے اور اسے دنیا بھر کے خوف سے نجات مل جاتی ہے۔ اس وقت یہی کیفیت میری تھی۔۔۔اس کے سینہ سے لگنے کے بعد میں تمام تفکرات سے بے نیاز ہوگیا تھا۔۔۔مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے یہ وہ پناہ گاہ ہے جہاں دنیا بھر سے زیادہ سکون ہے۔ جہاں کسی بھی قسم کا خوف یا فکر نہیں ہے۔۔۔میں ابھی اس کی آغوشِ ممتا سے سکون حاصل کر ہی رہا تھا کہ اس نے مجھے خود سے جدا کرتے ہوئے پوچھا۔۔۔ تمہیں میرا پتہ کیسے معلوم ہوا۔

بس کسی نے بتا ہی دیا۔۔۔میں نے بات ٹالی۔

وہ سب تو حرامی ہیں۔۔۔وہ زیرلب بڑبڑائی۔۔۔اس کا خیال تھا کہ میں نے الفاظ نہیں سنے ہیں۔۔۔پھر ایک دل آویز مسکراہٹ سے بولی۔۔۔بیٹھو۔

میں پہلے والے صوفہ پر دوبارہ بیٹھ گیا۔۔۔وہ بھی میرے سامنے والے صوفہ پر بیٹھ گئی۔۔۔اس کے بیٹھتے ہی لاغر شخص اندر داخل ہوا۔۔۔اسے دیکھتے ہی اللہ رکھی بولی۔۔۔بھئی میرے خان کی خاطر کچھ تو لاؤ۔۔۔لاغر شخص یہ سنتے ہی فوراً" واپس چلا گیا۔

○

مجھے ابھی صوفہ پر بیٹھے ہوئے ایک منٹ بھی نہیں ہوا تھا کہ اللہ رکھی نے پوچھا۔۔۔سناؤ۔۔۔تمہارا کیا حال ہے۔ اب تو بخار نہیں آتا۔

نہیں تو۔۔۔میں نے مختصر جواب دیا۔ اور سوچنے لگا کہ واقعی جب سے اللہ رکھی نے میرا روحانی علاج کیا تھا۔ آج تک مجھے بخار نہیں آیا تھا۔

مجھے سوچ میں دیکھ کر اس نے پوچھا۔۔۔کیا سوچنے لگے۔۔۔پھر قدرے اچنبھے سے بولی۔۔۔ارے ہاں یاد آیا۔۔۔گلابو کا کیا حال ہے۔

یہ سن کر میں اس طرح چونکا۔ جیسے بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو۔۔۔پھر بھی میں نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے انجان بن کر کہا۔۔۔گلابو۔۔۔کون گلابو۔

بڑے بھولے بن رہے ہو۔ اس نے میرا مذاق اڑایا۔۔۔ارے وہی گلابو جو وہاں پر تمہاری میزبانی کرتی رہی اب اللہ رکھی سے کچھ چھپانا بیکار تھا۔ لہٰذا میں نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔۔۔ٹھیک ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہی منحنی سا شخص ایک ٹرے میں مختلف قسم کے پھل لیے کمرہ میں داخل ہوا۔۔۔اس نے ہم دونوں کے

سامنے رکھی ہوئی ایک چھوٹی سی ٹیبل پر ٹرے رکھی۔ اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔

لو کھاؤ۔۔۔اس نے ٹرے میں سے ایک بڑا سا سیب اٹھا کر مجھے دیتے ہوئے کہا۔

میں اس کے ہاتھ سے سیب لیکر دانتوں سے کاٹنے ہی والا تھا کہ اللہ رکھی نے میرا ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔۔۔چاقو سے کاٹ کر کھاؤ۔

چاقو کہاں ہے۔۔۔میں نے ٹرے میں متلاشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

چاقو تو تمہاری اندرونی جیب میں ہے۔۔۔اس نے زیرلب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں حیرت سے اپنی جگہ پر ساکت ہو کر رہ گیا۔۔۔کیا اللہ رکھی "روشن ضمیر" ہے۔۔۔کیا وہ دلوں کا بھید جانتی ہے۔۔۔گلابو سے تعلقات کے انکشاف کے بعد۔۔۔یہ اس کا دوسرا انکشاف تھا۔۔۔اور میں اس انکشاف سے مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔

میری گردن کاٹنے سے پہلے یہ سیب تو کاٹ لو۔۔۔اسنے میرا گال تھپتھپاتے ہوئے پیار سے کہا اللہ رکھی۔۔۔میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔۔۔تمہیں۔۔۔سب۔۔۔سب۔۔۔کچھ۔۔۔معلوم ہے۔ سب کچھ۔

اے لو۔۔۔وہ بڑے ہی تعجب خیز انداز سے ناک پر انگلی رکھ کر بولی۔۔۔اپنے محبوب کی باتیں مجھے نہیں معلوم ہوں گی تو اور کس کو معلوم ہوں گی۔

تو پھر۔۔۔میں نے اپنی حیرانگی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔۔۔تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ میرے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔

ارے میں تو یہ تک جانتی ہوں کہ ان حرامزادوں کا مقصد کیا ہے۔۔۔اللہ رکھی نے پیشانی پر بل ڈال کر جواب دیا کون حرامزادے۔

وہی ڈاکٹر ڈیوڈ۔ اور اس کے پالتو کتے۔۔۔اللہ رکھی نے حقارت سے کہا۔

تم انہیں برا کہہ رہی ہو۔۔۔میں نے قدرے خفگی سے کہا۔۔۔جب کہ وہ مسیح موعود کے لیے کام کر رہے ہیں۔۔۔دکھی انسانیت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ارے ان کا ظاہر اور باطن دو مختلف روپ ہیں۔۔۔اللہ رکھی نے حقارت سے کہا۔۔۔میں ان کی ایک ایک حرکت سے باخبر رہتی ہوں۔

پھر کیسے ہیں وہ لوگ۔۔۔میں نے پوچھا۔

وہ سب غیر ملکی ایجنٹ ہیں۔۔۔اللہ رکھی نے اسی لہجہ میں کہا۔۔۔وہ بوڑھا جو خود کو ڈاکٹر ڈیوڈ کہلاتا ہے۔۔۔لوگوں کو ہپناٹائز کر کے اپنے ملک کے مفاد میں کام کراتا ہے۔

ہپناٹائز کر کے۔۔۔ہاں مغرب کا یہ شعبدہ باز مشرق کے بھولے بھالے لوگوں کو اپنے جال میں پھانس کر طرح طرح کے کام لیتا ہے۔ اللہ رکھی نے بتایا۔ اس نے تمہیں بھی ہپناٹائز کر کے میرے قتل پر آمادہ کر لیا۔

ہاں۔۔۔میں نے اقرار کر لیا۔ لیکن تمہارے قتل سے ان کا مقصد کیا تھا۔ میں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔ انہوں نے تو مجھے بتایا تھا کہ تم ان کی دشمن ہو۔۔۔ان کے دکھی انسانوں کی خدمت کرنے کے خلاف ہو۔

وہ فریبی کیا دکھی انسانیت کی خدمت کرینگے۔ اللہ رکھی نے تیز و تند لہجہ میں کہا۔ وہ جانتے کیا ہیں۔

ایسا مت کہو میں نے ٹوکا۔۔۔ڈاکٹر ڈیوڈ نے مجھے حضرت عیسیٰؑ کی زیارت کرائی ہے۔

بس۔۔۔اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔۔۔تم جس کی زیارت کرنا چاہو میں زیارت کرادوں

تم۔۔۔تم۔۔۔ایسا کر سکتی ہو۔ میں نے سوچا

اور کہو تو تمہیں حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں پہنچادوں۔۔۔اللہ رکھی نے سنجیدگی سے کہا۔۔۔ممکن ہے کہ اسے یہ بھی علم آتا ہو۔ لہذا آزمالینا چاہیے۔۔۔ لیکن ابھی نہیں۔۔۔پھر میں نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔۔۔لیکن وہ تمہیں کیوں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک میں ہی تو ان کے ناپاک ارادوں میں رکاوٹ ہوں۔ اللہ رکھی نے بتایا۔ وہ مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

وہ کس طرح

میں تکوینی نظام کے فیصلوں میں ان کے ناپاک ارادوں کو دخل اندازی نہیں کرنے دیتی ہوں۔ اللہ رکھی نے کہا۔

میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔۔۔میں نے جواب دیا۔

میرے ساتھ رہو گے تو سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔۔۔اللہ رکھی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جس طرح تمہیں ان کے ارادوں کا علم ہو جاتا ہے میں نے خفگی سے کہا۔

اسی طرح انہیں بھی تمہارے ارادوں کا علم ہو جاتا ہوگا۔

انکی نظریں کھلی ہیں کیا۔ اللہ رکھی نے پوچھا۔ اور میں ہونقوں کی طرح اس کا

منہ تکنے لگا.... کیونکہ اس کا یہ جملہ میری سمجھ سے باہر تھا۔

اچھا.... اللہ رکھی نے میری سادگی پر زور سے ہنستے ہوئے کہا.... رات کو تمہیں ان کی حقیقت بتادوں گی.... پھر وہ صوفہ سے اٹھتے ہوئے بولی.... اب تم بھی آرام کرو۔

اس کے بعد وہ تیزی سے ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔ اور میں بھی سیٹر پر لیٹ گیا۔

○

انکشافات

اللہ رکھی کیا تھی۔ میں شروع میں اسے نہیں سمجھ سکا.... وہ حقیقت میں کیا تھی۔ مجھے بہت بعد میں معلوم ہوا پہلے میری ملاقات اس سے ڈرامائی انداز میں ہوئی تھی ... پھر.... اب کافی عرصہ بعد میں اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ لیکن اب میرا ارادہ اسے قتل کر دینے کا تھا۔ مجھے اس کے قتل پر ان لوگوں نے اکسایا تھا جو کسی تخریبی تنظیم سے تعلق رکھتے تھے .... اللہ رکھی کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن میرا سابقہ تو اللہ رکھی سے تھا.... اور میں صرف اسے ایک معمولی سے جھاڑ پھونک والی عاملہ سمجھتا تھا

بہرحال .... میں اس کے گھر پہنچ گیا تھا۔ اور اس وقت ڈرائنگ روم میں بیٹھا رات ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

○

سورج مغرب میں چھپ چکا تھا - اور رات کی سیاہی نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا.... صوفہ اتنا آرام دہ تھا کہ بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آ گئی .... نجانے کیا وقت ہو گا جبکہ خود بخود میری آنکھ کھل گئی میں نے گھبرا کا آنکھیں کھول دیں اور صوفہ پر سنبھل کر بیٹھ گیا .... میں نے دیکھا کہ اللہ رکھی بھی سامنے صوفہ پر "مراقبہ" میں بیٹھی ہوئی ہے ... مجھے نیند سے بیدار ہو کر صوفہ پر سنبھل کر بیٹھتے

دیکھ کر اس نے بھی آنکھیں کھول دیں ..... مجھے اس وقت ..... اس کا چہرہ نہایت ہی حسین اور دلکش نظر آ رہا تھا.... لیکن یہ حسن نہیں تھا بلکہ نور تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا چہرہ تابناک ہو رہا تھا۔

تم بیدار ہو گئے۔

ہاں مجھے نیند آ گئی تھی۔ میں نے جواب دیا۔

اب تو بیدار ہو گئے ہو.... اس نے معنی خیز لہجہ میں کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے اپنی قریبی ٹیبل سے ایک موٹی سی البم اٹھائی اور اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے بولی ... تم تماشا دیکھنے کے لیے تیار ہو۔

تماشا... کیسا تماشا... میں نے پوچھا۔

تم اپنے دوست ڈاکٹر ڈیوڈ ' ہیرا لال اور الم وانگ کے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہو گے... اس نے پوچھا۔

آپ نہیں سمجھ سکتے کہ ان تینوں کے نام اللہ رکھی کے منہ سے سن کر میری کیا حالت ہوئی... اس کے پاس نجانے کونسا جادو تھا۔ یا... جن تھا۔ جس کے ذریعے اسے ان لوگوں کا نام تک معلوم ہو گیا تھا... میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

میری باتوں پر حیرت زدہ ہونے کی بجائے سمجھنے کی کوشش کیا کرو.... اس نے نرم لہجہ میں کہا... پھر البم میں سے ایک فوٹو نکال کر بولی .... میرے پاس آؤ۔

میں صوفہ سے اٹھا۔ اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا

فوٹو میری نظروں کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا.... یہی وہ لوگ ہیں نا۔ جنھوں نے تمھیں مجھے قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

میں نے دیکھا کہ اس فوٹو میں ڈاکٹر ڈیوڈ ' ہیرا لال اور الم وانگ ایک ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے۔ .... میں نے سر ہلا کر تصدیق کر دی۔

○

فوٹو کی تصدیق ہو جانے کے بعد ..... اللہ رکھی نے مجھے اپنے سامنے والے صوفہ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور جب میں بیٹھ گیا تو وہ قریب کھسک آئی .... اس نے اپنا دایاں ہاتھ میری پیشانی پر رکھ دیا .... اور فوٹو میری نظروں کے سامنے کرتے ہوئے بولی ..... دیکھو یہ ڈاکٹر ڈیوڈ ' ہیرا لال اور الم وانگ ہیں جنھوں نے تمھیں مجھے قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

میری نگاہیں فوٹو پر جمی ہوئی تھیں ... لیکن اب وہاں فوٹو نہیں تھا۔ بلکہ ڈاکٹر ڈیوڈ ' ہیرا لال اور الم وانگ کرسیوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ اور اللہ رکھی کی آواز کمرہ میں گونج رہی تھی... ڈیوڈ ! تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو حیرت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں .... میں اللہ رکھی بول رہی ہوں۔

میں نے دیکھا کہ وہ تینوں یہ جملہ سنتے ہی گھبرا کر..... کرسیوں سے کھڑے ہو گئے۔ اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے... اللہ رکھی کی آواز دوبارہ گونجی ... ڈیوڈ ! میں نے تمھیں بار بار اللہ کے نظام میں دخل اندازی سے باز رکھنے کی کوشش کی .... لیکن ..... تم ٹیلی پیتھی اور ہپناٹزم سیکھ کر ..... اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے۔

تم سامنے کیوں نہیں آتیں .... ڈاکٹر ڈیوڈ نے بوکھلا کر کہا۔

اب میرے سامنے آنے کا وقت گزر چکا ہے .... اللہ رکھی نے جواب دیا۔

تم سامنے آؤ ... ڈیوڈ اسی طرح بولا ... ہم مصالحانہ گفتگو کر سکتے ہیں۔

ہر کام کا وقت ہوتا ہے ڈیوڈ.... اللہ رکھی نے کہا .... میں نے تم سے کہا تھا .... کہ چالاکی اور استدراج چھوڑ دو ... لیکن تم نہیں مانے ..... اب مجھے بڑی سرکار نے اختیار دے دیا ہے کہ تمھیں دوسری دنیا میں منتقل کر دوں ۔

نہیں .... نہیں ... ڈاکٹر ڈیوڈ چلایا ... میں کہیں نہیں جانا چاہتا۔

تمھارے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے .... اللہ رکھی نے ٹھوس لہجہ میں کہا .... اور اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر ڈیوڈ نے اپنا سینہ پکڑ لیا۔

اللہ رکھی نے ایک کنکر اٹھا کر پھینکا تھا جو کہ اس کے سینہ پر لگا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا سینہ پکڑ لیا .... اسے دل کا شدید دورہ پڑا تھا .... اسے زمین پر گرتا دیکھ کر ہیرا لال اور الم وانگ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑائے ..... اللہ رکھی ہمیں معاف کر دے.... ہمیں معاف کر دے۔

تم دونوں .... اللہ رکھی تند و تیز لہجہ میں بولی .... کل صبح تک اپنے اپنے ملکوں کو روانہ ہو جانا۔

بالکل ایسا ہی ہو گا.... ان دونوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔

آؤ خان !.... واپس چلتے ہیں .... اللہ رکھی نے سرگوشی کی .... اور اس کے ساتھ ہی میری پیشانی سے ہاتھ ہٹا لیا ..... میں کمرہ میں موجود تھا۔ اور اللہ رکھی فوٹو دوبارہ البم میں لگا رہی تھی۔

○

میں ابھی تک اس "کرامت" پر حیران تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا ... اور .... کس طرح ہو گیا۔

اللہ رکھی.... میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا .... کیا واقعی ڈاکٹر ڈیوڈ مر گیا ہو گا۔

تمھیں اپنے ذہن سے شک و شبہ نکال دینا چاہیے.... اس نے البم ایک جانب رکھتے ہوئے جواب دیا۔

یہ ... یہ .... کونسا علم تھا...میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا .... تم ...... بڑی سرکار کا ذکر کر رہی تھیں۔ یہ کونسا نظام ہے؟

یہ آسمانی نظام ہے ..... اس نے جواب دیا ... پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی ...... یہ نظام ہمارے دنیاوی دفتروں جیسا ہوتا ہے۔

کیا تم مجھے اس نظام سے روشناس کرا سکتی ہو .... میں نے پوچھا۔

کیوں نہیں .... پھر وہ ایک الماری کی جانب بڑھتے ہوئے بولی .... تم چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اس کے اس جواب سے میرا حوصلہ بڑھا۔ اور میں نے کہا .... تم مجھے یہ علم سکھا دو۔

یہ تمھاری صلاحیتوں اور مجھ سے وفاداری پر منحصر ہے .... اس نے میری بات کاٹی .... اور الماری میں البم رکھ کر اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔

میں تیار ہوں .... میں نے جواب دیا۔

تم مجھے صرف جھاڑ پھونک والی تو نہیں سمجھو گے ... اس نے تمسخر سے

پوچھا۔

میں پہلے تو تمھیں یہی کچھ سمجھتا تھا..... میں نے حوصلہ سے کہا .... لیکن آج کی واردات دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ تم وہ نہیں ہو' جو نظر آتی ہو۔

پھر کیا ہوں..... اس نے شرارت سے پوچھا۔

تم علم کا بیش بہا خزانہ ہو.... میں نے تحسین آمیز لہجہ میں کہا۔

خدا کا شکر ہے.... وہ مسکرائی .... تم نے مجھے جلد ہی پہچان لیا.... ورنہ تو تم ڈاکٹر ڈیوڈ کے چکر میں پڑے رہتے۔

ڈاکٹر ڈیوڈ..... مجھے جیسے یاد آگیا... یہ کونسا علم جانتا تھا۔

کچھ بھی نہیں جانتا تھا.....اس نے لاپرواہی سے کہا.... اس نے کہیں سے ہپناٹزم اور تھوڑا جادو سیکھ لیا تھا۔ جس کے بل پر لوگوں کو بے وقوف بناتا تھا۔

لیکن تمھارے پاس یہ کونسا علم ہے..... میں نے پوچھا....

یہ علم مراقبہ اور مرشد کی توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ رکھی نے بتایا۔

مراقبہ.... میں نے اچنبھے سے پوچھا۔

ہاں - مراقبہ ... اس نے میرے الفاظ کو دہرایا ... اسے ذہنی یکسوئی بھی کہتے ہیں۔

میں اسے خالی نظروں سے دیکھنے لگا... مراقبہ .... ذہنی یکسوئی... یہ الفاظ میرے لیے اجنبی تھے۔

○

جب اللہ رکھی نے دیکھا کہ میں کچھ بھی نہیں سمجھ پایا ہوں.... تو مسکرا کر

بولی ..... تم نے بہت سے لوگوں کے بارے میں سنا ہو گا کہ وہ مافوق الفطرت طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں۔

میں نے اقرار کے انداز میں سر ہلایا.... اس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا.... دراصل اس ساری کائنات میں سب سے زیادہ عجیب اور حیرت انگیز چیز یہ انسان ہے۔

انسان..... میں اسے پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

تم حیران ہو .... اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا ... حالانکہ انسان خود اپنے وجود پر غور نہیں کرتا .... یہ پانچ فٹ لمبا دو پایا لامحدود طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔

تم کیا کہہ رہی ہو؟

میری بات غور سے سنو .... اللہ رکھی نے پیار سے ڈانٹا .... جو لوگ خود کو پہچان لیتے ہیں وہ بے پناہ طاقتوں کے مالک ہو جاتے ہیں۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا ... میں نے پوچھا.... کہ جادو وغیرہ بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔

جادو کوئی الگ نہیں ہے .... اللہ رکھی نے بتایا ... جادو اور دیگر تمام پراسرار طاقتیں خود انسان کے وجود میں پوشیدہ ہیں۔

اس..... ایک بار پھر حیرت میں میرے منہ سے نکلا۔

تم بار بار حیرت زدہ ہو جاتے ہو..... اللہ رکھی نے کہا ..... اگر تم خود اپنے وجود کو پہچان لیتے تو .....

اپنے وجود کو کس طرح پہچانا جا سکتا ہے .... میں نے مسکرا کر پوچھا۔

یہ مشکل کام ہے .... اللہ رکھی نے کہا .... خود کو پہچان لینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں .... جو لوگ خود کو پہچان لیتے ہیں اللہ انھیں اپنے نظام میں شامل کر لیتا ہے .... اور دنیا والے انھیں ولیوں کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی خود کو پہچاننا چاہے تو کس طرح پہچان سکتا ہے ... میں نے بھولے پن سے پوچھا۔

اللہ نے انسان کی ہیت سب جانداروں سے جدا بنائی ہے .... اللہ رکھی نے جواب دیا .... انسان کے یوں تو تمام اعضاء ہی حیرت انگیز ہیں۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اس کی کھوپڑی ہے۔

کھوپڑی... میں ہنسا ... کھوپڑی میں کیا حیرت والی بات ہے۔

یہی تو وہ نادانی ہے ... اللہ رکھی نے کہا ... جسے ہر شخص کرتا ہے ... کوئی شخص اپنی کھوپڑی کی طرف توجہ نہیں دیتا ہے ... حالانکہ ہڈیوں کے اس صندوق میں اللہ نے طاقت کا وہ خزانہ محفوظ کر رکھا ہے۔جسے اگر انسان اپنے تصرف میں لے آئے تو زمین و آسمان اس کی مٹھی میں آسکتے ہیں۔

یہ تو تم نے کچھ عجیب سی بات بتائی ہے ... میں نے غیر یقینی لہجہ میں کہا۔

تم سمجھنے کی کوشش کرو .... اللہ رکھی نے اپنا آنچل درست کرتے ہوئے کہا .... انسان کی تمام پر اسرار طاقتوں کا سرچشمہ "دماغ" ہے۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا ... میں نے پوچھا ... کہ دماغ ہی سب کچھ ہے اور اللہ کچھ بھی نہیں ہے۔

یہ بھی تم نے خوب کہی .... اس نے میری بات پر ہلکا سا قہقہہ لگایا ارے یہ دماغ ہی تو ہے جو انسان کو اللہ کی پہچان کراتا ہے۔ اور جب انسان اللہ کو پہچان لیتا ہے تو پھر انسان نہ صرف اللہ کے احکامات وصول کرتا ہے بلکہ ان پر عمل بھی کرتا ہے .... اور پھر اس کی ہر جنبش اللہ کے تابع ہوتی ہے۔

ایسا کس طرح ممکن ہے .... میں نے تعجب سے پوچھا۔

اس کے لیے ذہنی یکسوئی حاصل کرنا ضروری ہے ... اللہ رکھی نے جواب دیا .... اور ذہنی یکسوئی "مراقبہ" کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

تم نے پھر پہلی والی بات کہی ہے۔ میں نے قدرے چڑ کر کہا ... لیکن یہ نہیں بتایا کہ مراقبہ ہے کیا۔

مراقبہ کیا ہے .... اللہ رکھی نے صوفہ کی پشت سے کمر لگاتے ہوئے کہا .... اللہ تعالیٰ نے اپنی قرب اور اپنا عرفان حاصل کرنے کے لیے ضابطے بنائے ہیں .... اس میں دو باتیں بہت اہم اور ضروری ہیں ... اول "قائم کرو صلوۃ اور ادا کرو زکوۃ" .... قرآنی پروگرام کے یہ دونوں اجزاء "نماز اور زکوۃ" روح اور جسم کا وظیفہ ہیں۔

وظیفہ سے تمہاری کیا مراد ہے... میں نے پوچھا۔

حضور اکرم علیہ الصلوۃ و السلام کا ارشاد ہے ... اللہ رکھی نے خلاء میں دیکھتے ہوئے کہا.... کہ تم نماز میں مشغول ہو' تو یہ محسوس کرو ... کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یا۔ یہ محسوس کرو کہ ہم اللہ تعالی کو دیکھ رہے ہیں۔

اس کا مطلب کیا ہوا۔

اس ارشاد کی تفصیل پر غور کرنے سے ... اللہ رکھی نے کہا.... یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ نماز میں اعضاء کی حرکت جسم کا وظیفہ ہے .... اور ذہن کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا روح کا وظیفہ ہے۔

روح کا عرفان کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے..... میں نے پھر پوچھا۔

اس کے لیے ضروری ہے .... اللہ رکھی نے جواب دیا ... دنیاوی دلچسپیوں میں سے وقت نکال کر ذہن کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی طرف متوجہ رکھا جائے .... اس طرح ایک نقطہ پر توجہ کو مرکوز کرنے کا نام "مراقبہ" ہے۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا ...... میں نے قدرے وثوق سے کہا .... مراقبہ کرنے والا شخص ہر طرف سے توجہ ہٹا کر ایک ذات اقدس و اکبر سے ذہنی رابطہ قائم کر لے۔

بالکل .... بالکل..... اللہ رکھی نے تائید کی ..... حضور اکرمؐ نے اعلان نبوت سے بہت پہلے عارضی طور پر دنیاوی دلچسپیوں سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اور غار حرا میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں کو ایک ذات "اللہ" کی جانب متوجہ کر دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں آپ "روح" سے واقف ہو گئے تھے۔

اچھا.... میں نے تعجب سے کہا۔

جب کسی بندے کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے ..... اللہ رکھی نے خلاء میں دیکھتے ہوئے کہا .... تو اس کے اوپر سے مفروضہ حواس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ اور وہ "مراقبہ" کی کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں اس پر کائنات کے راز منکشف ہونے لگتے ہیں۔

بہت خوب ..... میں نے تعریف کی .... لیکن تم نے ابھی تک اپنے اس علم کی توجیہہ بیان نہیں کی جس کے ذریعہ تم نے ......

......ڈاکٹر ڈیوڈ اور اس کے ساتھیوں کو کیفر کردار تک پہنچایا .... اللہ رکھی نے جیسے میرے دل کی بات کہہ دی .... پھر وہ صوفہ پر پہلو بدل کر بولی ..... میرے پاس جو کچھ بھی ہے۔ "مراقبہ" کی بدولت ہے۔

کیا میں مراقبہ سیکھ سکتا ہوں ..... میں نے بالکل غیر متوقع طور سے پوچھا۔

تم ..... اس نے میرے سراپا پر بھرپور نظر ڈالی ..... تم کیوں نہیں سیکھ سکتے ... انسان چاہے تو کیا نہیں کر سکتا۔

اگر یہ بات ہے تو ...... میں نے اشتیاق سے کہا .... تم مجھے مراقبہ کرنے کا طریقہ بتا دو۔

بڑا ہی آسان طریقہ ہے .... وہ مسکرائی .... تم نماز شروع کر دو .... لیکن شرط یہ ہے .... اس نے تنبیہہ والے لہجہ سے کہا ... کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نماز اس طرح ادا کرو گے۔ گویا اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

واہ .... واہ .... میں نے اس کا مذاق اڑایا .... اگر نماز مراقبہ کا طریقہ ہے تو میں نے کئی ایسے اشخاص کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، جن کی پیشانیوں پر سجدہ کے نشان ہوتے ہیں۔

وہ صرف نماز "پڑھتے" ہیں .... اللہ رکھی نے تحمل سے جواب دیا .... وہ نماز ادا کر کے اللہ پر احسان جتاتے ہیں۔ حالانکہ نماز مراقبہ کی بہترین اور افضل شکل

ہے .... لیکن نمازی ' نماز کو صرف فرض سمجھ کر اس طرح ادا کرتا ہے ...... جس طرح کسی انسان پر بوجھ لاد دیا گیا ہو- اور وہ اسے اتار کر سمجھتا ہے کہ اس نے اپنا حق ادا کر دیا ہے-

بات تو تم صحیح کہہ رہی ہو .... میں نے تائید کی -

جو لوگ اس طرح نماز پڑھتے ہیں .... اللہ رکھی نے سنجیدگی سے کہا .... وہ اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ ضائع کر دیتے ہیں-

ضائع کر دیتے ہیں ...... میں نے پیشانی پر بل ڈال کر پوچھا-

ہاں ...... اس نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا .... میں نے اکثریت ایسے لوگوں کی دیکھی ہے جنھوں نے بالغ ہوتے ہی نماز شروع کر دی- اور زندگی کے آخری ایام تک اس کے پابند رہے ..... لیکن ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جسے عرفان الٰہی حاصل ہوا ہو-

اس کی یہ بات معقول تھی .... واقعی میں نے سینکڑوں ایسے لوگوں کو دیکھا تھا جو کہ پابندی سے نماز ادا کرتے تھے ..... لیکن ہمیشہ اس شک و شبہ میں رہتے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی نماز قبول کرے گا یا نہیں-

اس کے علاوہ ..... اللہ رکھی نے مجھے خاموش دیکھ کر قدرے غصہ سے کہا .... لوگ نماز ' جنت حاصل کرنے کے لالچ میں پڑھتے ہیں .... قرب الٰہی کے طلبگار نہیں ہوتے .... وہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے ..... جب کہ قرب الٰہی کے لیے ضروری ہے کہ بندہ اللہ کا شکر ادا کرے- اور اس کے لیے اسی حدیث نبویؐ پر عمل کرنا ضروری ہے ' جس میں ارشاد ہے ..... کہ تم صلوۃ قائم کرو- اس

طرح گویا اللہ تعالیٰ تمھیں دیکھ رہا ہے- یا- یہ ...... کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو ..... جب اس خیال کے مطابق بندہ نماز میں مشغول ہو جاتا ہے تو پھر اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی- اور وہ خود کو اللہ کے سامنے پاتا ہے .... مراقبہ کی یہی وہ حقیقت ہے جسے "مومن کی معراج" کہا جاتا ہے-

اللہ رکھی نے بات بڑے ہی پتے کی بتائی تھی .... جس حدیث کا اس نے ذکر کیا تھا ' وہ بارہا میری نظروں سے گزری تھی ... میں نے کئی مذہبی لوگوں (مولویوں) سے بھی یہ حدیث سنی تھی- لیکن وہ اس حدیث کی تشریح کچھ اس طرح کرتے تھے- جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ...... کہ جب نماز پڑھنے کھڑے ہو تو پاک اور باوضو ہونا ضروری ہے- کیونکہ اس وقت نمازی اللہ کے حضور میں ہوتا ہے .... لیکن اللہ رکھی نے جو تشریح بتائی تھی ' وہ ان سب سے مختلف تھی- اور میرے ذہن نے اسے قبول کر لیا تھا-

تم آج ہی سے نماز شروع کر دو .... چند ثانیہ بعد اللہ رکھی نے کہا .... اور جس طرح میں نے بتایا ہے اسی طرح سے نماز ادا کرو-

اتنا کہہ کر وہ صوفہ سے اٹھتے ہوئے بولی ..... رات کافی گزر چکی ہے- مجھے تو خیال نہیں رہا .... پھر اس ڈرائنگ روم سے ملحقہ ایک کمرہ کی طرف اشارہ کیا ..... یہ تمھارا کمرہ ہے-

اچھا شب بخیر- اس نے دایاں ہاتھ اٹھا کر بڑے ہی پیار سے الوداع کہا- اور ڈرائنگ روم کے باہر چلی گئی .... اس کے جانے کے کچھ دیر بعد تک میں بیٹھا رہا .... پھر میں اپنے کمرہ کی طرف چل دیا- مجھے بھی نیند آ رہی تھی-

○

میرے لیے جو کمرہ مخصوص کیا گیا تھا اس میں ضروریات زندگی کی ہر شے موجود تھی ... اس کمرہ میں ایک دروازہ اور ایک ... کھڑکی بھی تھی۔ کیونکہ رات کافی گزر چکی تھی۔ اس لیے میں نے ہوا کی خاطر کھڑکی کھول دی ..... باہر چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اور اس چاندنی میں تاحد نگاہ قبریں ہی قبریں دکھائی دے رہی تھیں ..... میں نے اپنا واہمہ سمجھا۔ اور آنکھیں مل کر کھڑکی کے باہر غور سے دیکھنے لگا ..... یہ واقعی قبرستان تھا۔ جس میں جا بجا بے ترتیبی سے قبریں ہی قبریں تھیں ... کوئی کوئی قبر پکی تھی۔ قبروں پر کیے گئے نیلے پیلے اور سفید رنگ صاف نظر آ رہے تھے .... بعض قبروں کے سرہانے "پیلو" کے درخت بھی اگے ہوئے تھے.... اور بعض کے سرہانے سدا بہار کی بیلیں تھیں' جو کہ اب گنجان جھاڑیاں بن چکی تھیں ..... قبرستان میں پرہول سناٹا چھایا ہوا تھا..... البتہ کبھی کبھی کسی پرندہ کے بولنے یا پر پھڑپھڑانے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

میں کھڑکی میں کھڑا سوچ رہا تھا .... کہ مضافات کی یہ بستی ..... شہر کے باہر آباد کی گئی ہے اور اللہ رکھی کا یہ مکان قبرستان کے کنارے پر واقع ہے ..... ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا۔ اور قبرستان کے پرہول سناٹے سے لطف اندوز ہو ہی رہا تھا کہ اچانک ایک گرجدار آواز سنائی دی ..... شمیم تم کہاں ہو ..... کہاں ہو تم .....

یہ آواز آسمانی بجلی کی طرح کڑکتی ہوئی بلند ہوئی۔ اور سناٹے کو چیرتی ہوئی اسی میں گم ہو گئی۔

میں نے سوچا ..... یہ کون ہے جو قبرستان میں کسی شمیم کو آواز دیتا پھر رہا ہے ....

پہلے تو مجھے خیال آیا کہ یہ کوئی شخص ہے' جو اپنی گمشدہ شمیم کو آواز دے رہا ہے - لیکن دوسرے ہی لمحہ ..... قبرستان کے ویرانہ نے یاد دلایا کہ اس شہر خموشاں میں شمیم تو منوں مٹی کے نیچے سو رہی ہو گی۔ اور اس کا یہ محبوب ..... یہ دیوانہ ..... طلب صادق کے جذبہ میں سرشار اسے پکارتا پھر رہا ہے..... اس خیال کے بعد ..... میں نے کھڑکی بند کر دی۔ اور وہاں سے ہٹ کر مسہری کے پاس آ گیا.... سونے کی خاطر میں نے لباس تبدیل کیا۔ اور کمرہ کا برقی بلب بجھا کر بستر پر لیٹ گیا .... ابھی مجھے بستر پر لیٹے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک بار پھر وہی کڑک دار آواز سنائی دی ..... شمیم تم کہاں ہو ..... کہاں ہو تم ..... اس دفعہ آواز قریب سے سنائی دی ..... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص "شمیم" کو آواز دیتا ہوا ..... میرے کمرہ کی کھڑکی کے قریب سے گزرا ہے ..... میں اس شخص کو دیکھنے کی خاطر جلدی سے اٹھا۔ اور لپک کر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا ..... میں نے جلدی سے کھڑکی کھولی۔ اور اطراف میں نظریں دوڑانے لگا ..... لیکن وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا ..... ہر جانب چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اور پرہول سناٹا چھایا ہوا تھا۔

یہ آواز کیسی تھی ..... یہ کون ہے جو قبرستان میں آوازیں دیتا پھر رہا ہے ..... پھر وہ اتنی جلدی کہاں غائب ہو گیا۔

میں بھوت پریت پر یقین نہیں رکھتا ..... لیکن اس وقت ..... قبرستان میں گونجنے والی اس آواز نے میرے یقین کو متزلزل کرنا شروع کر دیا تھا ..... میں بزدل نہیں ہوں۔ اور نہ ہی سفلی خیالات کا حامل ہوں .... لیکن اس پراسرار آواز نے مجھے پریشان کر دیا تھا..... اور ابھی میں اس کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا .....

کہ وہی آواز ' دور بہت دور سنائی دی .... معلوم ہوتا تھا ..... کہ آواز دینے والا قبرستان کے آخری کنارے پر پہنچ گیا ہے۔ یا پھر..... قبرستان کے باہر چلا گیا ہے۔

○

دیوانہ

میں کھڑکی کھول کر قبرستان کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ایک کڑک دار آواز سنائی دی ..... شمیم تم کہاں ہو ..... کہاں ہو تم۔ بستر پر سونے سے قبل مجھے یہ آواز پھر سنائی دی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آواز دینے والا قبرستان کے آخری کنارے پر پہنچ گیا ہے..... یہ آواز کیسی ہے ..... آواز دینے والا کون ہے۔ میرے ذہن میں اس شخص کے بارے میں جستجو پیدا ہوئی۔ اور اس جستجو کے نتیجہ میں ...... میں نے کھڑکی بند کی۔ اور دروازہ پر پہنچ گیا..... میرا ارادہ تھا کہ دروازہ کھول کر باہر نکلوں اور قبرستان میں جا کر اس شخص کو تلاش کروں .....جو شمیم کی خاطر بے چین تھا ..... مضطرب تھا ..... میں اس کی بے چینی کا سبب جاننا چاہتا تھا ..... ابھی میں نے دروازہ کی چٹخنی کھولی ہی تھی کہ کمرہ میں ایک آواز گونجی .... ٹھہرو۔ میں نے اس آواز کے ساتھ ہی گھوم کر دیکھا وہی چاق و چوبند نوجوان ڈرائنگ روم کی جانب کھلنے والے دروازہ کے درمیان میں کھڑا تھا۔

خان .... وہ میری جانب بڑھتے ہوئے بولا .... اس آواز کے تعاقب میں جانا بیکار ہے۔

کیوں ......

یہ آواز ایک دیوانہ کی ہے ...... اس نے بتایا۔

لیکن ...... لیکن...... یہ دیوانہ قبرستان میں کیوں آوازیں دیتا پھرتا ہے ....

میں نے پوچھا۔

ادھر آؤ۔ بتاتا ہوں .... اس نے اشارہ سے اپنے قریب بلایا۔ اور جب میں مسہری پر بیٹھ گیا۔ تو وہ سنجیدگی سے بولا .... اصل بات تو خدا ہی بہتر جانتا ہے..... مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ شمیم نام کی کوئی عورت اس کی محبوبہ تھی۔ جس سے یہ شادی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن شادی سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا..... وہ یہیں کہیں دفن ہے۔ اور یہ عشق کا مارا..... اسے راتوں کو آوازیں دیتا پھرتا ہے۔

اللہ رکھی، اس کا علاج کیوں نہیں کر دیتی..... میں نے طنزیہ کہا۔

وہ ہر کام "وقت" پر کرتی ہے..... نوجوان نے جواب دیا۔ پھر وہ تسلی آمیز لہجہ سے بولا۔ اب تم آرام کرو۔ اور اس آواز کے چکر میں نہ پڑو۔

اس کی بات سن کر مجھے سکون سا آگیا۔ اور پھر..... میں بستر پر سونے کی خاطر لیٹ گیا۔

○

دوسرے دن..... جب میں بیدار ہوا تو سورج سر پر چڑھ آیا تھا..... میں بستر سے اٹھا۔ اور ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد نہانے کے لیے غسل خانہ میں چلا گیا.... غسل سے فارغ ہو کر جونہی میں اپنے کمرہ میں داخل ہوا تو اللہ رکھی کا چاق و چوبند نوجوان نوکر ناشتا ٹرے میں لئے ہوئے داخل ہوا۔ اس نے ناشتا ایک چھوٹی سی میز پر رکھ دیا۔ اور ادب سے کھڑا ہو گیا..... میں نے سنگھار میز کے سامنے جا کر پہلے اپنے بالوں کو خشک کیا۔ پھر ان میں خوشبو دار تیل ڈالا اور کنگھا

کر کے ناشتا کے لیے بیٹھ گیا۔

میں نے کیتلی سے چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے پوچھا..... اللہ رکھی نے ناشتا کر لیا۔

جی ہاں..... اس نے مختصر سا جواب دیا۔

اور تم نے..... میں نے دوبارہ پوچھا۔

میں بھی کر چکا ہوں۔

اچھا بیٹھ جاؤ۔ کھڑے کیوں ہو..... میں نے پوچھا۔

وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا..... اس کے بیٹھتے ہی میری رگ شرارت پھڑکی۔ اور میں نے توس چائے کے ساتھ کھاتے ہوئے پوچھا..... یار ایک بات تو بتاؤ..... یہ اللہ رکھی سے تمہارا کیا تعلق ہے۔ وہی جو ایک "آقا" اور "غلام" کا ہوتا ہے..... اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

چھوڑو یار..... میں نے مزاحیہ لہجہ سے کہا.... اس صدی میں "آقا" اور "غلام" کہاں۔

جی..... وہ چونکا۔

سچ..... سچ..... بتاؤ..... میں نے شرارت سے دائیں آنکھ دبا کر پوچھا..... تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے۔

اجی۔ کیا بات کرتے ہیں..... اس کے چہرہ پر پہلے سے زیادہ سنجیدگی پھیل گئی ..... اس کے بارے میں تو میرے ذہن میں کوئی غلط بات آ ہی نہیں سکتی۔

اس کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے مجھے شک گزرا کہ ضرور کوئی بات ہے۔ لہٰذا

اسے کریدنے کی خاطر بولا ...... بھئی تم اتنے خوبصورت ہو۔ اور اللہ رکھی بھی خوبصورت ہے۔ پھر شادی کیوں نہیں کر لیتے۔

خوبصورت تو وہ ہے ..... نوجوان نے شرما کر نگاہیں نیچی کرتے ہوئے کہا ..... میں اس کے حسن پر ہی عاشق ہو گیا تھا۔

پھر...... میں نے تجسس سے پوچھا۔

پھر کیا ..... وہ مسکرایا ..... اس کا "باطن" اس کے ظاہر سے زیادہ حسین ہے۔ لہٰذا میں غلام بن کر رہ گیا۔

اس کی یہ بات سن کر مجھے برسوں پہلے ...... اللہ رکھی کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی ...... جب کہ میں نے اس خوبصورت نوجوان کے بارے میں پوچھا تھا۔ اور ..... اس نے بتایا تھا ..... کہ یہ جن ہے۔ اس نوجوان کی شخصیت کے یاد آتے ہی مجھے ...... اس کا اللہ رکھی پر عاشق ہونا صحیح معلوم ہوا...... کیونکہ اللہ رکھی نے بھی شروع میں اس کا تعارف کراتے ہوئے یہی بتایا تھا..... کہ خوبصورت ہونے کی وجہ سے کئی انسان لڑکیاں اس پر عاشق ہو جاتی تھیں .....اور یہ اپنی خوبصورتی کا فائدہ اٹھا کر انھیں خوب ستاتا تھا ...... لیکن اب ...... جب سے یہ اللہ رکھی کا عاشق ہوا تھا۔ سدھر گیا تھا۔

O

میرے سامنے اس وقت کوئی خوبصورت نوجوان "انسان" نہیں بیٹھا تھا ..... بلکہ ایک خوبصورت "جن" بیٹھا ہوا تھا..... میرے جسم میں خوف کی ایک لہر سی اٹھی ..... لیکن پھر اس خیال کے ساتھ ہی ختم ہو گئی کہ یہ جن ہے تو کیا ہوا

......ہے تو اللہ رکھی کے قبضہ میں۔

میں نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے پوچھا ..... تمھارا نام کیا ہے۔

شمرال ..... اس نے اپنا نام بتایا۔

تم رہنے والے کہاں کے ہو ..... میں نے اس طرح پوچھا، جیسے کسی انسان سے اس کا وطن مالوف پوچھا جاتا ہے۔

مجھے بتانے کی اجازت نہیں ہے ..... اس نے جواب دیا۔

میں سمجھ گیا کہ جن ہونے کے ناطے اللہ رکھی نے اسے ٹھکانہ بتانے سے منع کر دیا ہو گا ..... ناشتا ختم کر کے میں نے بات کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا ...... اللہ رکھی کہاں ہے۔

وہ لوگوں سے مل رہی ہے ...... اس نے برتن سمیٹتے ہوئے جواب دیا..... جب تک حاجتمند رخصت نہیں ہو جاتے۔ تمھارا ملنا مشکل ہے۔

ٹھیک ہے ..... میں نے کہا ..... جب سب لوگ چلے جائیں تو مجھے بتا دینا۔

بہت اچھا ..... اس نے جواب دیا۔ اور ٹرے اٹھا کر میرے کمرہ سے باہر چلا گیا ..... اب میں کمرہ میں اکیلا تھا ..... تنہائی سے اکتا کر..... میں نے سوچا ..... کہ قبرستان ہی کی سیر کر لی جائے - یہ سوچ کر میں نے دروازہ کھولا۔ اور باہر آ گیا ..... یہ ایک وسیع و عریض قبرستان تھا...... جس میں قبروں کے درمیان جا بجا "پیلو" بیری اور نیم کے درخت قبروں کے آس پاس اور سرہانے کھڑے تھے۔ میں نے دیکھا کہ قبرستان کے درمیان میں ایک بڑے سے بیری کے درخت کے نیچے لوگوں کا مجمع لگا ہوا ہے ..... میں نے سوچا کہ شاید یہ کوئی میت ہے۔ اور لوگ

اسے دفنانے کے لیے آئے ہیں ...... یہ سوچ کر میں بھی قبروں کو پھلانگتا ہوا ' اس مجمع کی جانب چل دیا۔

○

میں قریب پہنچا تو عجیب منظر دیکھا ..... ایک شخص پھٹے پرانے لباس میں بیری کے درخت سے پیٹھ لگائے بیٹھا تھا۔ اس شخص کے سر اور داڑھی کے بال اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ اس کے خدوخال اور عمر کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ اس شخص کی نگاہیں فضا میں مرکوز تھیں۔ اور وہ دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے فضا میں کچھ لکھتا تھا۔ اور پھر اسے مٹا دیتا تھا ..... اور پھر..... لکھتا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں اس کی انگشت شہادت کے ساتھ ساتھ حرکت کرتی تھیں اور مجمع میں موجود جو بھی شخص اس عبارت میں اپنا حل سمجھ لیتا تھا ..... وہ عقیدت سے اس کے پاؤں کو چھوتا تھا۔ اور پھر پھل ' مٹھائی یا نقدی کی صورت میں نذرانہ پیش کر کے خوشی خوشی لوٹ جاتا تھا..... اس شخص کے قریب ہی ایک اور عمر رسیدہ شخص بیٹھا تھا ..... جو کہ ..... کبھی کبھی ..... فضا میں لکھی ہوئی عبارت پڑھ دیتا تھا ..... اور حاجت پوری ہونے والے کا نذرانہ وصول کر کے ایک جانب رکھ دیتا تھا ..... میں دیر تک کھڑا اسے دیکھتا رہا...... آہستہ آہستہ مجمع کم ہونے لگا..... اب صرف گنتی کے چند لوگ ہی رہ گئے تھے۔ کہ اس کے قریب بیٹھا ہوا عمر رسیدہ شخص مجھ سے مخاطب ہوا۔ بچہ ! جو کچھ مانگنا ہے باباجی سے مانگ لے ..... میں یہ سن کر خاموش رہا ..... کیونکہ میری کوئی خواہش ' کوئی تمنا نہیں تھی ..... مجھے خاموش دیکھ کر وہی شخص دوبارہ بولا ..... بچہ تو نہیں جانتا ..... بابا بہت پہنچے ہوئے بزرگ

ہیں ..... ہر وقت اللہ سے لو لگائے رکھتے ہیں۔

میں پھر کچھ نہیں بولا۔ مجھے خاموش دیکھ دوسرے حاجت مند آگے بڑھے۔ اور اس شخص کے پیر دبانے لگا ..... اس حواس باختہ شخص نے چند منٹ کے بعد دوبارہ فضا میں انگشت شہادت سے لکھنا شروع کر دیا ..... جب سب لوگ چلے گئے تو وہ شخص آنکھیں بند کر استغراق میں ڈوب گیا۔ اور میں نے اس کے ساتھی سے پوچھا ..... یہ باباجی ' فضا میں کیا لکھتے ہیں۔

تو نہیں سمجھا بچہ ..... اس شخص نے اپنی لال لال آنکھوں سے مجھے گھورا ..... میں نے انکار کے انداز میں سر ہلا دیا ..... میری نادانی پر اس نے ایک زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ..... بچہ! بابا جی ..... اللہ سے باتیں کرتے ہیں۔ اور جس مسئلہ کا حل انھیں بتا دیا جاتا ہے۔ وہ انگشت شہادت سے فضا میں لکھ لیتے ہیں۔ اور اس طرح سائل کو اپنے مسئلہ کا حل مل جاتا ہے۔ یہ سن کر میں نے سوچا ..... کہ یہ شخص کوئی بہت بڑا "ولی اللہ" ہے ..... اور اس سے بھی کچھ علم حاصل کیا جانا چاہیے اس خیال کے آتے ہی میں نے اس عمر رسیدہ شخص سے کہا ..... تم بابا جی سے کہہ کر مجھے بھی کوئی علم دلوا دو ..... اس شخص نے مٹھائیوں کے ڈبے ' پھل اور نقدی ایک گٹھری میں باندھتے ہوئے جواب دیا ..... بچہ ! یہ تو بڑا ہی مشکل کام ہے۔

پھر بھی تم سفارش تو کر کے دیکھو..... میں نے اصرار کیا۔

اس شخص نے نذرانوں کی گٹھری ایک ہاتھ میں پکڑی۔ اور اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ اچھا بچہ! تو کہتا ہے تو سفارش کر دوں گا..... باقی فقیر کی مرضی۔

اس کے بعد ..... اس شخص نے قریب پڑا ہوا کمبل اٹھایا۔ اور "باباجی" کے
اوپر ڈال دیا۔ باباجی بیری کے درخت سے کمر لگائے ..... گردن جھکائے حالت
مراقبہ میں تھے ..... وہ شخص قبرستان کے باہر جانے والی پگڈنڈی کی طرف جاتے
ہوئے بولا ..... بچہ! اب تم بھی جاؤ ..... باباجی "مراقبہ" میں چلے گئے ہیں۔ اس
کے بعد وہ شخص قبرستان کے باہر کی جانب چل دیا .....اور میں بھی واپس اپنے
کمرہ میں آ گیا۔

○

مجھے "اللہ رکھی" کے ساتھ رہتے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا۔ اس عرصہ میں
میری اس سے بہت کم ملاقات ہوتی تھی ..... لوگ صبح سے اس کے پاس اپنے
مسائل کا حل معلوم کرنے آ جاتے تھے..... دوپہرہ تک وہ لوگوں کے "مسائل"
حل کرتی تھی ..... اس کے بعد .... اگر اس کا دل چاہتا۔ تو مجھ سے ملنے چلی آتی۔
یا۔ پھر اپنے ملازم کے ذریعہ ڈرائنگ روم میں بلا لیتی تھی ..... مجھے ایک بات
کھٹکتی تھی ..... اللہ رکھی نے کبھی مجھے اس ڈرائنگ روم سے آگے نہیں بڑھنے
دیا..... حالانکہ اس بنگلہ نما مکان میں کئی کمرے تھے۔ اس کے باوجود اس نے کبھی
اپنی خواب گاہ۔ یا۔ کسی اور کمرہ میں نہیں بلایا...... اور اگر اس کی غیر موجودگی
سے فائدہ اٹھا کہ میں اندرونی کمروں کی جانب جانے کی کوشش کرتا تو شمرال یا اللہ
رکھی اسی کمرہ کے دروازہ سے مسکراتے ہوئے نمودار ہو جاتے۔ اور مجھے ڈرائنگ روم
میں بٹھا کر باتیں کرنے لگتے تھے ..... میں نے کئی دفعہ اس شخص کا بھی ذکر کیا، جو
کہ قبرستان میں قیام پذیر تھا۔ اور لوگ اسے "ولی اللہ" سمجھتے تھے...... میں نے

جب بھی اس شخص کا ذکر کیا .... اللہ رکھی سنی ان سنی کر دیتی ۔ یا۔ پھر اسے "
دیوانہ" کہہ کر بات کا رخ موڑ دیتی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ..... قبرستان میں مقیم اس شخص کے گرد ہر
وقت عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔ اس کے ذریعہ لوگوں کی مرادیں پوری
ہوتی ہیں .....اور جن لوگوں کی مرادیں پوری ہو جاتی تھیں۔ وہ اس کے حضور
میں نذرانے پیش کرتے تھے..... دنیا کے پریشان حال لوگ .....اس کے گرد ادب
سے گردن جھکائے بیٹھے رہتے تھے ..... اور اسے بہت پہنچا ہوا "ولی" سمجھتے تھے
..... لیکن اللہ رکھی اسے ایک دیوانہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی۔

پھر مجھے خیال ہوا کہ یہ کہیں "روحانی" رقابت تو نہیں ہے ..... میں سمجھتا تھا
کہ جس طرح ہم پیشہ لوگ ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں ..... اسی طرح اللہ
رکھی بھی قبرستان میں مقیم ولی اللہ سے حسد کرتی ہے اور اسے "دیوانہ" کہتی ہے
..... اللہ رکھی کے ان حاسدانہ جذبات ۔یا۔ رویہ کو دیکھتے ہوئے میں نے سوچا کہ
یہاں رہ کر وقت خراب کرنے سے تو بہتر ہے کہ اس ولی کے قدموں میں وقت
گزارا جائے۔

○

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ .... میرے ذہن میں یہ خیال پختہ ہوتا چلا گیا
.....میرے دل میں .....قبرستان والے ولی کی محبت و عقیدت بڑھنے لگی ..... مجھے
اللہ رکھی نے نماز پڑھنے کی ہدایت کی تھی۔ اور اسے "مراقبہ" کا بہترین ذریعہ قرار
دیا تھا..... لیکن دلچسپ بات یہ تھی ..... کہ میں جب بھی نماز ادا کرنے کے لیے

کھڑا ہوتا تھا..... دنیاوی خیالات کا ایک طوفان ہوتا تھا جو کہ میرے ذہن پر چھایا رہتا تھا..... میں بار بار ذات الٰہی کی جانب متوجہ ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن خیالات کی یلغار اتنی شدید ہوتی تھی کہ ذہن بھٹک جاتا تھا۔

بالآخر..... میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا..... کہ اگر نماز "مراقبہ" ہے تو یہ بڑا ہی مشکل مراقبہ ہے۔ جو کہ میرے بس کا نہیں ہے..... اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک خیال اور آیا..... کہ کہیں اس طرح اللہ رکھی مجھ سے پیچھا تو نہیں چھڑانا چاہتی ہے..... اس طرح میرا دل نماز سے اچاٹ ہونے لگا..... میں کبھی کبھی نماز پڑھنے لگا..... اور سوچتا تھا کہ..... قبرستان والا ولی اچھا ہے کہ نہ خود نماز پڑھتا ہے اور نہ ہی اپنے عقیدت مندوں کو نماز کی تلقین کرتا ہے.....اور پھر بھی اللہ کا محبوب ہے..... اللہ اس کی سنتا ہے..... انہی سفلی خیالات نے مجھے اللہ رکھی سے بدظن کرنا شروع کر دیا۔ اور میں اس موقع کی تلاش میں رہنے لگا..... کہ اللہ رکھی سے دل کی بات کہوں۔ اور اس سے رخصت ہو کر قبرستان والے "ولی اللہ" کے پاس جا بیٹھوں۔ لیکن اس کا موقع ہی نہیں آیا۔

○

ایک شام..... جب کہ سورج نے مغرب کی سمت اپنا سفر شروع کر دیا تھا..... نیلے آسمان پر کالی گھٹاؤں نے امڈنا شروع کر دیا..... ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اور میں نے اس بھیگی ہوئی ہوا سے لطف اندوز ہونے کی خاطر قبرستان کی جانب کھلنے والا دروازہ کھول دیا..... میرے سامنے ہی پرانی جگہ پر..... بیری کے درخت کے نیچے وہی "ولی اللہ" بیٹھا تھا۔ اور لوگ اس کے گرد حلقہ بنائے

ادب سے بیٹھے تھے..... اس شخص کی انگشت شہادت متواتر..... فضا میں تحریر لکھنے میں مصروف تھی..... میں بڑی ہی حسرت و یاس سے اسے دیکھ رہا تھا..... کہ اچانک اللہ رکھی کمرہ میں داخل ہوئی..... اور مجھ سے بولی۔ کیا دیکھ رہے ہو خان۔

میں اس کی آواز پر چونکا۔ اور اس کی طرف پلٹ کر بولا..... موسم دیکھ رہا تھا۔

جھوٹ کیوں بولتے ہو خان..... اس نے میری مسہری پر بیٹھتے ہوئے کہا..... اس دیوانہ کو دیکھ رہے تھے میں نے اقرار میں سر ہلایا۔

اللہ رکھی نے مسکراتے ہوئے کہا..... تم اسے کوئی بہت پہنچا ہوا بزرگ سمجھتے ہو..... تمہارے دل میں اس کے لیے محبت ہے..... عقیدت ہے..... حالانکہ وہ صرف اور صرف دیوانہ ہے۔

تم یہ بات کس طرح کہہ سکتی ہو..... میں نے اعتراض کیا..... اگر یہ محض دیوانہ ہوتا' تو لوگ اس کے گرد جمع نہ ہوتے۔

لوگوں کا کیا ہے..... اللہ رکھی نے تمسخر سے کہا..... لوگ تو دیوانوں کو..... ولی اللہ..... قطب..... ابدال..... اور..... مجذوب سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ انہیں خود اپنی خبر نہیں ہوتی۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ رکھی نے ان خیالات کا اظہار عوام الناس کے بارے میں کیا ہے لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا' جیسے اس نے مجھے کہا ہے..... میں نے اپنا شک دور کرنے کی خاطر کہا..... اگر یہ صرف دیوانہ ہے' تو اس کی دعا

کیوں قبول ہو جاتی ہے ..... یہ لوگوں کے مسائل کس طرح حل کر دیتا ہے۔

یہ کسی کے مسائل نہیں حل کرتا ..... اللہ رکی نے بتایا ..... یہ تو اپنی محبوبہ کے عشق میں اس قدر دیوانہ ہے کہ فضا میں اسے خط لکھتا رہتا ہے۔ اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے مسائل کا حل بتا رہا ہے۔ پھر وہ اس کی تحریر سے اپنے مطلب کی بات نکالتے ہیں۔ اور خوش خوش لوٹ جاتے ہیں۔

یہ تم کیا کہہ رہی ہو ..... میں نے قدرے تعجب سے کہا ..... تمہارا خیال غلط بھی ہو سکتا ہے۔

میرا خیال غلط ہو سکتا ہے ..... اللہ رکھی نے مجھے گھورا ..... تمہارے ذہن میں اب بھی شک و شبہ رہتا ہے؟

یہ تم نے بات ہی ایسی کہی ہے ..... میں نے اصرار آمیز لہجہ سے کہا..... تم ایسے شخص کو دیوانہ ....

اللہ رکھی نے میری بات کاٹی ..... اور دیوانہ کو دیوانہ ہی کہنا چاہیے اگر یہ دیوانہ ہے۔ تو ......

تم سے زیادہ میں اس شخص کے بارے میں جانتی ہوں ...... اللہ رکھی نے ایک بار پھر میری بات کاٹی۔ اور پھر دائیں ہاتھ کی کہنی بستر پر ٹکا کر بولی ...... یہ سچا عاشق ہے۔ اور اپنی محبوبہ کی تلاش میں عرصہ سے ان ویرانوں میں بھٹکتا پھر رہا ہے۔

اچھا...... میں نے قدرے حیرانگی سے کہا۔

میری بات کے جواب میں اللہ رکھی نے بستر پر سر ٹکا دیا۔ اور دروازہ کے باہر

آسمان پر نظریں دوڑانے لگی۔

○

باہر آسمان پر کالے بادل جمع ہو چکے تھے۔ اور وہ اتنے زیادہ گہرے تھے..... کہ ان کی وجہ سے زمین پر اندھیرا سا پھیل گیا تھا..... گہرے بادلوں کے درمیان کبھی کبھی آسمانی بجلی بھی چمک جاتی تھی..... جو کہ بارش کا پیش خیمہ تھی۔

میں نے اللہ رکھی کو خاموش دیکھ کر کہا..... تم چپ کیوں ہو گئیں ..... تم تو اس شخص کے بارے میں بتا رہی تھیں۔

ہاں ..... تو میں بتا رہی تھی ..... اللہ رکھی نے ایک گہری سانس لے کر کہا...... میں عرصہ سے اس شخص کو اس قبرستان میں بھٹکتا ہوا دیکھ رہی ہوں .... یہ شخص راتوں کو اپنی محبوبہ کا نام لے کر بھی پکارتا ہے۔

میں نے راتوں کو اس کی آواز سنی ہے ..... میں نے تائید کی۔

جب یہ بھٹکتے بھٹکتے تھک جاتا تھا..... اللہ رکھی نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بتایا ..... تو کسی شکستہ قبر کے سرہانے لیٹ کر سو جاتا تھا.... کوئی راہ گیر ادھر سے گزرتا تو اسے رحم کی نگاہوں سے دیکھتا اور بیدار کر کے کچھ کھلانے پلانے کی کوشش کرتا ..... وہ نہ تو کسی سے سوال کرتا تھا۔ اور نہ ہی کسی کے گھر جاتا تھا۔

کمال ہے ..... میں نے تعجب سے کہا۔

اس سے بھی زیادہ کمال کی بات یہ ہے ..... اللہ رکھی نے مسکراتے ہوئے کہا .....کہ قبرستان میں آنے والے لوگ اسے "ولی اللہ" سمجھنے لگے۔

بے اختیار میرے منہ سے نکلا ..... یہ کس طرح ممکن ہے۔

سنتے رہو ..... اللہ رکھی نے مجھے ٹوکا..... جہاں کم علم لوگ ہوتے ہیں۔ وہاں ایسے ہی دنیا کے ستائے ہوئے لوگوں کو پہنچا ہوا فقیر.... یا ..... مجذوب مشہور کر دیتے ہیں ..... دنیاوی خواہشوں کے مارے ہوئے لوگوں نے اس کے گرد جمع ہونا شروع کر دیا .... اور یہ دیوانہ جسے اپنا ہی ہوش نہیں ہے .... اپنی دھن میں انگشت شہادت سے فضا میں لکھتا رہتا ہے۔

لیکن اس کی تحریروں کا کچھ مطلب تو ہو گا..... میں نے پوچھا۔

کیا مطلب ہو گا ..... اللہ رکھی نے جیسے الٹا مجھ سے ہی پوچھا۔ پھر سمجھانے والے لہجہ میں بولی ..... جس شخص کو اپنا ہی ہوش نہیں ' وہ دنیا کے لوگوں کے مسائل کا کیا حل کرے گا.... پھر وہ حسب معمول مسکرا کر بولی۔ تم نے اس کا حلیہ دیکھا ہے ..... داڑھی ' مونچھوں اور سر کے بال ایک ہو گئے ہیں ..... ہاتھ پیروں میں دھول اٹی رہتی ہے۔

لیکن اس کے چہرے پر تو جلال کی وہ کیفیت رہتی ہے۔ جو پیروں اور فقیروں کے چہروں پر رہتی ہے .... میں نے یہ کہہ کر گویا اس کی تمام باتوں کی تردید کر دی۔

یہ جلال نہیں ہے ..... اللہ رکھی نے بتایا .... وہ اپنی محبوبہ کی گمشدگی سے پریشان ہے ..... اس کے چہرہ پر غم و غصہ کے تاثرات ہیں۔ اور یہ ان تاثرات کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ اپنی محبوبہ سے خیالوں میں باتیں کرتا رہتا ہے .... اور فضا میں پیغام لکھتا رہتا ہے۔

اگر تمہاری باتوں کو سچ مان لیا جائے .... تو تم اس دیوانہ کا علاج کیوں نہیں کرتیں۔

اللہ نے ہر کام کا وقت مقرر کر دیا ہے .... اللہ رکھی نے جواب دیا .... اور اب .... وقت آگیا ہے .... کہ اس کا علاج کر دیا جائے۔

اللہ رکھی کے آخری الفاظ کے ساتھ ہی آسمان پر اس زور سے بجلی کڑکی کہ ہم دونوں ہی اپنی جگہ پر اچھل گئے۔

○

اللہ رکھی مسہری پر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اور مسلسل باہر کی طرف دیکھ رہی تھی .... آسمان پر بجلی زور زور سے کڑک رہی تھی۔ اور اس کی بازگشت اتنی دیر تک رہتی تھی کہ بات نہیں کی جا سکتی تھی.....اب ہر طرف تاریکی پھیلنا شروع ہو گئی تھی ..... کہ اچانک وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے بوسیدہ سا کمبل بدن پر لپیٹا۔ اور ایک جانب چل دیا۔ اس کے معتقدوں نے پیچھے آنے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے اپنی دبنگ آواز میں سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا..... اللہ رکھی کی نگاہیں بدستور اس پر جمی ہوئی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا.... کہ کوئی غیر مرئی طاقت اسے کہیں لیے جا رہی ہے.... آسمان پر بجلی پہلے سے زیادہ زور سے چمکنے لگی ..... جس سے تھوڑی دیر کے لیے تاریکی میں روشنی پھیل جاتی تھی .... مغرب کی جانب سے تیز ہوا کے جھکڑ بھی چلنا شروع ہو گئے .... وہ دیوانہ وار قبرستان کے آخری سرے کی طرف جا رہا تھا اور اللہ رکھی کی نگاہیں بدستور اس کے تعاقب میں تھیں .... میں نے دیکھا کہ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے تکے جا رہی

تھی۔ اور اس وقت اس کی آنکھیں پہلے سے کہیں زیادہ روشن تھیں۔

دیوانہ قبرستان کے آخری سرے پر پہنچ کر اس طرح رک گیا' جیسے اسے کسی نے پکڑ لیا ہو .... وہ چند منٹ کھڑا سوچتا رہا .... اس کے ساتھ ہی آسمان کے سوتے کھل گئے۔ اور وہ قبرستان میں اندر کی طرف بھاگا۔ رات بے حد تاریک اور سرد ہو گئی تھی۔اور بارش بھی موسلا دھار ہونے لگی تھی..... مجھے تاریکی کی وجہ سے باہر قبرستان میں کچھ بھی نہیں نظر آ رہا تھا...... لیکن اللہ رکھی کی نظریں اب بھی اسی طرح قبرستان کی طرف لگی ہوئی تھیں جیسے اسے سب کچھ نظر آ رہا ہو .... جب آسمان پر بجلی چمکتی تو مجھے لمحہ بھر کے لیے وہ دیوانہ نظر آ جاتا ..... وہ کبھی دوڑتا ہوا کسی پیلو کے درخت کی آڑ میں کھڑا ہو جاتا اور کبھی بیری کے ......

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بارش کے پانی سے بچنے کی خاطر پناہ کی تلاش میں ہے ..... حالانکہ اس کی یہ بے چینی اور اضطراب کسی اور وجہ سے تھا..... بارش اتنی تیز اور موسلا دھار ہو رہی تھی کہ چند منٹوں ہی میں قبرستان جل تھل ہو گیا۔ اور اس دیوانہ کی پانی میں بھاگنے کی آواز سنائی دے رہی تھی..... وہ پانی میں بھیگتا ہوا ' اور ٹھنڈ سے کانپتا ہوا پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگتا رہا..... نجانے کتنی بار وہ ٹھوکریں کھا کر زمین پر گرا ..... پھر دوڑنے لگا۔

○

آخر کار ..... اللہ رکھی نے مجھ سے کہا ..... خان! کمرہ کا بلب جلا دو۔

میں اس کے حکم کی تعمیل میں اٹھا۔ اور اندازہ سے دیوار کے پاس پہنچ کر بجلی کا سوئچ دبا دیا .... سوئچ دباتے ہی کمرہ میں روشنی پھیل گئی۔ ابھی میں کرسی پر بیٹھنے

بھی نہیں پایا تھا کہ کیچڑ میں لت پت اس دیوانہ کو دروازہ پر کھڑا دیکھا۔

دیوانہ کو دیکھتے ہی اللہ رکھی نے نہایت ہی دلکش آواز میں کہا .... اندر آ جاؤ نجم خان۔

دیوانہ نے گھور کر اللہ رکھی کو دیکھا۔ اور اس کی آنکھوں میں خوف جھلکنے لگا۔ ..... اللہ رکھی اس سے دوبارہ مخاطب ہوئی ..... ڈرو نہیں نجم خان! ..... بے خوف ہو کر اندر چلے آؤ۔

اس آواز کو سن کر نجانے اس دیوانہ نجم کو کیا ہوا۔ وہ تیزی سے کمرہ میں داخل ہوا۔ اور اللہ رکھی کے قدموں میں سر رکھ کر زور زور سے رونے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رو رو کر اپنے سینے کا بوجھ ہلکا کر رہا ہو۔

○

شمیم

نجم خان، اللہ رکھی کے قدموں میں سر رکھے رو رہا تھا۔ اور میں حیرت سے کبھی اسے ا[illegible]بھی اللہ رکھی کو دیکھ رہا تھا۔ اللہ رکھی کی آنکھیں ہیرے کی طرح چمک رہی تھیں اور اس کے چہرہ پہ جلال و جبروت کی بجلیاں سی کوند رہی تھیں ...... جب اسی طرح اسے روتے ہوئے دیر ہو گئی تو اللہ رکھی نے بڑی ہی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ نجم خان! کیا تم خدا کی رحمت سے مایوس ہو گئے ہو۔

یہ سن کر نجم خان نے آنسوؤں سے تر اپنا چہرہ اٹھایا۔ اور کپکپاتی آواز سے بولا۔ شاید میرے لیے در رحمت بند ہو گیا ہے۔

مایوسی ۔ کفر ہے نجم خان! اللہ رکھی نے بڑے ہی میٹھے لہجہ میں کہا۔ اس کی رحمت تو سورج کی مانند ہے جو بغیر کسی امتیاز کے ہر شے پر پڑتی ہے۔

آپ ..... آپ ...... آپ پر تو میرا سب حال روشن ہے حضور! نجم خان نے کہا..... میں برسوں سے شمیم کی خاطر اس قبرستان کی خاک چھان رہا ہوں۔

تم نے اب تک صرف خاک چھانی ہے..... اللہ رکھی نے جواب دیا ...... اس کے لیے کوشش نہیں کی۔

حضور ...... نجم خان نے دوبارہ اس کے قدموں میں جھکتے ہوئے کہا ...... اس کی خاطر میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں ..... سب کچھ۔

تم مرد ہو ...... اللہ رکھی نے اسے قدموں سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ حوصلہ سے کام لو۔

حضور ..... آپ کو تو سب علم ہے ..... نجم خان نے اس کے پاؤں پکڑے پکڑے کہا..... میں نے حوصلہ نہیں ہارا۔ لیکن اب کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

ہر کام کے لئے وقت متعین ہے۔ اللہ رکھی نے سمجھایا ..... اور اب "وقت" آگیا ہے..... اب تمھاری ہر تدبیر کامیاب ہو گی۔

تو پھر مجھے بتایئے میں کیا کروں.... نجم خان نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

ایسے نہیں ..... اللہ رکھی مسکرائی ..... پہلے تم اپنی داستان الم سناؤ۔

مجھے کیوں شرمندہ کرتی ہیں ...... نجم خان نے اسی طرح ہاتھ جوڑے جوڑے کہا ..... آپ کو تو سب علم ہے میں اپنی ناپاک زبان سے کیا بیان کروں۔

نہیں نجم خان ..... نہیں ...... اللہ رکھی نے سنجیدگی سے کہا ...... ہم عالم غیب نہیں ہیں تم اپنی بپتا خود بیان کرو .... ہمیں تو صرف اللہ نے لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے مقرر کیا ہے ..... اب جب تک تم اپنا مسئلہ نہیں بتاؤ گے۔ میں اس کا حل کس طرح بتا سکتی ہوں۔

یہ سن کر نجم خان سنبھلا......جیسے وہ اپنی بپتا سنانے کے لیے تیار ہو .... یہ دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب والی کرسی پر بٹھا لیا۔

مجھے سب سے زیادہ تعجب اس بات پر تھا..... کہ جسے میں "ولی اللہ" سمجھ رہا تھا، وہ تو حقیقت میں کچھ بھی نہ تھا...... اللہ رکھی کی بات کس قدر سچی تھی .....

میں اسے عقیدت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

○

باہر آسمان پر بادل گرج رہے تھے۔ اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ایسے ماحول میں نجم خان نے آہوں اور سسکیوں کے درمیان اپنی کہانی سنائی۔ جو کچھ یوں تھی ...... یہ آج سے تقریباً" پانچ برس قبل کی بات ہے۔ جب کہ میں دریائے سندھ کے کنارے آباد ایک چھوٹے شہر...... کے وڈیرہ ..... کے گھر میں منشی کی حیثیت سے ملازم تھا...... یہ وڈیرہ کوئی غیر نہیں تھا بلکہ میرا سگا چچا تھا۔

جب میں چھ سات برس کا تھا تو گاؤں میں طاعون پھیلا۔ اور ہر جانب موت کا سایہ چھا گیا۔ طاعون نے میرے ماں باپ کو بھی نگل لیا..... اور پھر..... پھر میں اپنے چچا کے پاس آگیا۔ چچی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنے پیچھے پانچ سال کی بچی "شمیم" کو بطور نشانی چھوڑ گئی تھی ..... چچا کی شہر کے اطراف میں سینکڑوں ایکڑ اراضی تھی۔ اور وہ اس شہر کا سب سے بڑا رئیس مانا جاتا تھا۔ شہر کے آخری سرے پر اس کی بڑی سی دو منزلہ حویلی تھی۔ جس میں نیچے کے کمروں میں ملازم رہا کرتے تھے۔ اور اوپر ہم تینوں رہتے تھے۔ یہ حویلی بڑی ہی خوبصورت تھی۔ اس کے ایک جانب دریا تھا۔ دوسری جانب ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے کھیت تھے اور تیسری جانب سے پورا شہر نظر آتا تھا۔

میں اور شمیم اس حویلی میں کھیل کود کر جوان ہوئے۔ اور اسی حویلی کی چار دیواری میں ہماری محبت پروان چڑھی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک، چچا نے مجھے ماں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ وہ جتنی محبت اپنی بیٹی سے کرتا تھا، اتنی

ہی محبت مجھ سے کرتا تھا۔ جوان ہونے کے بعد اس نے مجھے اپنی تمام زمینوں اور کاروبار کا نگران مقرر کر دیا۔ لیکن میں نے اپنی حیثیت کبھی بھی منشی سے زیادہ نہیں سمجھی۔

○

میرے چچا کی عمر ڈھلنے لگی تھی۔ اور اس عمر میں انھیں دو چیزوں کا بہت زیادہ شوق ہو گیا تھا..... ایک تو اچھی نسل کے گھوڑے پالنے کا..... اور دوسرے قیمتی سے قیمتی ہیرے جواہرات جمع کرنے کا..... ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے دور دراز سے گھوڑوں کے سوداگر اور جوہری ہر وقت مجمع لگائے رہتے تھے..... اس شوق کے باوجود وہ شمیم کی تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال رکھتے تھے...... شمیم جوان کیا ہو گئی، جیسے قیامت آگئی نجم خان نے خلاء میں دیکھتے ہوئے کہا..... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شمیم اس کے سامنے کھڑی ہو .... وہ سترہ سال کی نہایت ہی معصوم اور حور پیکر دوشیزہ تھی ۔ نجم خان نے پرنم آنکھوں سے اس کا حلیہ اور حسن بیان کیا..... اس کے کتابی چہرہ پر ہر وقت حیا کی سرخی چھائی رہتی تھی۔ اس کی غزالی آنکھیں، اور گلاب کی پنکھڑیوں کی مانند تراشے ہوئے ہونٹ اس کے حسن کو اور زیادہ اجاگر کرتے تھے .... وہ جب پلکیں اٹھا کر کسی کو دیکھتی تھی تو پتھر بھی اپنی جگہ پر موم ہو جاتا تھا..... اس کے یاقوتی لبوں سے ایک دلکش نغمہ پھوٹتا تھا...... اس کے حسن کی شہرت پر لگا کر اڑی اور رشتے داروں کے علاوہ قرب و جوار کے بڑے بڑے وڈیرے، رئیس اور نواب اس کی خواستگاری کرنے لگے..... لیکن میرا چچا سمجھتا تھا کہ ابھی اس کی بیٹی کم عمر ہے..... اسے دنیا کی اونچ نیچ کی

خبر نہیں ہے۔ وہ ذرا شعوری طور سے پختہ ہو جائے تو پھر اس کی شادی کے بارے میں سوچا جائے۔ یہی خیال کر کے اس نے ہر پیغام کو ٹھکرا دیا ...... لیکن اسے کیا خبر تھی کہ اس کی بیٹی کا دل تو کبھی کا گھائل ہو چکا تھا .... ہم دونوں .... نجم خان نے کپکپاتی آواز میں کہا ...... روح کی گہرائیوں سے ایک دوسرے کو چاہتے تھے..... شمیم کی گھڑ سواری کی تربیت کا ذمہ دار میں ہی تھا۔ اور ہم دونوں گھنٹوں دریا کے کنارے گھوڑوں پر بیٹھے سیر کرتے رہتے تھے۔

○

تم نے کبھی اپنی محبت کے انجام کے بارے میں سوچا۔ اچانک اللہ رکھی نے پوچھا۔

شروع میں ..... نجم خان نے بتایا..... میں نے کئی بار کوشش کی کہ دل اس کی طرف مائل نہ ہو ..... میں نے کئی بار اس کے خیال کو ذہن سے نکال دینا چاہا۔ لیکن .... اس کا حسن ..... اس کی چاہت ...... میرے دل میں عشق بن گئی ...... حالانکہ میں جانتا تھا کہ میرا ..... چچا..... شہر کا سب سے بڑا رئیس ہے۔اور وہ اپنی بیٹی کا رشتہ بھی اپنی ہی جیسی حیثیت والے سے کرے گا .... اس حسین لڑکی کے لیے اونچے اور مالدار گھرانوں کے لڑکوں کی کمی نہ تھی ..... پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ نازو نعم میں پلی ہوئی اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدے گا۔ جبکہ میں اپنی آسائش زندگی کی ہر چیز کے لیے چچا کا محتاج تھا..... یہ بات الگ تھی کہ وہ مجھ سے باپ کی طرح بے پناہ پیار کرتا تھا۔

مجھے اپنی حیثیت کا شدت سے احساس تھا..... نجم خان نے سنجیدگی سے بتایا

..... لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شمیم کی محبت زیادہ سے زیادہ میرے دل میں پیدا ہوتی چلی گئی ..... یہی حال اس کا تھا۔ میرے سراپا کے اوپر چھا گئی۔ میرا دل اس کی خیالی تصویروں کا بت خانہ بن گیا۔اور ہم دونوں نے ایک ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔

یہ عشق صادق تھا...... اللہ رکھی نے مسکرا کر کہا۔

تم ٹھیک کہتی ہو ..... نجم خان نے کہا ..... شمیم میری حیثیت جاننے کے باوجود پکی محبت کرتی تھی ...... اور میں نے اسے حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ محنت و ایمانداری سے کام کرنا شروع کر دیا .... میرا خیال تھا کہ میری خدمت سے چچا خوش ہو جائے گا .... اور ممکن ہے کہ وہ مجھے شمیم کے لیے قبول کر لے۔

○

وہ ایک طوفانی رات تھی ..... آسمان پر شام ہی سے بادل جمع ہونا شروع ہو گئے تھے ..... اور اندھیرا پھیلنے کے بعد موسلا دھار بارش ہونے لگی تھی .... نجم خان نے اس موسم کا نقشہ بیان کیا۔ اور پھر بڑی حسرت سے بولا ..... یہ طوفانی رات ہم دونوں کے لیے بدبختی کا پیغام لے کر آئی تھی۔

وہ کیسے؟..... میں نے بے اختیار پوچھا۔

اس رات بھی ..... نجم خان نے دروازہ کی طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا..... ایسا ہی گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا ...... میرا چچا وڈیرہ زمینوں پر گیا ہوا تھا ..... اور موسم کی شدت کو دیکھتے ہوئے میرا خیال تھا کہ وہ آج رات گھر نہیں آسکے گا..... بارش دیر تک ہونے کی وجہ سے معمولی سی سردی بڑھ گئی تھی .....

شمیم سونے کی خاطر جلد ہی اپنی خوابگاہ میں چلی گئی۔ اور میں چچا کا انتظار کرنے کی خاطر کچھ دیر کے لیے "اوطاق" میں آکر بیٹھ گیا ..... یہ اوطاق اوپر کی منزل پر دریا کے رخ پر بنی ہوئی تھی اور اس کی ایک کھڑکی شہر کی طرف کھلتی تھی۔

میں وقت گزارنے کی خاطر ایک ایسی کتاب دیکھنے لگا جو کہ گھوڑوں سے متعلق تھی.... اس کتاب میں ان کے خواص کے ساتھ ساتھ تصویریں بھی تھیں .... یہ کتاب میرے چچا کو ان کے کسی غیر ملکی دوست نے دی تھی۔

○

ابھی میں اس کتاب میں گھوڑوں کے چند فوٹو ہی دیکھ پایا تھا کہ اپنے عقب میں ہلکی سی چاپ سن کر چونک گیا ..... میرا خیال تھا۔ شاید شمیم کو نیند نہیں آ رہی ہے اور وہ دبے قدموں میرے پاس چلی آئی ہے اس خیال کے آتے ہی میں نے مڑ کر دیکھا۔ اور ہکا بکا رہ گیا۔

وہ کیوں؟.... میں نے پوچھا۔

سنتے رہو ..... نجم خان نے کہا .... شمیم کے بجائے میرے سامنے اوھیڑ عمر کا ایک قوی ہیکل اور ...... کھردرے چہرے والا شخص کھڑا تھا..... اس کے ہونٹ موٹے اور آنکھیں سرخ چمکدار تھیں..... اس نے سر سے پاؤں تک سفید اجرک لپیٹ رکھی تھی ۔ جس پر کہیں کہیں سیاہ دھاریاں بھی تھیں۔ اس شخص کے سر پر سبز رنگ کی پگڑی تھی۔ جس کی کلغی میں سامنے کی جانب ایک بڑا سا قیمتی ہیرا چمک رہا تھا۔ اس شخص کے دائیں ہاتھ میں آبنوس کی ایک خوبصورت سی چھڑی بھی تھی جس کی شام خالص سونے کی بنی ہوئی تھی۔ یہ شخص کون ہے ..... اس

کمرے میں کس طرح آیا ..... یہ تھے وہ سوال جو معا" میرے ذہن میں ابھرے۔

اس شخص سے آنکھیں ملاتے ہی میری کمر میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی .... .میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ اوطاق کا دروازہ بند ہونے کے باوجود یہ شخص اندر کیسے آگیا ..... ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس شخص نے نہایت ہی کرخت آواز میں پوچھا۔

وڈیرہ الن کہاں ہے؟

وہ زمینوں پر گئے ہیں۔ میں نے جواب دیا۔

ہونہہ ..... اس شخص نے قدرے سوچ سے کہا ..... کیا تم انھیں میرا پیغام دے دو گے؟

بالکل جناب .....میں نے ادب سے جواب دیا ..... وہ میرے چچا ہیں۔ اور آپ کا پیغام من و عن ان تک پہنچانا میرا فرض ہے۔

ہونہہ ..... اس شخص نے شعلہ بار آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اور بڑے ہی غرور سے بولا۔ ان سے کہہ دینا۔ دو آبہ کا رئیس "سلاسل خان" آیا تھا۔ اور کل پھر میں اسی وقت آؤں گا۔ پھر وہ میری طرف چھڑی اٹھا کر بولا ..... ان سے کہہ دینا کل کہیں نہ جائیں۔ اور میرا انتظار کریں ...... آخری جملہ ادا کرنے کے ساتھ ہی وہ مڑا ۔ اور نپے تلے قدموں سے چلتا ہوا ...... دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

○

ایک خاص بات جو میں نے محسوس کی .. وہ یہ تھی ..... کہ چلتے وقت مجھے اس کے قدموں کی ذرا سی بھی آہٹ نہیں سنائی دی .... میں چند لمحے تک سکتہ

کے عالم میں کھڑا رہا۔ کیونکہ ایسا پر اسرار شخص میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اچانک فضا میں شمیم کی دلخراش چیخ سنائی دی ...... میں سکتہ سے بیدار ہوا۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر مجھے شمیم کا خیال آیا .....اور میں دوڑتا ہوا اس کی خوابگاہ میں داخل ہوا ..... میرے وہاں پہنچنے سے قبل ہی دو بوڑھی ملازمائیں اور ایک خادم وہاں موجود تھے۔ شمیم اپنی مسہری پر بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے سخت سردی لگ رہی ہے۔ دونوں بوڑھی ملازمائیں اسے بازوؤں سے پکڑے بیٹھی تھیں۔ اور مرد ملازم کھڑا خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کیا ہوا؟ ..... خوابگاہ میں داخل ہوتے ہی میں نے پوچھا۔

نجانے بی بی جی کو کیا ہو گیا ہے۔ ملازم نے اسی طرح خوفزدہ لہجہ میں کہا۔

میں نے یہ سن کر شمیم کی جانب دیکھا ...... اس کا چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا... آنکھوں کی پتلیاں اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں اور گلے سے خر خر کی آواز آ رہی تھی۔ جیسے اس کی سانس اکھڑ چکی ہو .... میں اس کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور قریب سے پانی سے بھرا ہوا گلاس اٹھا کر اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔ دو تین بار ایسا کرنے سے شمیم نے ایک جھرجھری سی لی اور آنکھیں بند کر کے گردن لٹکا لی۔ دونوں ملازماؤں نے اسے آہستہ سے بستر پر لٹایا۔ اور ریشمی لحاف سینہ تک اوڑھا دیا۔ اب اس کی حالت اعتدال پر تھی۔

میں نے ان ملازماؤں سے پوچھا۔ کیا بات ہوئی تھی؟

ایک ملازمہ نے بتایا .... بی بی جی سو رہی تھیں کہ اچانک اٹھ کر بیٹھ گئیں

اور غصہ سے بولیں ... یہ ... کون ہے جو مجھے ستا رہا ہے۔

ابھی ہم ان کی بات سمجھنے کی کوشش ہی کر رہے تھے کہ ان کا بدن اس طرح کانپنے لگا جیسے سخت سردی لگ رہی ہو .... ان کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں اور گلے سے عجیب طرح کی خرخراہٹ نکلنے لگی۔

اجی۔ یہ تو کوئی خطرناک قسم کا دورہ تھا .... مرد ملازم نے سہمے ہوئے لہجہ سے کہا .... اور اس موسم میں تو ڈاکٹر کا ملنا بھی مشکل ہے۔

ابھی تک "رئیس" بھی نہیں آیا .... ایک ملازمہ نے تشویش سے کہا۔

گھبرانے کی کوئی بات نہیں ...... میں نے ان سب کو تسلی دی ..... اب یہ سو رہی ہے ..... میرا اشارہ شمیم کی طرف تھا .... اگر یہ جاگ جائے تو مجھے بلا لینا۔

یہ کہہ کر اور ان سب کو تسلی و تشفی دے کر میں مرد ملازم کو ساتھ لے کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔

○

اب طوفان کا زور کم ہو چلا تھا ..... اس ملازم کا پورا نام تو کچھ اور تھا لیکن میں اسے بچپن سے "مرزا" کے نام سے جانتا تھا .... جب ہم دونوں کرسیوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے تو میرے ذہن میں دو آبہ کے رئیس "سلاسل" کا خیال آیا۔ اور میں نے اس سے پوچھا ..... تم دو آبہ کے رئیس "سلاسل" کو جانتے ہو۔

نہیں جی .... مرزا نے جواب دیا .... میں اس نام کے کسی رئیس کو نہیں جانتا۔

وہ کچھ دیر قبل یہاں آیا تھا..... میں نے اسے بتایا.... وہ کسی کام کے سلسلہ میں چچا سے ملنا چاہتا تھا۔

یہاں آیا تھا..... مرزا نے قدرے تشویش سے کہا...... لیکن میں نے تو صدر دروازہ سے کسی کو آتے نہیں دیکھا۔

کیا کہہ رہے ہو..... میں نے پریشانی سے کہا۔

میں سچ کہہ رہا ہوں..... اس نے پیار سے سمجھایا..... میں نے حویلی میں نہ تو کسی کو آتے دیکھا اور نہ ہی حویلی کے باہر جاتے دیکھا۔

یہ کس طرح ممکن ہے...... میں پریشانی سے بڑبڑایا۔

تمھیں وہم ہوا ہے...... مرزا کا لہجہ پہلے ہی جیسا تھا.... بھلا سوچو تو...... اس طوفانی بارش میں کون اپنے گھر سے نکلتا ہے۔

لیکن یہ میرا وہم نہیں ہے..... میں نے وثوق سے کہا...... دوآبہ کا رئیس یہاں آیا تھا۔ اور اس نے مجھ سے باتیں کی ہیں۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے.... مرزا نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ حویلی کا صدر دروازہ میں نے بارش کے شروع ہوتے ہی مقفل کر دیا تھا.... اگر تمھیں یقین نہیں ہے تو خود چل کر دیکھ لو۔

تو پھر وہ کس طرح یہاں آیا..... میں نے گہری سوچ سے کہا..... وہ کون تھا۔

بیٹا.... مرزا نے شفقت سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر مخاطب کیا......

تمھیں وہم ہو گیا ہے.... تم جانتے ہو کہ حویلی کے صدر دروازہ پر میں برسوں سے مامور ہوں اور میری نگاہوں سے بچ کر تو کوئی پرندہ بھی حویلی میں داخل نہیں ہو

سکتا۔

کیا.... کیا.... اس حویلی میں کوئی خفیہ راستہ یا دروازہ بھی ہے..... میں نے اسی طرح سوچتے ہوئے پوچھا۔ کیسی باتیں کرتے ہو..... مرزا نے میرا مذاق اڑایا..... اگر اس حویلی میں کوئی خفیہ راستہ یا دروازہ ہوتا تو کیا تمھیں اس کا علم نہ ہوتا..... تم تو بچپن سے اس حویلی میں موجود ہو۔

تو پھر وہ کون تھا..... میں نے پریشانی سے کہا۔

تم نجانے کس کی باتیں کر رہے ہو..... مرزا نے تشویش سے کہا..... یہاں کوئی نہیں آیا تھا..... البتہ جب بارش زوروں پر تھی تو میں نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی تھی اور یہ سوچ کر کہ شاید رئیس واپس آ گیا ہے میں نے صدر دروازہ سے جھانک کر دیکھا...... لیکن مجھے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔

خیر چھوڑو ان باتوں کو..... میں نے بوڑھے مرزا کی پریشانی ختم کرنے کی خاطر کہا۔ پھر کھڑکی کے قریب آیا اور باہر فضا میں ہاتھ پھیلا کر بارش کا جائزہ لیتے ہوئے بولا.....بارش ختم ہو گئی ہے۔ اب چچا بھی آنے ہی والے ہوں گے۔

مرزا میری بات کا مطلب سمجھ گیا۔ لہٰذا کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا..... اچھا میں دروازہ پر چلتا ہوں۔

اور پھر.....وہ چلا گیا..... میں کچھ دیر کھڑکی کے پاس کھڑا سوچتا رہا کہ وہ شخص کون تھا جسے صدر دروازہ کے چوکیدار...... مرزا نے نہ آتے دیکھا اور نہ جاتے دیکھا۔ بہرحال وہ کوئی بھی ہو...... مجھے اس کا پیغام اپنے چچا تک پہنچانا تھا...... یہ سوچ کر میں کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔

○

اس رات میرا چچا نہیں آیا ..... نجم خان نے مسلسل اپنی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ دوسرے دن وہ عصر کے وقت آیا اور اس کی وجہ اس نے یہ بتائی .... کہ بارش ہو جانے کی وجہ سے راستہ اس قدر خراب ہو گیا تھا کہ اس کی گھوڑا گاڑی کا چلنا دشوار تھا۔

بہرحال...... میں نے اسے دوآبہ کے رئیس "سلاسل" کے بارے میں بتایا .... میرا چچا یہ سن کر "اوطاق" میں ٹہلنے لگا۔ جیسے وہ اس نام کو ...... اس شخصیت کو یاد کر رہا ہو.........

رئیس دوآبہ "سلاسل" ...... میرے چچا نے ٹہلتے ہوئے کوئی پانچویں بار اس نام کو دہرایا۔

جی ہاں ...... اور میں نے اس بار بھی اس کے نام کی تصدیق کر دی۔

لیکن میں اس نام کے کسی رئیس کو نہیں جانتا .... چچا نے گہری سوچ سے جواب دیا۔ پھر اس نے ایک لمحہ کے لیے رک کر پوچھا ...... کیا حلیہ بتایا تھا تم نے؟

اور میں نے ایک بار پھر اس شخص کا حلیہ دہرا دیا۔ چچا نے مسلسل اسی طرح سوچ میں گم ٹہلتے ہوئے کہا۔

مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اس حلیہ کے شخص سے ملا ہوں .... بالکل یاد نہیں آتا۔

لیکن اس شخص کے انداز سے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ آپ سے اچھی طرح

واقف ہے۔ میں نے جواب دیا۔

ممکن ہے کہ وہ مجھے جانتا ہو۔ اور میں اسے نہ جانتا ہوں۔ چچا نے سنبھل کر کہا...... وہ کس مقصد کے لیے مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔

اس نے یہ نہیں بتایا ..... میں نے کہا .... اس نے آج پھر آپ سے ملنے اور انتظار کرنے کو کہا تھا۔

کل وہ کس وقت آیا تھا ...... چچا نے پوچھا۔

شام کو ...... میں نے اندازاً" کہا .... بارش شروع ہو چکی تھی ..... اور مغرب کا وقت گزر چکا تھا۔

اچھا ..... اچھا...... چچا نے چلا کر کہا ...... مغرب کا وقت بھی ہو چکا ہے۔ ابھی ساری بات کھل جائے گی۔ یہ کہہ کر وہ اس کھڑکی کے قریب چلے گئے جو شہر کی طرف کھلتی تھی۔ اور جھک کر باہر کی جانب دیکھنے لگے۔

○

بالآخر سورج مغرب میں چھپ گیا۔ اور آسمان پر پھیلی ہوئی شفق کی سرخی، سیاہی میں تبدیل ہونے لگی۔ شہر کے وسط میں بنے ہوئے بڑے سے گھنٹہ گھر نے سات بجائے اور اس کے ساتھ ہی میرے چچا نے کھڑکی کے پاس سے ہٹتے ہوئے کہا ..... مغرب کا وقت تو ہو چکا لیکن وہ شخص ابھی تک نہیں آیا۔

اس شخص نے آنے کا تو یہی وقت بتایا تھا ..... میں نے اعتماد سے جواب دیا ..... وہ شخص چال ڈھال اور لباس سے تو معزز رئیس ہی نظر آتا تھا...... اور رئیس کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

ابھی میں نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ یکایک "اوطاق" کا دروازہ بغیر کسی آواز کے کھل گیا۔ اور دوآبہ کا رئیس کل والے لباس ہی میں اندر داخل ہوا...... میں نے یہ خیال کیے بغیر کہ وہ کس طرف سے آیا ہے اپنے چچا کو بتایا .... جناب! دوآبہ کے رئیس تشریف لے آئے ہیں۔

میرے یہ کہتے ہی چچا نے پلٹ کر دیکھا ..... اور ایک دم گم سم ہو گیا .... میں نے قریب کھڑے ہو کر رئیس "سلاسل" کو بتایا ...... یہ ہیں میرے چچا ..... اس شہر کے وڈیرہ الن۔

رئیس سلاسل میرے چچا کے سامنے چند قدم کے فاصلہ پر آکر کھڑا ہو گیا..... اس کی سرخ آنکھیں میرے چچا کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں ...... اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے لحہ بہ لحہ اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی ہے ..... کمرے میں بالکل موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی ..... ایسی خاموشی جس میں صرف سانسوں کی آوازیں آ رہی تھیں ...... قاعدہ کے مطابق آنے والے کو نہ صرف سلام کرنا چاہیے تھا بلکہ میرے چچا کی خیر و عافیت وغیرہ بھی معلوم کرنا چاہیے تھی۔ لیکن اس نے سندھی رسم و رواج کو بالائے طاق رکھ دیا اور چچا سے بڑے ہی دبنگ لہجہ میں بولا ..... مجھے تم سے ایک بہت ہی ضروری بات کرنی ہے۔

میرا چچا اس کی بات سن کر اس طرح چونکا جیسے نیند سے بیدار ہوا ہو۔ اور بڑے ہی ادب سے بولا سائیں ..... آپ بولیں ۔ میں ہر بات سننے کے لیے تیار ہوں۔

اس نے ایک نظر مجھے دیکھا اور بڑے تحکمانہ انداز سے بولا ..... کیا یہ نوجوان قابل اعتماد ہے۔

بالکل .... بالکل ..... میرے چچا نے ادب سے گردن جھکا کر جواب دیا ..... سائیں! کل آپ کی ملاقات اسی سے ہوئی تھی۔ اور اسی نے مجھے آپ کا پیغام پہنچایا تھا۔

میں نے دیکھا.... کہ میرا چچا جو کہ اس شہر کا سب سے بڑا رئیس تھا اور کسی بھی بڑے سے بڑے وڈیرہ یا نواب کو خاطر میں نہیں لاتا تھا' دوآبہ کے رئیس کے سامنے ایک غلام کی طرح مودّب کھڑا تھا۔

چند لمحوں کے اندر اندر اس کی حالت میں ایک عجیب سا تغیر واقع ہو چکا تھا ..... خود میری بھی باطنی حالت یہی تھی۔ دوآبہ کے رئیس کا رعب میرے اعصاب پر بھی چھا چکا تھا۔

سائیں ! تشریف تو رکھیں ..... چچا نے ایک کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ بالکل بادشاہوں کے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور پھر بڑے ہی رعب سے بولا۔ میں چاہتا تو تمھیں اپنے علاقہ میں بلا سکتا تھا۔ لیکن بات کچھ ایسی تھی کہ میں نے خود تمھارے پاس آنا مناسب سمجھا۔

سائیں ! یہ میری خوش قسمتی ہے ..... چچا نے سندھی رسم کے مطابق ہاتھ جوڑ کر کہا ...... آپ کی ہر بات پوری کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

تمھاری تابعداری نے مجھے خوش کر دیا ہے ..... دوآبہ کے رئیس نے اپنی

چھڑی کو انگلیوں سے گھماتے ہوئے بڑے ہی تکبر سے کہا۔

سائیں! آپ حکم تو کریں ..... میرے چچا نے اسی طرح عاجزی سے کہا ..... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس رئیس کے سامنے اس کی تمام اکڑ فوں ختم ہو گئی ہے۔

میں سوچ رہا ہوں ..... بات کہاں سے شروع کروں ..... اس نے بدستور اپنی چھڑی کو گھماتے ہوئے کہا ...... سنا ہے تمہیں ہیرے جواہرات کا شوق ہے ...... اس نے پوچھا۔

سائیں! آپ نے بالکل صحیح سنا ہے ..... میرے چچا نے جواب دیا ..... وہ ابھی تک اس رئیس کے سامنے گردن جھکائے کھڑا تھا۔

اچھا ..... دو آبہ کے رئیس سلاسل نے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنی اجرک کے اندر سے ایک نہایت ہی خوبصورت ہاتھی دانت کا ڈبہ نکالا۔ پھر میرے چچا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا ..... اسے دیکھو اور ...... اپنی رائے مجھے بتاؤ۔

ڈبہ بہت ہی خوبصورت تھا..... میرے چچا نے ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا ..... پھر وہ چند ثانیے اس خوبصورت ڈبہ کو دیکھتا رہا۔

دو آبہ کے رئیس نے اسے حکم دیا .....اسے کھولو.....اور اس حکم کے مطابق جب چچا نے ڈبہ کا ڈھکنا کھولا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

○

لالچی چچا

باہر بارش اور ہوا کا طوفان کم ہو چلا تھا ..... اللہ رکھی بستر پر دائیں ہاتھ کی کہنی کے بل لیٹی بڑے ہی غور سے نجم خان کی کہانی سن رہی تھی ..... نجم خان نے گلا صاف کیا اور بولا ..... ڈھکنا کھولنے کے بعد میرا چچا حیرت سے آنکھیں پھاڑے ڈبہ کو دیکھ رہا تھا ..... ڈبہ نہایت ہی قیمتی ہیروں اور جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی بادشاہ کا خزانہ ہے ..... ڈبہ کے اندر موجود نوادرات کی چمک نہ صرف میرے چچا کے چہرہ پر پڑ رہی تھی بلکہ اطراف کا ماحول بھی اس کی زد میں تھا۔ میں چچا کی پشت پر کھڑا ہو گیا۔ اور اس کے شانوں سے ڈبہ کو دیکھنے لگا۔

خوب ..... بہت خوب۔ چچا نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا ..... بلاشبہ یہ دنیا کے نایاب جواہرات ہیں۔

کیا تم ان کی قیمت دے سکتے ہو ..... دو آبہ کے رئیس سلاسل نے پوچھا۔

نہیں سائیں ..... چچا نے جواب دیا ..... میں اپنی ساری جائیداد اور دولت دے کر بھی اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ پھر اس نے ایک بڑا سا الماس اٹھایا ..... اور حیرت و خوشی سے بولا ..... صرف اس الماس کی قیمت ایک کروڑ روپے سے کم نہیں ہو گی۔

اس کا مطلب یہ ہوا ..... دو آبہ کے رئیس سلاسل نے تحکمانہ لہجہ میں کہا

...... کہ تمہیں ان جواہرات کی قدروقیمت کا اندازہ ہے۔

میرے چچا نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا کہ ان کی قیمت کوئی جوہری ہی لگا سکتا ہے۔

نہیں ...... اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے تکبر سے کہا ...... ہمارا تمہارے پاس آنے کا مقصد یہی تھا کہ ...... ہیرے کی قدر بادشاہ جانتا ہے یا جوہری جانتا ہے۔

میرا چچا خوشی سے ہنستے ہوئے بولا...... سائیں میں جوہری نہ بادشاہ ہوں۔

لیکن ...... جواہرات کی قدر تو جانتے ہو ...... دو آبہ کے رئیس سلاسل نے کہا ...... ہم تمہارے ذوق و شوق کو دیکھتے ہوئے ہی ...... تمہارے پاس آئے ہیں۔

یہ تو آپ کی قدر دانی ہے ...... میری عزت افزائی ہے ...... چچا نے انکساری سے کہا...... جو آپ نے مجھے اس قابل سمجھا۔

میں یہ خزانہ تمہیں دینا چاہتا ہوں ...... دو آبہ کے رئیس سلاسل نے کہا۔

اور اس کے ساتھ ہی میرے چچا کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں ...... وہ خوشی سے دیوانوں کی طرح جواہرات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

○

میرا چچا خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا ...... معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہوش و حواس کھو چکا ہے ...... دو آبہ کا رئیس سلاسل اپنی سرخ آنکھوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا...... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ کہنے سے پہلے سوچ رہا ہے ......

بالآخر ...... جب اس نے اندازہ لگا لیا کہ میرا چچا ان جواہرات کو پانے کی خوشی میں دیوانہ ہو رہا ہے تو اس نے کہا ...... تمہیں اس خزانہ کا مالک بننے کے لئے میری ایک شرط پوری کرنا ہو گی۔

سائیں! میں آپ کی ہر شرط پوری کرنے کو تیار ہوں...... میرے چچا نے ڈبہ کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ تمہیں اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کرنا ہو گا ...... رئیس سلاسل نے کہا۔

یہ الفاظ نہیں تھے۔ پگھلا ہوا سیسہ تھا جو میرے کانوں میں انڈیل دیا گیا تھا ...... ممکن تھا کہ میں بے ہوش ہو کر گر جاتا۔ لیکن میں سنبھلا اور نفرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا ...... اس شخص کے چہرے پر رعونت چھائی ہوئی تھی۔ مجھے اس کی سرخ آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ پھر دوسرے ہی لمحہ میرے ذہن پر خوف نے ڈیرہ جما لیا ...... دو آبہ کے رئیس سلاسل نے میرے چچا سے پوچھا۔

بولو۔ تمہیں یہ شرط منظور ہے۔

سائیں! یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا رئیس میری بیٹی کی تقدیر کا مالک بنے گا ...... چچا نے ڈبہ کو سینے سے لگاتے ہوئے جواب دیا۔

○

چچا کا یہ جواب سن کر مجھے سخت غصہ آیا ...... اگر میرا بس چلتا تو میں اس رئیس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ...... وہ پتھر کے چند چمکدار ٹکڑوں کے عوض میری محبت خریدنے آیا تھا ...... کوئی بھی غیرت مند شخص اس بات کو برداشت

نہیں کر سکتا ...... میں اپنے چچا کے اشارہ کا منتظر تھا ...... کہ وہ حکم دے اور میں اس خبیث کو حویلی سے باہر نکال دوں۔ لیکن لالچی چچا نے اپنی رضا مندی ظاہر کر دی تھی ...... اور اب وہ کہہ رہا تھا ...... سائیں! اس معاملے میں ......

الن ...... اس نے بڑے ہی کرخت لہجہ میں چچا کو مخاطب کیا ...... تم اپنے رسم و رواج کے خلاف بات کر رہے ہو ...... سندھی معاشرہ میں شادی کے لئے بیٹی سے نہیں پوچھا جاتا۔

پھر بھی سائیں ...... میں نے ہمت کر کے کہا۔

خاموش ...... اس نے مجھے ڈانٹا ...... اس کے لہجہ میں کچھ ایسی کرختگی تھی کہ وہ بات پوری کیے بغیر ہی خاموش ہو گیا ...... وہ کرسی سے اٹھا۔ اور شاہانہ انداز سے میرے چچا کے سامنے کھڑا ہو کر بولا ...... وڈیرہ الن ...... تم مجھ سے کوئی بہانہ نہیں کر سکتے ...... میں نے تمہیں دولت کو وہ خزانہ دے دیا ہے جس سے کہ تمہاری کئی نسلیں شاہانہ زندگی گزار سکتی ہیں۔

میں جانتا ہوں سائیں! اور اس کرم نوازی کا شکر گزار ہوں ...... میرے چچا نے احسان مند نظروں سے گردن جھکا کر جواب دیا۔

باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ...... اس نے رعونت سے کہا ...... میں، تمہاری بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں او وہ بھی ...... کل اسی وقت۔

کل اسی وقت ...... میرے چچا نے پریشانی سے الفاظ دہرائے۔

ہاں۔ میں فضول رسموں کا قائل نہیں ہوں ...... اس نے چھڑی کی نوک چچا کے سینہ کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا ...... تم دو چار آدمیوں کو بلا لینا ۔ قاضی کو

میں ساتھ لے کر آؤں گا۔ اس نے اس طرح کہا جیسے چچا کو حکم دے رہا ہو۔ اور اس وقت میرا چچا بھی اس کی دولت سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کیونکہ وہ بلا چون و چرا اس کی ہر بات مان رہا تھا۔

تو پھر ٹھیک ہے ...... اس نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا ...... تم وعدے کے مطابق کل اسی وقت اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دو گے۔

کیا آپ مجھے ایک دن کی مہلت ......

نہیں ...... اس نے تحکمانہ لہجہ میں چچا کی بات کاٹی ...... مجھے اپنی جاگیر کی دیکھ بھال میں اتنی فرصت نہیں ملتی کہ تمہیں مزید مہلت دوں ...... تمہیں ہر حال میں کل اسی وقت نکاح کرنا ہو گا۔

ٹھیک ہے سائیں! ...... میرے چچا نے احسانمندی سے جواب دیا ...... آپ جیسا کہتے ہیں ویسا ہی ہو گا۔

تو پھر میں چلتا ہوں ...... اس نے دروازہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ...... لیکن کل اسی وقت یاد رکھنا۔ اس کے بعد وہ بغیر سلام اور رخصتی مصافحہ کئے دروازہ سے نکل گیا ...... میں اور چچا ایک سحر زدہ انسان کی طرح اپنے جگہ پر کھڑے رہے۔ پھر معاً مجھے خیال آیا کہ دیکھوں یہ رئیس کدھر سے آیا تھا۔ یہ سوچ کر میں شہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی کی طرف گیا۔ میں نے دیکھا کہ ہماری حویلی کے قریب سے گھوڑوں کی بگھی گزری۔ جس کا رخ شہر کے باہر جانے والی سڑک کی طرف تھا۔

میرا چچا ابھی تک گم سم جواہرات کا ڈبہ لئے کھڑا تھا میں جونہی کھڑکی کے
پاس سے پلٹا ...... وہ چونکا اور مجھ سے کہنے لگا۔ دو آپ کا رئیس تو بہت ہی زیادہ
دولت مند معلوم ہوتا ہے۔

جی ہاں ...... میں نے افسردگی سے کہا ...... موجودہ دور میں اتنے قیمتی
جواہرات کس کے پاس ہوں گے۔ میری بات کے جواب میں چچا نے ایک بار پھر
جواہرات کے ڈبہ کو کھولا اور خوشی سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں ...... وہ دو چار
ہیروں کو ہاتھ میں لے کر تولتا اور ہوا میں اچھال کر دوبارہ پکڑ لیتا۔ اسی طرح
جواہرات سے کھیلتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا یہ شخص خاندانی معلوم ہوتا ہے
...... ایسے خاندانی شخص کے ساتھ اپنی بیٹی شمیم کا رشتہ ضرور کروں گا۔

کاش چچا کو ہم دونوں کی محبت کا حال معلوم ہوتا تو شاید وہ یہ بات نہ کہتے۔
لیکن ہیرے جواہرات کی چمک دمک نے ان کے دل میں لالچ پیدا کر دیا تھا۔ اور
ان کی بات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنا وعدہ نبھائیں گے۔ میں نے بڑی
مشکل سے اپنے جذبات کو ضبط کیا۔ لیکن اس ضبط کے باوجود میرے دل کی اتھاہ
گہرائیوں سے ایک سرد آہ نکل گئی ...... مجھے پورا کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ میں
نے لاکھ سنبھلنے کی کوشش کی لیکن دھڑام سے فرش پر گر گیا۔ میرے گرتے ہی
چچا نے اپنا کھیل بند کر دیا اور ڈبہ کو بند کر کے اسے سینے سے لگائے ہوئے میرے
قریب آ کر بولا۔

کیا بات ہے بیٹا! تمہیں کیا ہوا۔

کچھ نہیں چچا جان ...... میں نے فرش سے اٹھتے ہوئے جواب دیا ...... ایسے

ہی چکر آ گیا تھا۔

تمہیں چکر آنا ہی چاہیے تھا ...... چچا نے تکبر سے کہا ...... تم نوجوان ہو
...... بھلا تم نے اتنے ڈھیر سارے ہیرے جواہرات کہاں دیکھے ہوں گے۔

پھر اس نے دیوانوں کی طرح قہقہہ لگایا اور ڈبہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر
اپنی آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے کہنے لگا ...... اس خزانہ کو جو بھی دیکھے گا چکرا
جائے گا۔

کیا ...... کیا ...... آپ کا فیصلہ قطعی ہے ...... میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

بالکل ...... میرا فیصلہ اٹل ہے ...... چچا نے سنجیدگی سے جواب دیا ...... میں
اپنی بیٹی کے لئے اس سے زیادہ مناسب رشتہ کوئی اور نہیں سمجھتا ...... وہ اس
صاحب دولت شخص کے ساتھ عمر بھر عیش کرے گی۔

چچا کی بات سن کر مجھے شدید دھچکا لگا اور میں نے ان سے اجازت طلب
کرتے ہوئے کہا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ میں اپنے کمرہ میں جانا چاہتا ہوں۔

اچھا جاؤ ...... چچا نے بے رخی سے جواب دیا ...... میں بھی اس معاملے میں
اپنی بیٹی سے بات کر لوں۔ یہ کہہ کر چچا خوشی سے جھومتے ہوئے اپنی بیٹی کے کمرہ
کی طرف چلے گئے اور میں اپنی قسمت پر آنسو بہاتا ہوا اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔

○

میں اپنے کمرہ میں اس وجہ سے بھی آ گیا تھا کہ کہیں "محبت" کے جذبات
مجھ پر غالب نہ آ جائیں اور میں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھوں جس سے نہ صرف
میری محبت کا راز فاش ہو جائے بلکہ چچا بھی ناراض ہو جائیں۔

میری اور شمیم کی خوابگاہ کے درمیان دیوار میں ایک چھوٹا سا روشندان تھا جس سے وقت ضرورت ہم ایک دوسرے کو مخاطب کر لیا کرتے تھے ...... چچا سیدھے اپنی بیٹی شمیم کی خواب گاہ میں گئے ...... اور اب میرے دل میں جستجو پیدا ہوئی کہ دیکھوں باپ اور بیٹی آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں ...... اور میری محبوبہ شمیم کے شادی کے بارے میں کیا خیالات ہیں ...... یہ سوچ کر میں نے روشندان کی ایک جھری سے آنکھ لگا دی ...... اندر شمیم اپنی مسہری پر چت لیٹی چھت کو تک رہی تھی۔ اس کا سرخ و سفید چہرہ کسی حد تک کملایا ہوا تھا .... چچا جونہی خوابگاہ میں داخل ہوئے ...... وہ بستر سے اٹھ گئی اور سر پر دوپٹہ کو درست کرنے لگی ...... چچا نے اس کے قریب پہنچ کر ایک نظر اس کے چہرہ پر ڈالی اور قدرے تشویش سے بولے ...... کیا بات ہے ...... کیا میری بیٹی کی طبیعت خراب ہے۔

جی ابا جان! شمیم نے بجھے ہوئے لہجہ سے کہا...... کل شام سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

اچھا مجھے تو معلوم نہیں تھا۔ چچا نے قدرے تشویش سے کہا۔ میں ابھی کسی ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔ پھر وہ مسہری کے قریب ہی پڑی ہوئی آرام دہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے ...... بیٹی! میں اس وقت تم سے نہایت ہی اہم بات کرنے آیا ہوں۔

شمیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ ہمہ تن گوش ہو گئی ...... چچا نے اسے متوجہ پا کر کہا ...... بیٹی ...... ماں باپ کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتی ہے اور وہ اپنی اولاد کے لئے ہر لمحہ بھلائی ہی سوچتا ہے ...... تم میری بیٹی ہو اور اس دنیا میں مجھے

سب سے زیادہ تم سے پیار ہے۔

میں جانتی ہوں ابا جان ...... شمیم نے معصومیت سے جواب دیا۔

بیٹی اب تم جوان ہو چکی ہو ...... چچا نے مطلب کی بات شروع کی ...... اور ایک باپ ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ تمہیں ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے ایک اچھا ساتھی مہیا کر دوں۔

یہ سن کر شمیم نے شرم و حیا سے آنکھوں کے ساتھ ساتھ گردن بھی جھکا لی ...... چچا اپنی جگہ سے اٹھے اور بڑے ہی پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے ...... بیٹی ہر باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد عیش و آرام کی زندگی گزارے۔ اسی لئے میں نے ایک صاحب حیثیت شخص کو تمہارا شریک حیات بنانے کا فیصلہ کیا ہے اور وہ دو آبہ کا بہت بڑا رئیس ہے۔

میں نے دیکھا کہ شمیم نے یہ سن کر ایک دم گردن اوپر کو اٹھائی ...... اپنے باپ کے اس فیصلہ کو رد کرنے کے لئے اس کے ہونٹ کپکپائے۔ لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکی اور اس نے دوبارہ گردن جھکا لی۔

چچا نے اس کی اس حرکت کو رضا مندی سمجھا۔ لہٰذا۔ خوشی سے ہاتھی دانت کا ڈبہ اس کے سامنے کھولتے ہوئے بولا ...... بیٹی! اس شخص نے صرف تمہاری نسبت طے ہونے پر یہ ہیرے اور جواہرات پیش کئے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ شمیم نے ایک نظر اٹھا کر بھی اس ڈبہ کی طرف نہیں دیکھا ...... اس کی دلی نفرت کا اظہار اس کے چہرہ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا ...... لیکن چچا اسے سمجھا رہے تھے ...... بیٹی دو آبہ کا یہ رئیس واقعی رئیس ہے اور مجھے

یقین ہے کہ تم ملکہ کی طرح زندگی گزارو گی۔

ابا جان ـــــ اس کے ہونٹ کپکپائے ـــــ شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ چچا نے اس کے دل کی بات سننے کی بجائے اپنے دل کی بات کہہ دی ـــــ وہ رئیس کچھ جلدی میں ہے اس وجہ سے وہ کل شام نکاح کرنا چاہتا ہے اور میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔

ابا جان ـــــ شمیم نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا ـــــ مجھے چکر آ رہا ہے ـــــ آپ کسی ڈاکٹر کو بلوائیں۔

ہاں ـــــ ہاں ـــــ کیوں نہیں ـــــ چچا نے جلدی سے ڈبہ کا ڈھکنا بند کر کے اٹھاتے ہوئے کہا۔ مجھے باتوں میں یاد ہی نہیں رہا ـــــ پھر دروازہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولے ـــــ میں ابھی کلدار کو شہر بھیج کر کسی ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔

چچا خوابگاہ سے نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی شمیم نے ایک سرد آہ کھینچی اور نڈھال ہو کر بستر پر گر گئی۔ مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ لیکن میں مجبور تھا ـــــ میں کیا کر سکتا تھا ـــــ میں بھی افسردہ دل کے ساتھ رو بشدہ ان کے پاس سے ہٹ آیا۔

○

میں اداس دل کے ساتھ بستر پر لیٹ گیا ـــــ یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا ـــــ کہ چچا نہ صرف میرے جذبات کو کچل دے گا بلکہ اپنی بیٹی کے جسم و جان کا سودا بھی کر لے گا ـــــ میرے سارے حسین خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ پھر مجھے خود ہی اپنی مفلسی کا خیال آگیا۔ میں غریب تھا بہت ہی غریب ـــــ میں شمیم

کے قابل نہیں تھا ...... میں تو اسے ایک اچھا سا جوڑا بھی بنوا کر نہیں دے سکتا تھا ...... لیکن شمیم کو تو کچھ بھی نہیں چاہیے تھا ...... میں نے سوچا ...... سونے چاندی کے زیورات ...... ہیرے جواہرات ...... بیش قیمت کپڑے یا کسی علاقہ کا نواب ، رئیس ...... اسے ان میں سے کسی سے بھی ذرہ برابر دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے اپنی محبت پر بھروسہ تھا اور شمیم کی محبت پر یقین تھا ...... لیکن ...... لیکن ...... چچا نے دولت کے لالچ میں آ کر ہم دونوں کی آرزوؤں اور خواہشوں کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

میں رات بھر اپنی حسرتوں پر آنسو بہاتا رہا ...... چچا دوسرے دن بھی اپنی بیٹی کو سمجھاتے رہے اور اسے روشن مستقبل کے سہانے خواب دکھاتے رہے ...... میری شمیم اشک بہاتی رہی ...... اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ لیکن چہرہ سے اس کے جذبات صاف عیاں تھے۔ جنہیں صرف میں ہی سمجھ سکتا تھا۔

ایک ہی دن میں اس کے چہرے کا رنگ روپ ...... اور آب و تاب غائب ہو چکی تھی ۔ اور وہ اب برسوں کی بیمار دکھائی دے رہی تھی۔ میں دوپہر کو چچا کے سامنے "اوطاق" میں آیا۔ میں اتنا مضمحل اتنا نحیف نظر آ رہا تھا کہ چچا مجھے دیکھکر پریشان ہو گئے ...... میری آنکھیں سوجی ہوئی تھیں ...... بال بکھرے ہوئے تھے اور ہونٹوں پر پپیڑیاں سی جمی ہوئی تھیں۔

چچا نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑا ...... اور ایک دم پریشانی سے بولے ...... ارے تمہیں تو بخار ہو رہا ہے۔ میں ابھی ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔

رہنے دیجئے ...... میں نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا ...... بخار تو شام تک اتر ہی جائے گا ...... آپ نکاح کی تیاری کیجئے ...... دو آبہ کے رئیس کے آنے کا وقت قریب آ رہا ہے۔

ٹھیک کہا تم نے ...... چچا نے خوشی سے جواب دیا ...... اور میری حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے بولے تم اوطاق کی صفائی وغیرہ کرا کے مہانوں کے بیٹھنے کا بھی انتظام کرا دینا ...... میں عورتوں سے کہہ کر بیٹی کو تیار کراتا ہوں۔

یہ ہدایات دے کر چچا حویلی کے اندرونی حصے میں چلے گئے۔ اور میں نوکروں کو ساتھ لے کر اوطاق کی صفائی میں مصروف ہو گیا۔

○

میں نے چچا کی ہدایت کی پوری پوری تکمیل کی اور نوکروں کے ساتھ مل کر پورے اوطاق کو چمکا دیا۔ پھر ایک شاندار مسند دولہا کے لئے ایک جانب تیار کرائی ...... میں نہیں چاہتا تھا کہ میری ذرا سی کوتاہی سے چچا کو معمولی سا بھی شک ہو جائے ...... اس تمام کام میں سورج چھپ گیا ...... اور ہر جانب دھندلی سی تاریکی پھیلنے لگی۔ اس وقت حویلی میں میرے چچا اور نوکروں کے علاوہ کوئی نہیں تھا ...... چچا نے رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی مدعو نہیں کیا ...... شاید ڈر تھا کہ اتنے بڑے دولتمند شخص کو کوئی ان کی بیٹی کے خلاف بھکا نہ دے۔

شہر کی مسجد سے اللہ اکبر ...... اللہ اکبر ...... اذان بلند ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی میں اور چچا دو ملازموں کے ہمراہ اس کھڑکی میں آ کر کھڑے ہو گئے جس کا رخ حویلی کی جانب تھا۔ اور جہاں سے صدر دروازہ صاف نظر آتا تھا۔ اذان ختم

ہوئی اور ہم سب دم سادھے صدر دروازہ کو تکنے لگے ...... ابھی اذان ہوئے صرف پانچ دس منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ اچانک بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ لکڑی کے دونوں بھاری دروازے ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ الگ الگ ہو گئے اور ایک سیاہ رنگ کی بگھی جسے دو سفید گھوڑے کھینچ رہے تھے صحن میں داخل ہوئی ...... اس بگھی کو دیکھتے ہی چچا اور ہم سب سمجھ گئے دو آبہ کا رئیس آ چکا ...... ہے لہٰذا ...... کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر دروازہ کے قریب استقبالیہ انداز میں کھڑے ہوئے ...... پھر چند لمحہ بعد ہی دو آبہ کا رئیس اپنی پوری آن بان کے ساتھ اوطاق میں داخل ہوا ...... آج اس کا لباس بالکل دولہا جیسا تھا ...... اس کے جسم پر نہایت قیمتی ریشم کی سرخ شیروانی تھی ...... سر پر بھی اسی رنگ کی قیمتی پگڑی تھی جس میں سامنے کی جانب پیشانی کے اوپر ایک بڑا سا ہیرا جگمگا رہا تھا ...... اس کے گلے میں چڑیا کے انڈوں کے برابر موتیوں کی تین لڑی والی مالا پڑی تھی اور چہرہ پر کل ہی کی طرح رعب و دبدبہ چھایا ہوا تھا ...... چچا سندھی رسم و رواج کے مطابق استقبالیہ انداز میں آگے بڑھے ...... لیکن اس نے حسب سابق نہ تو سلام کیا اور نہ ہی مصافحہ کیا۔ بلکہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی کو گھماتے ہوئے نہایت ہی رعب سے بولا ......

وڈیرہ الن! کیا تم اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے تیار ہو۔

بالکل سائیں! میں تیار ہوں ...... چچا نے ادب سے گردن جھکا کر جواب دیا پھر اس کے تیار کی گئی مخصوص نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ...... آپ یہاں تشریف رکھیں۔

اس نے شعلہ برساتی نگاہوں سے ہم سب کو دیکھا ...... اور نہایت ہی تمکنت سے چلتا ہوا نشست پر بیٹھ گیا...... اس کے برابر ہی میں ایک سفید بارلیش شخص بھی بیٹھا ہوا نظر آیا ...... مجھے تعجب تھا کہ یہ شخص مجھے پہلے کیوں نہیں دکھائی دیا ...... ممکن ہے کہ یہ شخص دو آبہ کے رئیس کے قد آور ہونے کی وجہ سے مجھے نظر نہ آیا ہو ...... اس شخص نے اپنی بغل سے ایک رجسٹر نکالا اور بغیر کسی سے کچھ پوچھے لکھنے لگا۔ اسی دوران دو آبہ کے رئیس سلال نے چچا سے کہا۔

آپ خود اور اپنے دو معتمد آدمیوں سے کہیں اس پر دستخط کر دیں ...... یہ سن کر چچا نے میری طرف دیکھا اور پھر خود آگے بڑھ گیا...... اس بوڑھے نے قلم چچا کے ہاتھ میں تھما دیا ...... ان کے دستخط کرنے کے بعد میں ایک پرانے ملازم کے ہمراہ آگے بڑھا ...... اور یکے بعد دیگر ...... رجسٹر پر دستخط کر دیئے۔

جب ہم سب دستخط کر چکے تو دو آبہ کے رئیس نے چچا سے نہایت ہی رعب دار لہجہ میں کہا ...... وڈیرہ الن ...... اب جلد از جلد نکاح کی رسم ادا ہونی چاہیے ...... میرے پاس وقت بالکل نہیں ہے لہٰذا ایجاب و قبول کے اذن سے زیادہ کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

بالکل سائیں ! ایسا ہی ہو گا ...... چچا نے زر خرید غلام کی طرح جواب دیا اور حویلی کے اندر شمیم کے پاس چلا گیا۔

○

تلاش

دو آبہ کا رئیس میری محبوبہ شمیم سے نکاح کر کے اسے لے گیا اور میں سوچتا ہوا واپس حویلی میں آگیا کہ دو آبہ کا رئیس کس علاقہ سے تعلق رکھتا ہے مجھ سے یہی سوال اللہ رکھی نے بھی پوچھا تھا کہ تمہیں یا تمہارے چچا کو نکاح سے قبل اس رئیس کے بارے میں تحقیق تو کرنا چاہیے تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ پہلی ملاقات ہی میں اس رئیس کی سحر آفریں شخصیت نے ہم سب کو مرعوب کر دیا تھا۔ پھر دولت نے چچا کو اتنا زیادہ متاثر کر دیا تھا کہ انہوں نے حالات جاننے کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔

بہرحال وقت گزرتا رہا چچا رشتہ داروں اور دوستوں کو گھر بلا بلا کر ہیروں کا ڈبہ دکھاتے اور وہ سب عش عش کر اٹھتے۔ چچا نے رئیس سے شادی کر کے میرے ارمانوں کی دنیا میں آگ لگا دی تھی۔ لیکن میں نے ہمیشہ صبر و ضبط اور استقلال سے کام لیا اور کبھی بھی اپنے منہ سے حرف شکایت نہیں نکالا۔ میں اپنی روزمرہ کی مصروفیات میں مصروف ہو گیا۔ میرے چچا کو اس بات کے متعلق احساس نہیں تھا کہ میرے دل پر کیا بیت رہی ہے میں محبت کی ایسی آگ میں جل رہا تھا جو میری موت کے ساتھ ہی ٹھنڈی ہو سکتی تھی۔

ہفتے اور مہینے گزر گئے نجم خان نے بتایا لیکن شمیم کی کوئی خبر نہیں ملی۔ کئی مرتبہ دولت کے کھانے پر چچا نے اپنی تشویش کا اظہار ان الفاظ میں کیا بھئی دو آبہ

کے رئیس نے نجانے کیوں اب تک اپنی خیریت کا خط نہیں بھیجا۔

اس طرح چھ ماہ گزر گئے اور شمیم کے بارے میں کوئی خبر نہیں آئی۔ اب تو چچا کافی پریشان رہنے لگے اور آخر کار انہوں نے دوآبہ جانے کا فیصلہ کر لیا اور انہوں نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا۔ اور میں اپنی محبوبہ کو ایک نظر دیکھنے کی خاطر فوراً تیار ہو گیا پھر ایک روز ہم دونوں بگھی میں سوار ہو کر دور اور قریب کے دوآبوں میں گئے لیکن ہمیں کسی بھی شہر میں کسی بھی گاؤں میں ...... اور کسی بھی قریہ میں سلاسل نام کا کوئی آدمی نہیں ملا۔

یہ صورتحال بڑی ہی تشویشناک تھی اور چچا کو پہلی بار غلطی کا احساس ہوا کہ انہوں نے دولت سے مرعوب ہو کر انجانے شخص سے بیٹی کا نکاح کر کے سخت غلطی کی ہے۔ انہیں اپنی بے وقوفی اور ہوس دولت پر غصہ آنے لگا کہ انہوں نے ہیروں اور جواہرات کے ان ٹکڑوں کے عوض اپنی بیٹی کو ایک اجنبی کے حوالہ کر دیا تھا۔

اس طویل تلاش و جستجو کے بعد آخر ہم اپنے شہر لوٹے اور جب واپس آ رہے تھے۔ تو ایک جگہ ہمارا گزر قدیم کھنڈرات کے قریب ہوا کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک خستہ مکان کے احاطے میں آگ جل رہی ہے اور ایک جانب دو سفید گھوڑے بندھے چارہ کھا رہے ہیں ان سے کچھ فاصلہ پر ایک بگھی کھڑی تھی۔ میں نے اور چچا نے فوراً پہچان لیا کہ یہ بگھی دوآبہ کے رئیس سلاسل کی ہے۔ ہم نے اپنی بگھی کا رخ مکان کی طرف کر دیا اور شکستہ مکانوں کی بستی میں سے گزرتے ہوئے اس مکان کے قریب پہنچ گئے ہم نے بگھی کو مکان کے صدر

دروازے پر روکا۔ اور تیزی سے صحن میں داخل ہوئے۔ ہمارا خیال تھا کہ دوآبہ کا رئیس سلاسل اس شکستہ مکان میں ہو گا۔ ابھی ہم دونوں صحن عبور کر رہی رہے تھے کہ مکان کے اندرونی حصہ سے ساٹھ ستر سال کا ایک بوڑھا باہر آیا۔ اور بولا آپ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ مجھے دوآبہ کے رئیس سے ملنا ہے چچا نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ دوآبہ کا رئیس! بوڑھے نے پلکیں جھپکائیں۔ یہاں کوئی رئیس نہیں رہتا۔ تم جھوٹ بکتے ہو۔ بوڑھے نے ہاتھ جوڑ کر سعادت مندی سے کہا آپ ناراض نہ ہوں۔ اطمینان سے اندر چل کر پہلے میری بات سن لیں۔ چلو چچا نے اسی طرح غصہ میں کہا یہ سن کر بوڑھا آگے آگے اور ہم اس کے پیچھے چل دیئے۔

بوڑھا ہمیں لے کر ایک صاف ستھرے کمرہ میں آ گیا۔ جہاں چند موڑھے رکھے ہوئے تھے اور ایک جانب کھانے پکانے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ ہم دونوں کے بیٹھنے کے بعد وہ بوڑھا بھی ایک خالی موڑھے پر بیٹھ گیا۔ اور اپنا گلا صاف کرتے ہوئے بولا سائیں اس گھوڑے گاڑی کی داستان بھی کچھ عجیب سی ہے۔ میں اس بستی میں گزشتہ پچاس سال سے آباد ہوں۔ میں نے اس بستی میں آنکھ کھولی اور اس کی گلیوں میں کھیل کود کر جوان ہوا اب تو یہ بستی اجڑ چکی ہے لوگ یہاں سے نقل مکانی کر کے سرسبز و شاداب علاقوں کی طرف چلے گئے ہیں۔ لیکن میری تمنا یہی ہے کہ جس بستی میں میں نے جنم لیا۔ وہاں دفن بھی ہوں میری کوئی اولاد نہیں ہے تقریباً دو سال قبل بیوی بھی اس دنیا سے چلی گئی اب میں تنہا ہوں۔ اس بستی میں سورج غروب ہونے کا منظر بڑا ہی دلفریب ہوتا ہے اور میں اسے

ہمیشہ دیکھنے کا عادی ہوں۔ یہ آج سے "تقریباً" چھ سات سال قبل کی بات ہے۔ جب کہ دن چھپ رہا تھا اور میں حسب معمول ڈوبتے ہوئے سورج کا نظارہ کرنے کی خاطر ٹہلتا ہوا اپنے مکان سے ذرا دور کچی سڑک پر نکل گیا تھا۔ ابھی میں شفق کے سنہری نارنجی اور سرخ رنگوں کو دیکھنے میں محو تھا کہ اچانک کچھ فاصلہ پر گھوڑوں کے دوڑنے کی آوزیں سنائی دیں میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو گھوڑا گاڑی اس ہی سڑک پر میرے جانب آ رہی تھی اس میں دو سفید رنگ کے بے حد قیمتی گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ گاڑی کا رنگ سیاہ تھا اور شفق کی دھندلائی ہوئی سرخی میں وہ کچھ عجیب سی دکھائی دے رہے تھی میں گھوڑوں کی زد سے بچنے کی خاطر سڑک کے ایک طرف ہوگیا کیونکہ گھوڑے پوری طاقت سے دوڑ رہے تھے اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ کچلتے ہوئے نہ گزر جائیں۔

اتنا کہہ کر بوڑھا کچھ دیر سانس لینے کو چپ ہوا اور پھر دوبارہ اس طرح بولا۔ سائیں میرا خیال تھا کہ گھوڑا گاڑی آگے شہر کی طرف جائے گی لیکن ایسا نہیں ہو بلکہ گاڑی کچھ قدم آگے جا کر رک گئی۔ گھوڑے پسینے سے نہائے ہوئے تھے۔ اور ان کی سانسیں پھولی ہوئی تھی۔ جس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ بہت دور سے آ رہے ہیں کوچوان کی نشست پر ایک ہیبتناک شکل کا شخص بیٹھا ہوا تھا گھوڑوں کے رکتے ہی وہ چھلانگ لگا کر نیچے اترا اور اس نے پہلے باری باری دونوں گھوڑوں کی پشت پر ہاتھ پھیرا میں نے دیکھا گھوڑا خوف سے کانپ رہے تھے ان کی یہ اضطرابی کیفیت دیکھ کر میں سوچنے لگا کہ یہ بے زبان جانور اپنے مالک سے خوفزدہ کیوں ہیں۔ خیر اس شخص نے جو وضع قطع سے کسی علاقے کا رئیس معلوم ہوتا

تھا کیونکہ اس پگڑی میں ایک بڑا ہیرا لگا ہوا تھا' بگھی کا دروازہ کھولا اور اس چند لمحے بعد ایک حسین و جمیل نازنین کو عروسی لباس پہنے ہوئی تھی سہارا دے کر باہر نکالا لیکن مجھے دیکھ کر از حد تعجب ہوا کہ وہ حسین دلہن زار و قطار رو رہی تھی۔

شمیم۔ میری بیٹی۔ چچا ایک دم چلائے وہی میری بیٹی شمیم تھی۔

وہ آپ کی بیٹی تھی؟ بوڑھے نے تعجب سے پوچھا۔

ہاں۔ وہ میری بیٹی تھی چچا نے رندھی ہوئی آواز سے کہا اور جس شخص کو تم نے دیکھا تھا وہ دوآبہ کا رئیس اور میری بیٹی کا شوہر تھا۔ میں انہیں دونوں کو تو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔ سائیں بوڑھے نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا مجھے پہلے یہ بات معلوم نہ تھی۔ پھر بھی جب میں نے دیکھا لڑکی اس کے پنجے سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہی ہے اور ساتھ ہی روتی بھی جا رہی ہے تو مجھ سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ دوڑتا ہوا اس شخص کے پاس گیا اور پوچھا تم کون ہو؟ یہ لڑکی کون ہے؟ اسے کہاں سے پکڑ کر لائے ہو۔

اس شخص نے میری کسی بھی بات کا جواب دینے کی بجائے اس زور سے میرے گال پر طمانچہ مارا کہ سر چکرنے لگا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ میں نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا گھوڑا گاڑی اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ درندہ شخص اس معصوم لڑکی کو لے کر جانے کہاں غائب ہو گیا۔ میں گاڑی کے قریب گیا اور کھلے دروازے سے اندر جھانک کر دیکھا مگر اس میں کوئی نہ تھا۔ پھر میں نے گھوڑوں کی باگ پکڑی اور انہیں گاڑی سمیت اپنے گھر لے آیا۔ وہ دن اور آج کا دن ہے وہ شخص نہیں

آیا۔ جبکہ میں ہر روز اس کا انتظار کرتا ہوں اتنا کہہ کر بوڑھا خاموش ہو گیا لیکن ہم دونوں کی عجیب حالت تھی۔ چچا کی آنکھیں پرنم تھیں جب کہ میرا دل رو رہا تھا۔ شمیم صرف چچا کی اولاد تھی جبکہ میری کائنات تھی۔ بوڑھے نے جو واقعات سنائے تھے ان سے تو یہ پتا چلتا تھا کہ دوآبہ کا رئیس سلاسل کوئی بہت ہی ظالم شخص ہے۔ اور میری شمیم اس سے نکاح کر کے خوش نہیں تھی پھر سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ اتنی شاندار اور قیمتی گاڑی چھوڑ کر کہاں چلا گیا۔ اس سلسلہ میں چچا نے کھنڈرات کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن کہیں بھی کسی بھی ذی روح کی موجودگی کا علم نہیں ہو سکا۔ تھک ہار کر ہم دونوں واپس اپنے شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں چچا نے کوئی ایسی بستی نہ چھوڑی جہاں انہوں نے دوآبہ کے رئیس سلاسل کے بارے میں نہ معلوم کیا ہو لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں ملا۔ حویلی میں آکر چچا پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بیٹی کی جدائی نے ان کو نڈھال کر دیا۔ انہیں بیٹی کے نہ ملنے کا شدید غم تھا وہ زیادہ وقت اپنی حویلی میں گم سم ٹہلتے رہتے انہیں ہر وقت یہی خیال ستائے رکھتا کہ وہ اپنی بیٹی سے مل بھی سکیں گے یا نہیں۔

جب کہ میری حالت ان سے مختلف تھی مجھے یقین تھا کہ میری شمیم ایک نہ ایک دن ضرور ملے گی۔ میں دل برداشتہ نہیں ہوا تھا بلکہ میں صبح صبح ایک اچھی نسل کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی تلاش میں نکل جاتا۔ اور قریب و جوار کے سارے علاقوں میں سارا سارا دن مارا مارا پھرتا رہتا۔ میری اس تلاش اور جستجو سے چچا کو میرے جذبات کا اندازہ ہو گیا۔ اور وہ سمجھ گئے کہ ان کی بیٹی سے سچی

محبت کرتا ہوں لیکن اب وقت گزر چکا تھا وہ اپنے فیصلے پر نادم تھے۔

اس طرح چند دن اور گزر گئے نجم خان نے مسلسل اپنی کہانی سناتے ہوئے بتایا پھر سردیوں کی ایک رات تھی جب کہ میں اور چچا رات کے کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ اچانک حویلی کے دروازے پر دستک سنائی دیا اور پھر مسلسل دروازے پر دستک کی آواز آنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بدحواس ہو کر دروازے کو پیٹے جا رہا ہے دستک دینے والے کی آواز اتنی زور دار تھی کہ میں اور چچا بھی گھبرا کر کمرے سے نکل آئے۔ بوڑھا چوکیدار تقریباً" دوڑتا ہوا گیا اور اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا آنے والے پر ہم دونوں کی بیک وقت نظریں پڑیں اور حیرت زدہ رہ گئے۔

ہمارے سامنے شمیم کھڑی تھی اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرہ کملایا ہوا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بیمار ہے اندر آکر اس نے صرف ابا جی کہا اور دھڑام سے گر پڑی۔ اس کے گرتے ہی ہم دونوں چونکے اور تیزی سے اس کی طرف دوڑے وہ نیم بے ہوش تھی۔ میں اور چچا نے مل کے اسے اٹھایا اور اندر کمرے میں لے جا کر مسہری پر لٹا دیا۔ بس یوں ہی سمجھ لو کہ چچا اسے گود میں لے کر مسہری پر بیٹھ گئے۔ بیٹی کو اتنے عرصے کے بعد اور اس حالت میں دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے اسے سینے سے چمٹاتے ہوئے کہا میری بیٹی تو اتنے دنوں سے کہاں تھی۔

ابا جی شمیم نے صرف دو الفاظ کہے۔ میں فوراً" ہی مٹکوں کے پاس گیا اور پانی لے آیا شمیم نے کپکپاتے ہاتھوں سے پیالہ لیا اور اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

نجانے وہ کب کی پیاسی تھی جب تک پیالہ خالی نہ ہو گیا اس نے ہونٹوں سے نہ ہٹایا۔ پانی پینے کے بعد اس کے حواس کسی حد تک درست ہوئے اور اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا میں بھوکی ہوں مجھے کھانے کو دو۔ ہم دونوں ابھی کھانے سے فارغ ہوئے تھے اور دستر خوان اٹھایا نہیں تھا۔ لہٰذا میں فوراً ہی دوسرے کمرے میں گیا اور گوشت کا بھرا ہوا پیالا اور دو روٹیاں لے کر آ گیا۔ شمیم نے گوشت کا پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا اور ندیدوں کی طرح کھانے لگی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کئی وقت کی بھوکی ہے۔ جوں جوں غذا اس کے پیٹ میں پہنچتی جاتی تھی۔ اس میں توانائی آتی جاتی تھی۔ مجھے تعجب تھا کہ اس کی یہ حالت کس طرح ہوئی۔

جب وہ کھانا کھا چکی تو اس کی حالت سنبھلی۔ اور اس نے اپنے اطراف نظریں دوڑائیں اور پھر سہم کر چچا کے سینے سے لپٹ گئی چچا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھا۔ بیٹی اتنے عرصے کہاں رہیں ابا جان شمیم نے اسی طرح سہمے انداز سے کہا اب آپ مجھے تنہا نہ چھوڑیے گا۔ نہیں بیٹی۔ نہیں۔ چچا نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن ...... لیکن تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ ابا جان شمیم نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ کہاں رہی اس کے بعد وہ سسکیاں لے کر رونے لگی چچا اور میں پریشان نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر چند ثانیہ کے بعد چچا نے اس کی پیٹھ تھپتھپا کر تسلی دی اور تشویش سے پوچھا بیٹی تمہارا شوہر دو آبہ کا رئیس سلاسل کہاں ہے۔ وہ انسان نہیں ہے ابا جان شمیم نے سسکیوں کے

درمیان بتایا۔

یہ سنتے ہی ہم دونوں حیران نظروں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ اور میں نے اس سے حیرانگی سے پوچھا۔ وہ۔ وہ انسان نہیں ہے تو پھر کیا ہے۔ وہ ایک جن ہے ابا جان شمیم نے جواب دیا اور ڈر کر اپنا منہ ان کی آغوش میں چھپا لیا۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو ہم دونوں کے منہ سے نکلا۔ میں سچ کہہ رہی ہوں وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی اس نے آپ کو دھوکا دیا ہے اس نے مجھ سے دھوکا دے کر نکاح کیا ہے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ ویرانوں اور قبرستانوں میں لے جا کر پھرتا رہا ہے۔ یہ سن کر چچا کے چہرے پر پریشانی نمودار ہو گئی وہ سمجھے کہ بیٹی کسی پریشانی کی وجہ سے اس طرح کی باتیں کر رہی ہے لہٰذا اسے پیار سے کہا تم اطمینان سے لیٹ جاؤ میں ابھی ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔ آخری الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے مسہری سے اٹھنا چاہا۔ لیکن شمیم ان کے سینے سے بری طرح چمٹ گئی۔ اور روتے دھوتے بولی نہیں ابا جان نہیں آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر کہیں نہ جائیں۔ آپ آپ ڈاکٹر کے بجائے کسی اللہ والے کو بلوائیں۔ میں اور چچا جنات پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن اس وقت شمیم جو کہہ رہی تھی وہ کچھ عجیب سی باتیں تھیں چچا جان کا خیال تھا کہ دو آبہ کا رئیس سلاسل یا اس کے گھر والوں نے ایسی اذیتیں دی ہیں جس کی وجہ سے ان کی بیٹی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے۔ جب کہ میرے ذہن میں دو آبہ کے رئیس کے بھیانک چہرہ دروازہ بند ہونے کے باوجود کھلنا اور اس کا کرخت لہجہ گھوم رہا تھا۔ میں نے ہمت کر کے پوچھا تمہیں یقین ہے کہ وہ انسان نہیں جن ہے۔ آہ تم لوگ میری باتوں پر یقین نہیں کر رہے ہو۔ میں بہت مشکل

نے اس سے بچ کر یہاں آئی ہوں۔ لیکن اسے جب میری غیر موجودگی کا علم ہو گا تو وہ پلک جھپکتے میں یہاں آئے گا اور مجھے لے جائے گا۔ اگر یہی بات ہے تو وہ کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ میں نے حوصلے سے کہا تمہاری خاطر میں اس سے ٹکرا جاؤں گا۔

نہیں نجم نہیں اس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ بہت طاقتور ہے اس کا مقابلہ کوئی روحانی آدمی ہی کر سکتا ہے۔ چچا نے اسے تسلی دینے کی خاطر مصنوعی غصے سے کہا پہلے تو دیکھیں وہ یہاں آتا کیسے ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا انجم تم دروازے اور کھڑکیاں بند کردو۔ میں فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے کی تمام کھڑکیاں دروازے بند کر دیئے۔ اب شمیم کو کچھ کچھ اطمینان سا ہوا پھر بھی خوف اس پر چھایا ہوا تھا۔ اس نے چچا کے سینے سے چہرہ ہٹایا اور افسردگی سے بولی یہ بند کھڑکیاں اور دروازے اس کا راستہ نہیں روک سکتے۔ اس کی یہ بات سن کر مجھے یقین سا ہونے لگا کہ شمیم سچ کہہ رہی ہے۔ یہ میرا جذبہ محبت تھا کہ اس کی دلجوئی اور خوف دور کرنے کی خاطر قرآن لے کر تلاوت کرنے لگا قرآن حکیم کی تلاوت کرنے سے جیسے شمیم کو قرار آگیا اور وہ بستر پر لیٹ گئی لیکن اس کا سر اب بھی باپ کی گود میں تھا۔ اور وقفہ وقفہ سے چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگتی تھی۔

رات کا پہلا حصہ گزر چکا تھا وہ مسہری پر لیٹی بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے ہلکے ہلکے خراٹوں سے پتا چلتا تھا کہ کئی دن سے نہیں سوئی ہے۔ چچا اس کے سرہانے بیٹھے کوئی وظیفہ پڑھ رہے تھے اور میں برابر قرآن حکیم کی تلاوت میں

مشغول تھا کہ شمیم نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور ایک دم خوفزدہ ہو کر بولی ابا جان اسے روکو وہ حویلی میں آگیا ہے۔ شمیم کی آواز سن کر میں نے اس کی جانب ایک نظر دیکھا اور زور زور سے تلاوت کرنے لگا۔ چچا نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا اور پوچھا کون آ گیا ہے بیٹی۔ سلاسل آگیا ہے۔ شمیم نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔ وہ۔ وہ۔ اس کمرے میں آگیا ہے لیکن اس کلام کی برکت سے اس کی ہمت نہیں پڑ رہی ہے وہ ضرور کوئی شرارت کرے گا اور مجھے لے جائے گا۔ ابا جان اسے کمرے سے نکالو نکالو وہ مجھے لے جائے گا۔ وہ خوفزدہ ہو کر ہیجان خیز انداز میں چیخنے لگی اور میں اس کے ساتھ ہی پہلے سے زیادہ اونچی آواز میں تلاوت کرنے لگا۔

پھر اس کی چیخوں کے ساتھ ہوا کا شور اٹھا جیسے کمرے میں آندھی آگئی ہو دروازے کھڑکیاں آپ ہی آپ کھلنے اور بند ہونے لگیں دیواروں پر لگی ہوئی تصویریں گر کر ٹوٹ گئیں۔ فرنیچر اور برتن دھماکے کے ساتھ ٹوٹ گئے اور اس کے ساتھ ہی کمرہ میں لٹکا ہوا خوبصورت فانوس بھی بجھ گیا۔ اس اندھیرے میں قرآن کریم نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔ میرے خاموش ہوتے ہی شمیم چلائی ابا جان جلدی سے اسے روشن کریں وہ مجھے لے جائے گا پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی نجم تلاوت کرتے رہو وہ دیکھو وہ میرے قریب بستر پر آگیا ہے۔ چچا جان اندھیرا ہوتے ہی شمیم کی پہلی آواز پر اٹھے اور شمعدان لینے دوسرے کمرے کی طرف دوڑے اس عرصہ میں میں نے ایک ہیولہ شمیم کی مسہری کے پاس کھڑا دیکھا۔ خطرہ کا احساس ہوتے ہی میں اس ہیولہ کی طرف لپکا۔ وہ کوئی دیو ہیکل جسم تھا جس نے شمیم کو ایک

ہاتھ سے اپنی آغوش میں دبوچ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے مجھے روکے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس کا رخ دروازے کی جانب ہے لہٰذا میں ہاتھ چھوڑ کر اسے روکنے کی خاطر پاؤں سے لپٹ گیا لیکن دوسرے ہی لمحہ اس ہیولہ نے ایک معمولی سی جنبش سے اپنے پاؤں چھڑا لیے اور کمرہ سے باہر نکل گیا۔ حویلی کے تمام کمروں میں حتیٰ کہ صحن تک میں برقی قمقمے جل رہے تھے۔ میں نے اس روشنی میں دیکھا کہ وہ دو آبہ کا رئیس سلاسل تھا۔ شمیم بے ہوش ہو چکی تھی اور وہ اسے اٹھائے ہوئے صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا میں فوراً ہی اس کی طرف دوڑا لیکن اس سے پہلے کہ میں ایک بار پھر اسے پکڑتا کہ حویلی کا صدر دروازہ خود بخود کھل گیا۔ دروازے کے باہر کی جانب اس کی بگھی کھڑی ہوئی تھی دروازے سے نکلتے ہی وہ خود بخود بند ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ شمیم کو بگھی میں لے کر جائے گا۔ لہٰذا فوراً ہی اصطبل کی طرف گیا۔ اور ایک اچھی نسل کا گھوڑا لے کر اس کے تعاقب کی خاطر صدر دروازے پر پہنچ گیا۔ بوڑھا چوکیدار اس وقت مجھے گھوڑے پر سوار دیکھ کر حیران ہوا۔ اور اس نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن میں نے اس کی کسی بات کا جواب دینے کے بجائے دروازہ کھولنے کو کہا۔ اس نے فوراً ہی دروازہ کھولنا چاہا لیکن بے سود ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نادیدہ قوت اس دروازے کے پیچھے ہے۔ اس دوران چچا بھی دروازے کے پیچھے پہنچ گئے وہ بھی بے انتہا خوف زدہ تھے اور وہ مجھ سے رو رو کر کہہ رہے تھے کہ بیٹا وہ شمیم کو لے گیا ہے خدا کے لئے میری بیٹی کو اس ظالم سے چھڑا لاؤ۔ پھر اس سے پہلے کہ میں انہیں تسلی اور تشفی دیتا دروازے کی دوسری جانب گھوڑوں کے دوڑنے اور بگھی کے پہیوں

کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی دروازہ آسانی سے کھل گیا۔ دروازے سے نکل کر میں نے دیکھا کہ مجھ سے سو قدموں کے فاصلہ پر بگھی جا رہی ہے۔ میں نے گھوڑے کو ایڑی لگائی اور اس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا تعاقب کے دوران جب بھی بگھی سے میرا فاصلہ کم ہونے لگتا سلاسل پیچھے مڑ کر دیکھتا اور اپنے گھوڑے پر ہنٹر برسانے لگتا۔

رات بھر اسی طرح تعاقب جاری رہا صبح صادق کے وقت جب کہ آسمان پر سفیدی پھیل رہی تھی راستے میں درختوں کا ایک بہت بڑا جھنڈ نظر آیا۔ سلاسل کی بگھی ان درختوں کی آڑ میں جا کر اوجھل ہو گئی اور جب چند لمحے بعد میں گھوڑا دوڑاتا ہوا ان درختوں کے جھنڈ کی دوسری جانب پہنچا تو راستہ ویران تھا۔ اور بگھی غائب تھی میری سمجھ میں نہ آیا کہ بگھی درختوں کی آڑ میں کہاں غائب ہو گئی۔ میرا گھوڑا پسینہ میں شرابور تھا اور اس کا پیٹ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اس کے باوجود میں نے اسے اطراف میں دوڑایا لیکن بگھی کا کہیں پتا نہ چل سکا۔

پھر جب صبح صادق کا اجالا ہر شے پر چھا گیا تو مجھے معلوم ہوا میں نے دیکھا کہ یہ ایک بہت ہی پرانا قبرستان ہے۔ اس قبرستان کی حدود میں آتے ہی سلاسل غائب ہو گیا تھا۔ یہاں میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ ظالم میری شمیم کو یہی کہیں چھپائے ہوئے ہے۔ کیا تمہیں پورا یقین ہے اللہ رکھی نے پوچھا۔

آپ یقین کی بات کرتی ہو نجم خان نے جواب دیا مجھے تو خود میری شمیم نے بتایا ہے کہ اسے سلاسل نے یہیں کہیں چھپا رکھا۔ ہے شمیم نے کس طرح بتا دیا اللہ رکھی نے مسکرا کر پوچھا۔

عامل جن

دن نکلنے کے کچھ ہی دیر بعد میرے گھوڑے نے دم توڑ دیا ...... مجم خان نے بتایا ...... اب میں یک و تنہا تھا ...... قبرستان میں دن بھر ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا ...... لیکن مجھے یہاں جنّی کے نشان تک نہیں ملے ...... پھر سورج غروب ہو گیا اور اس شہر خموشاں پر ہولناک تاریکی پھیل گئی ...... مجھے رات گزارنے کے لئے ٹھکانہ چاہیے تھا ...... اور اس قبرستان میں جو کچے اور خوشنما مقبرے بنے ہوئے ہیں ان میں چمگادڑوں اور حشرات الارض نے ڈیرہ جما رکھا تھا۔ لہٰذا میں اس قبرستان کے آخری سرے پر بنی ہوئی مسجد میں چلا گیا ...... مسجد ویران تھی مجھے ایک دم خیال آیا کہ نجانے اللہ کا یہ گھر کب سے ویران ہے ...... مجھے نماز پڑھنی چاہیے ...... اس خیال کے آتے ہی میں نے کنوئیں سے ڈول بھرا۔ اور خوب جی بھر کر نہایا۔ نہانے سے جسم میں تروتازگی آ گئی ...... اس کے بعد میں نے فورا" ہی اذان دی۔ اور نماز پڑھنے لگا ...... نجانے میں نے کتنی نفلیں پڑھیں مجھے تو صرف اس قدر یاد ہے کہ جب میں رکوع اور سجدہ کرتے کرتے تھک گیا تو وہیں فرش پر لیٹ گیا ...... نماز پڑھنے سے میری روح اور بدن کو تسکین پہنچ رہی تھی ...... یہ اسی سکون کا نتیجہ تھا کہ میں مسجد کے اس فرش پر لیٹتے ہی سو گیا۔

ابھی میں اچھی طرح سونے بھی نہیں پایا تھا کہ مجم خان نے ایک گہری سانس لے کر رندھی ہوئی آواز سے کہا ...... کہ کسی نے میرا بازو پکڑ کر جگا دیا ...... میں

نے دیکھا کہ ایک انسانی سایہ قریب ہی کھڑا ہے یہ ایک عورت کا ہیولہ تھا۔ جس نے اپنے جسم کے گرد سفید بے داغ چادر لپیٹ رکھی تھی اس عورت کے دائیں ہاتھ میں سنہری شمع دان تھا جس میں ترتیب سے تین موم بتیاں روشن تھیں ...... عورت کا چہرہ سیاہ نقاب سے ڈھکا ہوا تھا ...... اس عورت کو دیکھتے ہی خوف سے میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا۔ اور میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا ...... کون ہو تم ...... اور اتنی رات گئے مسجد ...... میں کیا کرنے ...... آئی ...... ہو۔

عورت نے نقاب کے اوپر سے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کو کہا اور مسجد کے دروازے کی طرف چل دی ...... دروازہ کے قریب پہنچ کر رکی اور مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ میں اشارہ پاتے ہی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور اس کے پیچھے چل دیا ...... عورت مسجد سے نکل کر ایک طرف کو چل دی میں اس کے عقب میں چلتا رہا ...... وہ عورت بیس پچیس قدم چلنے کے بعد مڑ کر دیکھتی تھی جیسے اطمینان کر رہی ہو ...... کہ میں آ رہا ہوں - یا- نہیں ...... عورت قبروں کے درمیان بنی ہوئی ٹیڑھی میڑھی ...... پگڈنڈیوں پر چلی جا رہی تھی ...... کچھ دور چلنے کے بعد ...... وہ ایک ایسی پگڈنڈی پر ہو گئی جو سیدھی ان قدیم مقبروں کی طرف جاتی تھی جو کہ صدیوں پرانے تھے۔ اور جنہیں - کوئی ماہر آثار قدیمہ ہی پہچان سکتا تھا کہ یہ کن ذیشان لوگوں کی ویران آرام گاہیں ہیں۔ چاروں طرف موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی ...... اور میں قبروں کے درمیان سے مڑتا بل کھاتا اور قبروں کو پھلانگتا ہوا ...... عورت کے پیچھے چلا جا رہا تھا ...... دور ایک قدیم عمارت کے کھنڈر دکھائی دیئے جس کے اردگرد ...... اونچے اونچے

درختوں کا گھنا جنگل تھا۔

○

یہ درخت کس قسم کے تھے ...... اللہ رکھی نے پوچھا۔

میں پہچان نہ سکا کہ یہ درخت کس قسم کے تھے ...... نجم خان نے جواب دیا ...... میں تو عورت کے سراپا پر نظر کئے ہوئے تھے۔

اللہ رکھی کے اس سوال پر میں چونکا اور اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن وہ میری جانب توجہ دینے کی بجائے...... بڑے ہی غور سے نجم کی داستان سن رہی تھی ...... اور نجم خان کہہ رہا تھا ...... اس عمارت کے قریب پہنچ کر وہ عورت رک گئی ...... میں بھی اس عورت کے بالکل قریب پہنچ گیا ...... اس عورت نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ایک بار پھر مجھے خاموش رہنے کی تلقین کی اور بائیں ہاتھ میں شمع دان لے کر عمارت کے اندرونی حصہ کی جانب چل پڑی ...... یہ کسی حکمران کی بہت ہی پرانی حویلی تھی ...... وہ عورت مجھے لئے ہوئے ایک طویل غلام گردش سے گزر کر کھلے صحن کے آخری سرے پر زمین سے تقریباً“ دو فٹ اونچا سنگ مرمر کا چبوترہ بنا ہوا تھا ...... چبوترہ کے اوپر پہنچ گئی۔ اور مجھے بھی قریب آنے کا اشارہ کیا ...... اوپر ایک نہایت ہی شاندار قسم کا چھپر کھٹ پڑا ہوا تھا جس کے چاروں جانب گہرے سرخ رنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ عورت نے پردہ کے قریب پہنچ کر اس کا ایک کونا تھوڑا سا اٹھا لیا۔

○

اتنا کہہ کر نجم خان سانس لینے کو رکا لیکن میں نے بے تابی سے پوچھا چھپر کھٹ

کے اندر کون تھا؟

کون تھا ...... نجم خان نے قدرے غصہ سے دہرایا ...... چھپر کھٹ کے ...... اندر ...... مسہری پر وہ ظالم لیٹا بے خبر سو رہا تھا جس نے میری دنیا اجاڑ دی تھی

یعنی ”سلاسل“ ...... میں نے پوچھا۔

ہاں ...... دوآبہ کا رئیس ”سلاسل“ سو رہا تھا ...... نجم خان نے کپکپاتے ہوئے جواب دیا ...... اس بدبخت کی شکل دیکھتے ہی ...... میرے جسم میں خون کی گردش تیز ہو گئی ...... انتقام کا جذبہ پوری شدت سے ابھر آیا ...... اگر اس وقت میرے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو اس ظالم کے سینہ کے پار کر دیتا ...... پھر بھی میں نے اس کا گلہ دبانے کی خاطر اپنے دونوں ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھا دیئے۔

پھر کیا ہوا ...... میں نے بے چینی سے پوچھا ...... کیا تم نے اس کا گلا دبا دیا۔

نہیں ...... نجم خان نے کہا ...... اس سے پہلے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ...... اس نے آنکھیں کھول دیں اور مجھے اپنی سرخ آنکھوں سے گھورنے لگا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے جسم سے جان نکل گئی ہو ...... میں سکتہ کے عالم میں آ گیا ...... اس نے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا اور نقاب پوش عورت کو مسہری پر گھسیٹ لیا ...... وہ عورت بھی اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اور اسی کوشش میں ...... اس کے چہرہ سے نقاب بھی ہٹ گیا ...... میں نے دیکھا کہ وہ ...... میری شمیم تھی ...... شمیم کو دیکھتے ہی میں چونکا اور ”

سلاسل" پر جھپٹ پڑا ...... لیکن ...... لیکن اس میں بے پناہ طاقت تھی ...... اس نے ایک ہاتھ سے مجھے دھکا دیا اور ہوا میں اڑتا ہوا چبوترہ سے دور جا پڑا ...... اور بے ہوش ہو گیا۔ علی الصبح جب مجھے ہوش آیا تو میں مسجد کے باہر قبروں کے درمیان پڑا ہوا تھا ...... وہ دن ...... اور آج کا دن ہے ...... میں اس قبرستان میں اس عمارت کو تلاش کر رہا ہوں۔

پھر عمارت ملی ...... اللہ رکھی نے پوچھا۔

نہیں ...... نجم خان نے جواب دیا کبھی ...... کبھی ...... میری شمیم کا ہیولہ آ کر مجھے اس عمارت کے بارے میں نشاندہی کرتا ہے ...... میں اس سے اس عمارت کے بارے میں پوچھتا ہوں۔

اور لوگ سمجھتے ہیں کہ تم کوئی پہنچے ہوئے شخص ہو ...... اللہ رکھی نے زیر لب تبسم سے کہا ...... تم کو ولی اللہ سمجھ کر وہ لوگ ہر وقت تمہیں گھیرے رہتے ہیں۔

اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ نجم خان نے معذرت سے کہا۔

واقعی تمہاری کوئی غلطی نہیں ...... اللہ رکھی نے جواب دیا اور میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی ...... یہ ہے تمہارے قبرستان کے پیر کی اصل حقیقت۔

○

باہر بارش کا طوفان ختم ہو چکا تھا ...... اور اب صبح کا اجالا پھیل رہا تھا ...... نجم خان اپنی نشست پر گم سم بیٹھا فرش کو تک رہا تھا ...... کچھ دیر بعد شمرال نے

چھوٹی سی میز پر ناشتہ لا کر رکھ دیا۔ اللہ رکھی ہم سب کے پیالوں میں چائے انڈیلتے ہوئے مخاطب ہوئی ...... خان! اس دنیا میں کوئی بھی شخص کسی کے باطن کو نہیں جان سکتا ...... یہاں لوگ پاگل اور دیوانوں کو بھی ولی اللہ سمجھنے لگتے ہیں۔

لیکن میں نے تو سنا ہے ...... کہ نجم خان کے منہ سے نکلی ہوئی کئی باتیں درست ہوئی ہیں میں نے جواب دیا۔

جب کبھی اس کے شعور سے "عشق مجازی" نکل جاتا ہے اللہ رکھی نے بتایا تو اس کا لاشعور بیدار ہو جاتا تھا۔ اور مستقبل کی پیش گوئی کر دیا کرتا تھا۔

مجھے تو شمیم کے عشق میں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کیا کہہ رہا ہوں ...... نجم خان نے جواب دیا یہی حال "عشق طریقت" والوں کا ہوتا ہے ...... اللہ رکھی نے ایک روغنی روٹی کا نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔

تم کیا کہنا چاہتی ہو ...... میں نے نوالہ چباتے ہوئے پوچھا۔

اللہ سے محبت کرنے والے بھی ...... اللہ رکھی نے کہا ...... جب اس کے عشق میں ڈوب جاتے ہیں تو پھر یہ کائنات ان کے لئے کھلی کتاب بن جاتی ہے۔

اللہ کے عشق میں ڈوبنے کا طریقہ کیا ہے میں نے سوال کیا۔

اس کا ہر وقت "تصور" ہونا چاہیے ...... اللہ رکھی نے بتایا ...... اور اس کا تصور قائم کرنے کے لئے "مراقبہ" بہترین طریقہ ہے۔

مراقبہ ...... میں نے اچنبھے سے پوچھا۔

ہاں مراقبہ ...... اللہ رکھی نے مسکراتے ہوئے کہا میں نے تمہیں پہلے بھی

مراقبہ کی اہمیت و افادیت بتائی تھی ...... اس ذریعہ سے جب ذہن میں تصور پختہ ہو جاتا ہے تو پھر انسان نہ صرف "لوح محفوظ" کو پڑھنے لگتا ہے بلکہ وہ اللہ سے باتیں بھی کرتا ہے۔

میں کوئی جواب دینے کے بجائے خاموشی سے ناشتا کرنے لگا ...... اللہ رکھی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ...... پھر اس کی حالت نجم خان جیسی ہو جاتی ہے۔

نجم خان جو کہ ناشتا کر چکا تھا ...... بولا ...... میرے تو دل و دماغ پر صرف اور صرف شمیم چھائی ہوئی ہے۔

اور تم اسے ہر حال میں حاصل کرنا چاہتے ہو ...... اللہ رکھی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

تمہارا عشق سچا ہے۔ ...... اللہ رکھی نے چائے کا آخری گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔

اگر میری محبت سچی ہے ...... نجم خان کے لہجہ میں جھنجلاہٹ تھی ...... تو پھر اللہ مجھے شمیم سے ملا کیوں نہیں دیتا۔

اللہ نے انسان کو وقت کا پابند کردیا ہے ...... اللہ رکھی نے بتایا یہی وجہ ہے کہ انسان کتنی ہی جلدی کرے کام وقت پر ہوتا ہے۔

میں وقت کا پابند نہیں ہوں ...... نجم خان نے اسی لہجہ میں کہا ...... مجھے اگر صرف ...... اور صرف ایک بار "سلاسل" اور مل جائے تو میں اس سے شمیم چھین لوں گا۔

آخری جملہ کے ساتھ ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں جیسے اسے غصہ آگیا ہو۔

○

اللہ رکھی اس کے غصہ پر مسکرانے لگی ...... اسی اثناء میں اس کا ملازم شمرال کمرے میں داخل ہوا اور برتن اٹھا کر خاموشی سے چلا گیا ...... اس کے جانے کے بعد ...... اللہ رکھی نجم خان سے مخاطب ہوئی تم جانتے ہو "سلاسل" کتنا طاقتور ہے۔

نجم نے اثبات میں سر ہلا دیا ...... اللہ رکھی نے حسب معمول مسکراتے ہوئے کہا ...... اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک "جن" ہے۔

"جن" ہے ...... نجم خان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا ......

تعجب تو مجھے بھی تھا لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ جن ہو کر ایک انسان سے کس طرح شادی کر سکتا ہے۔ اللہ رکھی نے جیسے میرے دل کی بات پڑھ لی ...... تمکنت سے بولی ...... انسان اور جنات میں صرف یہ فرق ہے کہ اللہ نے انسان کو جسم عطا کیا ہے جب کہ جن روشنی ہے۔

صرف روشنی ...... نجم خان نے حیرانگی سے کہا۔

انسان کا وجود گوشت پوست کا ہے اللہ رکھی نے کہا ...... اس کے جسم کے اطراف نور کا ہالہ ہوتا ہے جسے "نسمہ" کہا جاتا ہے۔ یہی وہ نسمہ ہے جو انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

اور جنات ...... میں نے پوچھا۔

وہ بھی روشنی سے بنے ہوئے ہیں اللہ رکھی نے جواب دیا ...... انکی روشنیوں کے جسم آڑے ترچھے ...... روشنیوں سے مل کر بنے ہیں ...... یہی آڑی ترچھی روشنیاں ان کے اجسام ہوتے ہیں۔

لیکن "سلاسل" تو انسانی روپ میں تھا ...... نجم نے اس کی بات کی تردید کی۔

روشنیوں کے ان اجسام کو محنت اور ریاضت سے کسی بھی روپ میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ اللہ رکھی نے وضاحت کی ...... سلاسل ایک عامل جن ہے ...... اسے یہ دسترس ہے کہ اپنے جسم کو کسی بھی روپ میں ڈھال لے۔

یہ تو تم نے عجیب بات بتائی ہے ...... میں نے عقیدت سے کہا۔

○

اللہ رکھی نے میری بات سن کر آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے "مراقبہ" میں ہو ...... پھر اس نے اپنی ناک کی جڑ پر انگشت شہادت رکھی اور بولی ...... یہ کوئی صدیوں قبل اپنے گھر والوں سے جدا ہو گیا تھا اس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی ...... اور وہ نسخہ کیمیا حاصل کر لیا جس کی بدولت وہ کوئی بھی روپ اختیار کر سکتا ہے۔

یعنی اس نے اپنے وجود کی آڑی ترچھی روشنی پر عبور حاصل کر لیا ہے ...... میں نے تائیدی لہجہ میں کہا۔

ہاں۔ یہی بات ہے ...... اللہ رکھی نے اقرار کے انداز میں سر ہلا کر کہا ...... یہ دنیا بڑی ہی حسین ہے اور اس دنیا سے لطف اندوز ہونے کی خاطر انسان ہونا

ضروری ہے ...... سلاسل نے تقریباً" ایک صدی قبل انسانی روپ اختیار کر لیا تھا۔

وہ ایک صدی سے انسان بنا ہوا ہے ...... نجم خان نے تعجب سے کہا۔

پہلے وہ کراچی کے نواح میں رہتا تھا ...... اللہ رکھی نے اپنی بات جاری رکھی ...... اس دوران اس نے کئی عورتوں سے شادیاں کیں۔

وہ ...... عورتیں کہاں ہے ...... میں نے پوچھا۔

وہ ہمیشہ ایک عورت کے مرنے کے بعد ...... دوسری عورت سے شادی کرتا ہے ...... اللہ رکھی نے جواب دیا ...... لیکن جب ہندوستان تقسیم ہوا تو اس کی شرارتوں میں کمی واقع ہو گئی۔

اچھا ...... ہم دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اتنا کہہ کر اللہ رکھی خاموش ہو گئی ...... ساتھ ہی اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں ...... ہم دونوں نے ایک ساتھ اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا ...... جیسے پوچھ رہے ہوں ...... اب وہ کہاں ہے۔

اللہ رکھی نے مسکرا کر ہم دونوں کی طرف دیکھا ...... جیسے بات سمجھ گئی ہو پھر بولی ...... اب وہ ٹھٹھہ کے گرد و نواح میں رہتا ہے۔

پھر اس نے نجم خان سے پوچھا ...... تم نے ٹھٹھہ دیکھا ہے۔

ہاں ۔ میں کئی بار اپنے چچا کے ساتھ ٹھٹھہ شہر گیا ہوں ...... نجم خان نے جواب دیا۔

اس شہر سے کچھ فاصلہ پر "مکلی" کا سینکڑوں برس پرانا قبرستان ہے ...... اللہ

رکھی نے بتایا۔

ہاں ہے ...... نجم خان نے تائید کی۔

یہاں بڑے بڑے امراء اور شاہی خاندان کے لوگوں کے عالیشان مقبرے ہیں ...... اللہ رکھی نے کہا ...... سلاسل تمہاری شمیم کے ہمراہ انہی میں سے کسی ایک مقبرہ میں رہتا ہے۔

تو پھر ...... میں سمجھ جاتا ہوں ...... نجم خان نے جواب دیا اور کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

ایسے نہیں ...... اللہ رکھی نے اسے دوبارہ کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا ...... وہ ایک عامل جن ہے اور اس سے تم ...... اس طرح جیت نہ سکو گے۔

پھر میں کیا کروں ...... اس نے اضطراب سے پوچھا۔

صبر کرو ...... صبر ...... اس نے کہا اور مجھ سے مخاطب ہوئی ...... خان! تم اس کا حلیہ درست کرو ...... میں ایک دو دن میں اس کی محبوبہ کے لئے کچھ کرتی ہوں۔

پھر وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور تنبیہہ والے لہجہ میں بولی ...... نجم خان اگر تمہیں اپنی محبوبہ چاہیے تو میرے حکم کی تعمیل کرنا ہو گی۔

میں تیار ہوں حضرت! نجم خان نے ادب سے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔

تو بس - آج سے تمہارا ٹھکانہ قبرستان نہیں بلکہ یہ کمرہ ہے ...... اللہ رکھی نے جیسے حکم دیا ...... تم خان کے ساتھ اسی کمرہ میں رہو گے - اور سب سے پہلے اپنا حلیہ درست کرو گے۔

آخری جملہ ادا کرنے کے بعد وہ مڑی اور اندرونی کمروں میں سے ایک کا دروازہ کھول کر چلی گئی۔

○

میں نے اس بستی میں موجود ایک حجام کی دوکان سے نجم خان کی داڑھی ، مونچھیں اور سر کے بال ترشوا دیئے اور واپس گھر لا کر اسے نہلا دھلا کر شلوار قمیض کا نیا جوڑا پہننے کو دیا ...... اب وہ ایک نہایت ہی خوبرو نوجوان نظر آتا تھا ...... میں اپنے کمرہ کی کھڑکی سے دیکھتا تھا کہ جو لوگ اسے ولی سمجھتے تھے، بیری کے درخت کے پاس آتے، چند لمحے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ، اور اسے نہ پا کر مایوسی سے لوٹ جاتے ...... نجم خان خود بھی ان کی سادہ لوحی پر ہنستا تھا۔

مجھے اس کمرہ میں نجم خان کے ساتھ رہتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا۔ اور اس ایک ہفتہ میں شاید ہی کوئی ایسا لمحہ آیا ہو گا جب کہ اس کا دل و دماغ سے شمیم کا خیال نکلا ہو ...... وہ ہر وقت اپنی شمیم کی یاد میں ڈوبا رہتا تھا ...... اور وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح سے اس جگہ پہنچ جائے جہاں سلاسل نے اس کی محبوبہ کو قید کر رکھا ہے۔

ایک ہفتہ گزرنے کے بعد ...... ایک دن ...... جب کہ میں ڈرائنگ روم میں تنہا بیٹھا ہوا تھا اور نجم خان خوابگاہ کی کھڑکی میں کھڑا قبرستان کا نظارہ کر رہا تھا ...... اللہ رکھی اندر داخل ہوئی اور میرے سامنے والے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا ...... نجم خان کہاں ہے۔

اندر ہے ...... میں نے جواب دیا۔

کیسا ہے یہ ...... اس نے پوچھا۔

بس۔ ہر وقت اپنی شمیم کی یاد میں کھویا رہتا ہے ...... میں نے کہا۔

اس کا عشق صادق ہے ...... اللہ رکھی نے کہا۔ اگر یہ چاہتا تو اس عشق کے سارے معرفت الٰہی حاصل کر سکتا تھا۔

کیا مطلب ...... میں نے اچنبھے سے کہا۔

اللہ کو "عشق" اور عاجزی پسند ہے ...... اللہ رکھی نے صوفہ کی پشت سے کمر لگاتے ہوئے کہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے عورت کو اپنی صفت تخلیق میں شامل کیا ہے۔

میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا ...... میں نے سپاٹ لہجہ میں کہا۔

انسان تخلیق کے جتنے بھی مراحل ہیں ...... اللہ رکھی نے سمجھایا ...... اس میں عورت اللہ کی معاون و مددگار ہے ...... بطن مادر سے لے کر شیر خواری تک عورت اس کی تعمیر میں مددگار ہوتی ہے۔

ہاں یہ بات تو ہے ...... میں نے اقرار میں سر ہلایا۔

تم مجھ سے عشق کرو گے ...... اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

میں اس کی بات سن کر بوکھلا گیا ...... میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ مذاق کر رہی ہے یا سنجیدہ ہے۔ ابھی میں پریشان نظروں سے اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ نجم خان ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

○

اس نے آکر ہم دونوں کو سلام کیا پھر بڑی ہی عقیدت سے اللہ رکھی کے

ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور میرے برابر والے صوفہ پر آ کر بیٹھ گیا ...... اللہ رکھی نے اس کی خیریت دریافت کی۔ جس کے جواب میں اس نے کہا ...... حضرت! میری شمیم مل جائے تو دل کو قرار اور ذہن کو سکون مل جائے۔

ہونہہ ...... اللہ رکھی نے گہری سانس لے کر کہا ...... اگر میں تم سے یہ کہوں کہ شمیم کو بھول جاؤ۔

یہ میرے بس میں نہیں ہے ...... نجم خان نے جواب دیا ...... وہ میری زندگی ہے ...... اس کے بغیر مجھے اپنی زندگی اجیرن لگتی ہے۔

تم عجیب آدمی ہو ...... اللہ رکھی نے کہا۔ پھر میری طرف ایک نظر ڈال کر بولی ...... تمہیں اپنی محبوبہ کے عشق میں اس کے بغیر اپنی زندگی اجیرن معلوم ہوتی ہے ...... جب کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے دل عشق سے بالکل ہی نا آشنا ہیں۔

میں اللہ رکھی کے طنز کو سمجھ گیا ...... اور ابھی جواب دینے کی سوچ ہی رہا تھا کہ نجم خان بولا ...... مجھے دنیا کے لوگوں سے کیا غرض مجھے تو ...... اپنی شمیم چاہیے۔

بڑے ہی خود غرض ہو تم ...... اللہ رکھی نے کنکھیوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا ...... اپنی محبوبہ کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کرتے۔

حضرت! ...... نجم خان نے افسردگی سے کہا ...... میں اپنا دل چیر کر دکھا سکتا ہوں کہ اس کے فراق میں ...... دل چیر کے دکھانے کی ضرورت نہیں ...... اللہ رکھی نے اس کی بات کاٹی ...... تمہاری حالت سے واقف ہوں۔

تو پھر مجھ پر رحم کیجئے حضرت! ...... وہ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا ...... کسی بھی طرح مجھے شمیم سے ملا دیجئے۔

شمیم سے ملنا کچھ مشکل نہیں ہے ...... اللہ رکھی نے کہا ...... لیکن اس کے لئے تمہیں سخت امتحان سے گزرنا ہو گا۔

میں ہر امتحان کے لئے تیار ہوں ...... اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

خوب سوچ لو ...... اللہ رکھی مسکرائی ...... اس امتحان میں تمہاری جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔

میں موت سے نہیں ڈرتا ...... نجم خان نے کہا ...... اپنی شمیم کی خاطر تو میں ہزار جانیں بھی قربان کر سکتا ہوں۔

خوب اچھی طرح سے سوچ لو ...... اللہ رکھی نے تنبیہہ والے انداز میں کہا ...... تمہارا واسطہ "سلاسل" سے ہے اور وہ ایک "جن" ہے

سلاسل جنات کا باپ کیوں نہ ہو ...... نجم خان نے غصہ سے کہا ...... میں ہر حال میں شمیم کو اس کے پنجہ سے آزاد کراؤں گا۔

محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے ...... اللہ رکھی نے پہلے ہی کی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن ان دونوں میدانوں میں کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جو جوش کی بجائے ہوش سے کام لیتے ہیں۔

میں آپ کی بات سمجھتا ہوں ...... نجم خان نے جواب دیا ...... لیکن کیا کروں "سلاسل" کا نام آتے ہی مجھے خود پر قابو نہیں رہتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اسے ایک انسان سمجھتے ہو ...... اللہ رکھی نے صوفہ پر پہلو بدل کر کہا۔ جب کہ تمہارے دماغ میں یہ بات رہنا چاہیے کہ وہ انسان

نہیں بلکہ "جن" ہے۔

ہاں ...... وہ جن ہے ...... جن ...... نجم خان نے ٹھوس لہجہ میں کہا ...... ایک عامل جن۔

لیکن اب اس کا "وقت" پورا ہو چکا ہے ...... اللہ رکھی نے نجم خان کے چہرہ پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا ...... اس نے عرصہ سے خواتین کو تنگ کر رکھا تھا ...... اور اس کی شرارتوں کا آخری نشانہ تمہاری شمیم بنی ہے۔

تم یہ کس طرح کہہ سکتی ہو کہ اس کا "وقت" پورا ہو چکا ہے ...... میں نے سرگوشی سے پوچھا۔

اس کے انجام کے احکام جاری ہو چکے ہیں ...... اللہ رکھی نے بھی سرگوشی سے جواب دیا۔

تو کیا "جنات" کے فیصلے بھی اللہ کے نظام کے تحت ہوتے ہیں ...... میں نے شک ظاہر کیا۔

اس دنیا جو بھی موجود ہے اللہ کے نظام کا مرہون منت ہے ...... اللہ رکھی نے بتایا کہ سورہ رحمٰن میں اللہ نے جن و انس کو مخاطب کر کے نہیں کہا کہ تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یہ سن کر میں خاموش ہو گیا لیکن نجم خان التجا آمیز لہجہ سے بولا ...... حضرت! مجھے کوئی ایسا طریقہ بتایئے جس پر عمل کر کے مجھے شمیم مل جائے۔

بتاتی ہوں.... بتاتی ہوں ...... اللہ رکھی نے تسلی و تشفی سے کہا ...... سلاسل کو حاصل کرنے کے لئے تمہیں ایک عمل کرنا ہو گا۔

میں تیار ہوں ...... نجم خان نے کامل اعتماد سے کہا۔

یہ تسخیر "جن" کا عمل ہے ...... اللہ رکھی بولی ...... اس عمل کے دوران اگر تم سے ذرا سی بھی چوک ہو گئی تو تم عشیم کو نہیں حاصل کر سکو گے۔

حضرت! آپ مطمئن رہیں ...... نجم خان نے اعتماد سے کہا ...... آپ مجھے وہ عمل بتایئے۔

عمل سیکھنے سے پہلے ...... اللہ رکھی نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا ...... تمہیں چند باتوں کا خاص خیال رکھنا ہو گا۔

میں تمام پابندیوں کے لئے تیار ہوں ...... نجم خان نے بے چینی سے کہا۔

سب سے پہلے تو تمہیں ہر وقت پاک و صاف رہنا ہو گا ...... اللہ رکھی نے ہدایت کی ...... دوئم جب تک تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتے ...... تمہیں صرف دودھ پر گزارا کرنا ہو گا۔

صرف دودھ پر ...... میں نے تعجب سے پوچھا۔

چپ رہو تم ...... اللہ رکھی نے پیار سے ڈانٹا ...... تم تو کچھ نہیں کر سکتے ...... پھر وہ نجم خان سے مخاطب ہوئی بولو تیار ہو۔

ہاں۔ میں تیار ہوں ...... نجم خان نے جھٹ سے جواب دیا۔

تمہیں "مکلی" جانا ہو گا ...... اللہ رکھی نے جیسے حکم دیا ...... وہاں دو سو سال پرانا ایک مقبرہ ہے جس کی شکل اس طرح کی ہے۔

آخری الفاظ کے ساتھ ہی اس نے نجم خان کی طرف ایک کاغذ بڑھا دیا ......

نجم خان نے جلدی سے کاغذ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا ...... مجھے تعجب اس بات پر تھا کہ اللہ رکھی تو خالی ہاتھ بیٹھی تھی ...... پھر یہ ایکا ایکی کاغذ اس کے ہاتھ میں کہاں سے آ گیا؟

اس کاغذ پر کسی کے مقبرہ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ جسے وہ بڑی ہی حیرانگی سے دیکھ رہا تھا ...... اور میں سوچ رہا تھا ...... کہ ممکن ہے' وہ یہ کاغذ اپنے ساتھ ہی لے کر آئی ہو' اور اپنے قریب ہی صوفہ پر رکھ دیا ہو۔

یہی ہے ..... یہی ہے ...... نجم خان تصویر پر نظریں گاڑے ہوئے بڑبڑایا ...... یہی وہ جگہ ہے۔

کونسی جگہ ...... اللہ رکھی نے مسکرا کر پوچھا۔

جہاں عشیم مجھے لے کر گئی تھی ...... نجم خان نے تصویر پر نظریں جمائے ہوئے جواب دیا ...... جہاں سلاسل سو رہا تھا۔

یہی سلاسل کا ٹھکانہ ہے ...... اللہ رکھی نے بتایا ...... اس نے تمہاری عشیم کو یہیں قید کر رکھا ہے۔

تو پھر میں "مکلی" جاتا ہوں ...... نجم خان نے جواب دیا۔ اور غصہ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

بیٹھ جاؤ ...... اللہ رکھی نے قدرے غصہ سے کہا ...... تم پھر جذبات میں آ گئے ہو ..... کیا تم اس طرح ...... اس پر آسانی سے قابو حاصل کر لو گے۔ جب کہ وہ بے انتہا طاقتور ہے ...... اور تمہیں اس کی طاقت کا بھی اندازہ ہو چکا ہے۔

یہ سنتے ہی نجم خان دوبارہ اپنی جگہ پر اس طرح بیٹھ گیا جس طرح ابلتا

ہوا دودھ آنچ کم کرنے سے بیٹھ جاتا ہے۔

میں تمہیں بار بار سمجھا چکی ہوں ..... اللہ رکھی نے اسی طرح غصہ سے کہا ..... اور اب آخری بار سمجھا رہی ہوں کہ اگر تم نے ہوش کی بجائے جوش سے کام لیا ..... تو کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔

میں نادم ہوں ..... نجم خان نے شرمندگی سے جواب دیا۔

غلطی کو بار بار نہیں معاف کیا جاتا ..... اللہ رکھی کا لہجہ پہلے ہی جیسا تھا۔

میں وعدہ کرتا ہوں ' اب ہوش سے کام لوں گا ..... نجم خان نے ملتجی لہجہ میں کہا۔

لیکن ..... بہتر ہے ..... پہلے تمہارا جوش ختم کر دیا جائے ..... اللہ رکھی نے جواب دیا پھر نرم لہجہ میں بولی ویسے بھی ابھی "وقت" ہے۔

تو ..... تو ..... پھر میں کیا کروں ..... نجم نے پوچھا۔

تم آج رات سے روزانہ ایک ہزار بار سورہ فاتحہ پڑھا کرو ..... اللہ رکھی نے کہا۔ پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولی ..... وہ تصویر مجھے واپس دے دو۔

نجم خان نے تصویر واپس دے دی۔ اللہ رکھی نے تصویر لے کر کہا ..... آج سے تم صرف دودھ پر گزارا کرو گے۔

اور میں کیا کروں گا ..... میں نے ازراہ مذاق پوچھا۔

تم مزے کرو ..... اس نے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی ..... پھر بغیر کچھ کہے سنے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اسی رات سے نجم خان نے عشاء کی نماز کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنی شروع کر دی۔ ساتھ ہی اس نے دودھ بھی پینا شروع کر دیا ..... کھانے کے وقت شمرال میرے لئے تو سبزی اور گوشت وغیرہ لے آتا تھا لیکن نجم خان کے لئے صرف دودھ ہوتا تھا ..... تین چار دن کے اندر ہی نجم خان میں نمایاں تبدیلی ہونے لگی۔ وہ جو ہر وقت اپنی شمیم کی یاد میں کھویا رہتا تھا ..... اب دوسری باتیں بھی کرنے لگا تھا ..... اسی دوران ایک عجیب انکشاف اور بھی ہوا ..... جب تک وہ یہ وظیفہ پڑھتا رہتا تھا کسی قسم کا اسے خوف نہیں ہوتا تھا لیکن جونہی وہ وظیفہ ختم کر کے اٹھتا تھا اور سونے کے لئے بستر پر لیٹتا تھا ..... تو طرح طرح کے وسوسے ..... وہم اور اضطراب انگیز تصورات اس پر حاوی ہونے لگتے ..... فضا میں پراسرار آوازیں سنائی دینے لگتیں اور کبھی کبھی اسے یہ محسوس ہوتا کہ جیسے کوئی نادیدہ شخص کمرہ کی کھڑکی اور دروازے سے اسے دیکھ رہا ہے۔ لیکن یہ ایسا بے خوف عاشق تھا ..... کہ صرف چونک کر ادھر ادھر اس طرح سے دیکھتا تھا ..... جیسے دشمن کو تلاش کر رہا ہو ..... اس کی کیفیت دیکھ کر میرے ذہن میں کئی سوال ابھرتے تھے ..... لیکن میں اس سے ..... اس لئے زیادہ بات نہیں کرتا تھا کہ کہیں اللہ رکھی ناراض نہ ہو جائے ..... اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا..... اس ایک ہفتہ گزرنے کے بعد ..... ایک دن جب کہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی ..... نجم خان وظیفہ ختم کر کے بستر پر سونے کے لئے لیٹا ہی تھا ..... کہ شمرال کمرہ میں داخل ہوا۔ اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی ..... اور نجم خان کو اشارہ سے اپنے قریب بلایا ..... اس کے خیال کے مطابق میں سو چکا تھا۔ حالانکہ میں صرف

آنکھیں بند کئے لیٹا تھا اور جونہی شمرال ...... اندر داخل ہوا ...... میں آدھی
آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا ...... نجم خان فورا" بستر سے اٹھا۔ اور شمرال کے
قریب پہنچ گیا ...... شمرال نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کو کہا
اور پھر...... اسے بازو سے پکڑ کر دبے پاؤں اندرونی کمرہ میں لے گیا .... میں نے
ان کے جاتے ہی پوری ...... آنکھیں کھول دیں ...... نجم خان واقعی اپنے پلنگ پر
موجود نہیں تھا۔ اور اندرونی کمرے کا دروازہ بھی بند تھا ...... میری سمجھ میں نہیں آ
رہا تھا ...... کہ شمرال نجم خان کو لے کر اندر کیوں گیا ...... جب کہ مجھے یہاں
رہتے ہوئے عرصہ گزر چکا تھا ...... لیکن شمرال نے کبھی بھی مجھے ڈرائنگ روم
سے آگے نہیں بڑھنے دیا تھا۔ پھر نجم خان تو نیا نیا تھا شمرال اسے اندر کیوں لے
گیا ...... پھر میں نے سوچا۔ ممکن ہے کہ اسے اللہ رکھی نے بلایا ہو۔ میں نے رات کا
پچھلا حصہ اسی انتظار میں گزارا ...... پھر صبح کاذب کے وقت نیند نے زبردست
غلبہ کیا ...... اور میں سو گیا۔

○

اس دن ...... میں نجم خان سے کوئی بات نہ کر سکا ...... اور نہ ہی یہ معلوم
کر سکا کہ آدھی رات کو شمرال اسے لے کر کہاں گیا تھا ..... میں چاہتا تھا کہ نجم
خان خود ہی سب کچھ بتا دے ..... لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کچھ نہ بتانے کی
قسم کھا رکھی ہے۔

اس رات کے بعد ...... ہر رات یہی ہوتا تھا ...... کہ میں اپنے بستر پر
آنکھیں بند کئے لیٹا ہوتا تھا اور شمرال آدھی رات گزرنے کے بعد نجم خان کو اٹھا

کر لے جاتا تھا ...... اس طرح ایک ہفتہ سے زیادہ گزر گیا اور میرے ضبط کا بند
ٹوٹ گیا ...... اس دن بھی نجم خان حسب معمول کھڑکی میں کھڑا قبرستان کا نظارہ
کر رہا تھا ...... سورج غروب ہو چکا تھا اور رات کا دھندلکا پھیلنے کو تھا ...... شمرال
ہم دونوں کے لئے چائے میز پر رکھ کر جا چکا تھا ...... کہ میں نے نجم خان کو مخاطب
کیا ...... چائے آگئی ہے پی لو۔ میری آواز سن کو وہ کھڑکی سے ہٹ گیا اور میرے
سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر کیتلی سے چائے کپ میں انڈیلنے لگا ...... کہ میں نے
پوچھا ...... یہ آدھی رات کے بعد ...... تم کہاں جاتے ہو ...... میری بات سن کر
اس نے مجھ پر ایک نظر ڈالی اور چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا ..... میں نے پوچھا۔

تم اللہ رکھی کو کب سے جانتے ہو ..... اس نے الٹا مجھ سے پوچھ لیا۔

تقریبا" ایک سال سے ...... میں نے جواب دیا۔

اتنے عرصہ سے تم اسے جانتے ہو ...... نجم خان نے کہا ..... اور پھر بھی مجھ
سے پوچھ رہے ہو کہ رات کو کہاں جاتا ہوں۔

ہاں۔ کیونکہ میں کبھی بھی اس مکان کے اندرونی حصہ میں نہیں گیا ....
میں نے کہا۔

ہونہہ۔ مکان کا اندرونی حصہ ...... وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر چائے کا گھونٹ
لے کر بولا۔ میری خود سمجھ میں نہیں آتا کہ جب میں اس مکان کے اندرونی حصہ
میں داخل ہوتا ہوں ...... تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں پرانے کسی چھوٹے
سے محل میں آگیا ہوں۔

ہاں تو یہ کہو ...... میں نے طنزیہ لہجہ میں کہا ...... کہ اللہ رکھی نے اس مکان کے اندرونی حصے کو ہر آسائش زندگی سے سجا رکھا ہے ......ظاہر طور پر وہ خود کو تارک الدنیا اور اللہ والی ثابت کرتی ہے۔

ہے تو "اللہ والی" ...... نجم خان نے پر اعتماد انداز میں کہا۔

چھوڑو یار ...... میں نے پھر طنزیہ کہا ...... تم مجھ سے زیادہ اسے نہیں جان سکتے۔

دلچسپ بات تو یہی ہے کہ میں تھوڑے ہی عرصہ میں اسے تم سے زیادہ جان گیا ہوں ...... نجم خان نے جواب دیا۔

اچھا میں نے تمسخر سے پوچھا ...... وہ کیسے۔

○

میری بات سن کر ...... اس نے جلدی سے کپ خالی کر کے میز پر رکھ دیا اور اپنی کمر کرسی سے لگائے ہوئے بولا .... وہ علم کا بیش بہا خزانہ ہے ...... وہ علم کا ایک ایسا سمندر ہے جس سے ہر طرز فکر کا شخص اپنی علمی تشنگی دور کر سکتا ہے۔

بھئی! ایسا کونسا علم ہے اس کے پاس ...... میرے لہجہ میں بدستور طنز تھا۔

میں خاک کا ذرہ اس کے علم کا احاطہ تو نہیں کر سکتا ..... نجم خان نے عقیدت سے کہا ..... لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ...... یہ عورت ظاہری و باطنی علوم سے واقف ہے۔

وہ کیسے ...... میں نے ایک بار پھر تمسخر سے پوچھا۔

اس کی عمر کا بہت بڑا حصہ سیر و سیاحت میں گزرا ہے ...... نجم خان نے بتایا ...... اس کا ثبوت یہ ہے کہ کوئی بھی واقعہ آج سے ایک ہزار سال قبل گزرا ہو یا ...... آج کا ہو ...... اللہ رکھی اس کے تمام جزئیات سے واقف ہے

یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ...... میں زور سے ہنسا ...... تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے لوگ ماضی کے تمام بڑے اہم واقعات سے آگاہ ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی ...... نجم خان نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا ...... وہ نہ صرف "عارف کامل" ہے بلکہ بہت بڑی کیمیا گر بھی ہے۔

ایں ...... میں چونکا ...... کیا کہہ رہے ہو ...... وہ ایک کیمیا گر۔

سنو تو ...... اس نے میری حیرانگی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا ...... اس نے ایک رات مجھے "پیتل" کو سونے میں تبدیل کر کے دکھایا بھی ہے۔

ارے نہیں ...... میں نے تعجب سے کہا۔

یہ سچ ہے ...... اس نے ٹھوس لہجہ میں کہا ...... وہ اب اس علم کو مردود قرار دے کر ترک کر چکی ہے۔

اس لئے کہ ہر شخص کو آسانی سے دھوکا نہیں دے سکتی ...... میں نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔

تم بالکل میری ہی طرح ہو ...... وہ مسکرایا ...... میرے ذہن پر ہر وقت شیم چھائی رہتی تھی اور تمہارے ذہن میں شک و شبہ کا غلبہ رہتا ہے۔

اس کی یہ بات سن کر میں کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔

○

مجھے خاموش دیکھ کر وہ دوبارہ بولا ...... تم اعتبار کرو یا نہ کرو ...... یہ حقیقت ہے کہ کائناتی سسٹم میں اسے خاص اہمیت ہے ...... اور وہ کوئی کام "بے وقت" نہیں کرتی۔

یہ تو مجھے معلوم ہے ...... میں نے اس کی تائید کی ...... لیکن یہ سونا بنانے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

تم "سونے" کی بات کرتے ہو ...... نجم خان نے عقیدت سے کہا .... وہ کیمیا گری کے علاوہ لیمیا ...... ہیمیا ...... سیمیا اور ریمیا کے بارے میں بھی جانتی ہے۔

یہ کونسے ہم قافیہ علوم ہیں ...... میں نے مذاق اڑایا۔

ان علوم کی تشریح تو مجھے بھی نہیں معلوم ...... نجم خان نے بتایا ...... لیکن اللہ رکھی کا کہنا ہے کہ ان علوم کے ذریعہ دنیا کی کایا پلٹی جا سکتی ہے ...... لیکن ان علوم کو سیکھنا اور عمل کرنا ...... ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

تو پھر اس کے بس میں کیا ہے ...... میں نے جھنجھلا کر پوچھا۔

اس کے بس میں بہت کچھ ہے ...... نجم خان نے برجستہ جواب دیا ...... انہی علوم میں سے ...... ایک "روح" کی منتقلی کا علم ہے۔

یہ ساری سنی سنائی باتیں ہیں ...... میں نے ...... اکھڑ لہجہ میں کہا ...... میں نے آج تک کسی کو "روح" منتقل کرتے نہیں دیکھا۔

دیکھا تو میں نے بھی نہیں۔

"روح" تو ایک بار ہی منتقل ہوتی ہے ...... میں نے بات کاٹی ...... اور

انسان قبر میں چلا جاتا ہے۔

لیکن میں نے روح کو منتقل ہوتے دیکھا ہے ...... نجم خان نے جواب دیا۔

ایں ...... وہ کیسے ...... میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

ایک رات ...... وہ خلاء میں دیکھتے ہوئے بولا ...... اللہ رکھی نے کہا ...... آج میں تمہیں "روح" کی منتقلی کا عملی مظاہرہ کر کے دکھاتی ہوں ...... اس کے بعد اس نے اپنے ملازم شمرال کو بلایا ...... دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے ...... دونوں کی نگاہیں ...... ایک دوسرے کی نگاہوں میں پیوست تھیں ...... پھر کچھ دیر بعد ...... دونوں نے آنکھیں بند کر لیں اور سانس بھی روک لئے ...... چند ثانیہ بعد ...... ان دونوں نے آنکھیں کھول دیں ...... اب شمرال مجھ سے زنانی آواز میں بات کر رہا تھا ...... اور اللہ رکھی مردانہ آواز میں۔

ارے یہ سب شعبدہ بازیاں ہیں ...... میں نے لاپرواہی سے کہا ...... دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ دیا ہو گا ...... تم میری آواز میں بولنا ...... اور میں تمہاری آواز میں بولوں گی۔

تم کچھ بھی کہو ...... نجم نے یقین سے کہا ...... یہ مظاہرہ دیکھ کر خوف سے میری گھگھی بندھ گئی تھی ...... اور اگر کچھ دیر بعد اللہ رکھی کلمہ پڑھتے ہوئے اپنے اصل روپ میں نہ آ جاتی ...... تو میرا دم ہی نکل گیا ہوتا۔

ہاں ...... یاد آیا ...... میں نے چونک کر کہا ...... یہ اللہ رکھی کا ملازم "شمرال" بھی تو "جن" ہے۔

جب ہی اللہ رکھی کہہ رہی تھی ...... نجم خان نے سوچتے ہوئے بتایا ...... کہ

جنات کو یہ دسترس حاصل ہے کہ وہ جب چاہیں کسی کمزور کے جسم میں حلول کر سکتے ہیں ...... اور اس مظاہرہ کا مقصد بھی یہی بتانا تھا کہ "سلاسل" برسوں سے اسی طریقہ پر انسانی عورتوں کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔

اچھا۔ ان تمام باتوں کو چھوڑو ...... میں نے عدم دلچسپی سے کہا ...... یہ بتاؤ ...... تمہاری شمیم کے لئے وہ کیا کر رہی ہے۔

اس نے اب تک مجھے "حصار" کھینچنے کا طریقہ بتایا ہے ...... نجم خان نے کہا ...... شاید ایک دو رات میں کچھ بتائے ...... اتنا کہہ کر اس نے اپنے اطراف میں نظریں دوڑائیں اور بولا ...... نماز کا وقت ہو گیا ہے ...... آخری الفاظ کے ساتھ ہی وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے اٹھتے ہی قبرستان میں واقع مسجد سے اذان بلند ہوئی ...... مجھے سخت حیرت تھی ...... کہ نجم خان کو کیسے پتا چل گیا ...... کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے کیونکہ جب ہم نے گفتگو کا آغاز کیا تھا ...... تو سورج چھپ چکا تھا اور رات کی سیاہی نے پھیلنا شروع ہی کیا تھا ...... ہم دونوں کی گفتگو کتنی دیر جاری رہی ...... مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ لیکن شاید نجم کو صحیح اندازہ تھا ــیا۔ پھر اسے اللہ رکھی نے "وقت" معلوم کرنے کا کوئی طریقہ بتا دیا تھا۔

ابھی دو تین راتیں ہی گزری تھیں کہ ایک صبح جب کہ میں اور نجم خان ناشتا کر رہے تھے ...... تو اللہ رکھی کمرہ میں داخل ہوئی اور ہم دونوں کے درمیان میں پڑی ہوئی تیسری خالی کرسی پر بیٹھ گئی ...... جب نجم خان دودھ کا پیالہ ختم کر چکا تو اللہ رکھی اس سے مخاطب ہوئی ...... میں نے تمہیں "وظیفہ" بتا دیا ہے ...... اور اب یہ تمہارا کام ہے ...... کہ اس وظیفہ کے ذریعہ ہی اپنی شمیم کو

حاصل کر لو۔

میں آپ کا احسان عمر بھی نہیں بھولوں گا ...... نجم خان نے عزت و احترام سے کہا۔

اس میں احسان کی کیا بات ہے ...... اللہ رکھی نے اطمینان سے جواب دیا ...... تم مکافات عمل کے مطابق ہر کام انجام دے رہے ہو ...... اور سلاسل کا خاتمہ تمہارے ہی ذریعہ ہونا ہے۔

کیوں۔ کیا میں اس کا خاتمہ نہیں کر سکتا ...... میں نے اس کی بات کی تردید کرنے کی خاطر کہا۔

ہر کام کا وقت اور وسیلہ ہوتا ہے ...... اللہ رکھی نے سمجھایا ...... سلاسل اپنے انجام کو اسی کے ہاتھوں پہنچے گا۔

یہ ایسی ٹھوس دلیل تھی جس کا میرے پاس جواب نہیں تھا۔ لہذا۔ خاموش ہو گیا ...... وہ دوبارہ نجم خان سے مخاطب ہوئی ...... تمہیں سات راتوں میں یہ وظیفہ پورا کرنا ہے ...... ساتویں رات "سلاسل" خود شمیم کو آزاد کر دے گا ...... لیکن اس دوران وہ تمہارا وظیفہ خراب کرنے کے ہر ممکن کوشش کرے گا ...... لیکن خبردار ...... جب تک وظیفہ کا ورد ختم نہ ہو جائے، تم کسی بھی حال میں حصار سے باہر نہ نکلنا۔

نہیں ...... میں کسی بھی حال میں حصار سے باہر نہیں آؤں گا ...... نجم خان نے اقرار کیا۔

تمہیں یہ وظیفہ سلاسل کی جائے رہائش کے باہر واقع ایک شکستہ مسجد کے

حجرے میں پڑھنا ہو گا اللہ رکھی نے سمجھایا ...... تم حصار میرے دیئے ہوئے خنجر کی نوک سے قائم کرو گے ...... اور وظیفہ کے ورد ختم ہونے کے بعد بلا خوف باہر آ جاؤ گے۔

جی بالکل ...... ایسا ہی ہو گا ...... نجم خان نے احترام سے کہا۔

تمہارے ساتھ میرا خان بھی جائے گا ..... اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں ...... میں ..... کیا کروں گا ...... میں نے بوکھلا کر کہا۔

تم نجم خان کی حفاظت کرو گے ...... اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

میں ...... میں ...... کس طرح حفاظت کروں گا ...... میں نے پریشانی سے کہا۔

اگر یہ اتفاق سے سلاسل کے بہکانے میں حصار سے باہر آ جائے ...... اللہ رکھی نے سنجیدگی سے کہا ...... تو تم صرف سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر پھونک مار دینا۔

واہ! یہ بھی خوب رہی ...... میں نے اعتراض کیا ...... ایک ہزار بار سورہ فاتحہ پڑھنے کو تو ...... اسے کہا .... اب برے وقت میں مجھ سے کہہ رہی ہو .... کہ اس پر دم کر دینا ...... بھلا سوچو تو جب کہ میں نے ایک بار بھی سورہ فاتحہ نہیں پڑھی ...... تو پھر اس پر کیا اثر ہو گا۔

مزہ تو یہی ہے ...... اس نے زور سے ہنستے ہوئے کہا .... تم جیسے جاہل کی زبان میں صرف ایک بار پڑھنے سے اتنی تاثیر ہے کہ حواس باختہ شخص بھلا چنگا ہو جائے

تمہاری یہ منطق میری سمجھ میں تو نہیں آئی ...... میں نے روکھے لہجہ سے جواب دیا۔

میری کوئی بھی بات آج تک تمہاری سمجھ میں آئی ہے ...... اللہ رکھی نے پیار سے کہا ...... لیکن یہ بھی اللہ کی مرضی ہے پھر پھرا کر آتے میرے ہی پاس ہو۔

اگر میرا آنا تمہیں برا لگتا ہے ...... میں نے قدرے ناراضگی سے کہا ..... تو چلا جاتا ہوں۔

اوہو ...... میرا چاند ناراض ہو گیا ...... اس نے اپنائیت سے کہا .... ارے تم خود تھوڑے آئے ہو ...... تمہیں تو ڈیوڈ، ہیرا لال اور الم وانگ نے یہاں بھیجا ہے۔

یہ سن کر خاموش ہو گیا ...... وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بولی ...... ناشتا کے بعد ..... تم دونوں ٹھٹھہ روانہ ہو جانا۔ وہاں مکلی کے قبرستان میں سیاہ و سبز گنبد والی عمارت ڈھونڈنا ..... اور اس کے اطراف میں ہی شکستہ مسجد بھی واقع ہوگی۔

اس کے بعد وہ نجم خان سے مخاطب ہوئی ...... تمہیں ...... کیا کرنا ہے ...... سب کچھ بتا چکی ہوں ...... آخری الفاظ کے ساتھ ہی وہ جانے کے لئے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی ...... اس کے کھڑے ہوتے ہی ...... ہم دونوں بھی کھڑے ہو گئے۔

نجم خان کی کامیابی کی اطلاع تم مجھے دو گے ...... اس نے شوخی سے میرے سینہ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

میری تو یہ تمنا ہے ...... کہ شمیم کو لے کر آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوں ...... نجم خان نے عقیدت سے کہا۔

اس کی ضرورت نہیں ...... اس نے نجم خان کو منع کیا ...... تم شمیم کو لے کر اپنے شہر چلے جانا ...... اور میرے پاس صرف میرا چاند آئے گا۔

آخری الفاظ اس نے ایک بار پھر مجھے مخاطب کر کے کہے ...... اور پھر ...... خدا حافظ کہہ کر کمرہ میں چلی گئی۔

○

ہم دونوں بس کے ذریعے ٹھٹھہ پہنچ گئے ...... ہم نے ظہر کی نماز شاہجہانی مسجد میں پڑھی اور مکلی پہاڑی کی طرف روانہ ہو گئے ...... مکلی کا قبرستان میلوں پھیلا ہوا تھا ...... نجم نے اپنے تھیلے میں سے ایک کاغذ نکالا ...... یہ وہی کاغذ تھا جو چند دن پہلے اللہ رکھی نے اسے دکھایا تھا ...... اس کاغذ پر سلاسل ...... کی رہائش گاہ کا نقشہ بنا ہوا تھا ...... میں نے غور سے اس نقشہ کو دیکھا .... اس عمارت سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک شکستہ مسجد کے آثار بھی تھے۔

نجم خان نے نقشہ کو ہاتھ میں تھام لیا ...... اور پھر ...... ہم دونوں مقبروں کے گنبد دیکھتے ہوئے بڑھنے لگے .... اس شہر خموشاں میں دور دور تک کسی انسان کا پتا نہیں چلتا تھا ...... یہاں سینکڑوں کچی اور پکی قبریں ہیں جن پر کوئی تکیہ نہیں ہے ...... کوئی لوح نہیں ہے ...... بعض قبروں پر عالیشان عمارتیں بنی ہوئی ہیں جن پر سنگتراشی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ...... اس شہر خموشاں میں کئی تاریخ ساز ہستیاں بھی محو خواب ہیں اور ان کی قبروں پر شاندار مقبرے ہیں ...... یہاں

ان بیرونی حملہ آوروں کی بھی آخری آرام گاہیں ہیں جنھوں نے سندھ کو سونے کی چڑیا سمجھ کر اسے پنجرہ میں قید کرنا چاہا لیکن خود اس خاک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید ہو گئے۔

ہم دونوں مطلوبہ مقبرے کو تلاش کرتے ہوئے قبرستان کے بالکل آخری سرے پر آ گئے اور اس کے ساتھ ہی ہم پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ہمارے سامنے سبز اور سیاہ کاہی والی گنبد کی عالیشان عمارت تھی ...... نجم خان بار بار ...... ہاتھ میں پکڑی ہوئی تصویر کو دیکھتا اور پھر اس عمارت کو دیکھنے لگتا ...... بالآخر جب ...... اسے مکمل اطمینان ہو گیا کہ یہی "سلاسل" کی جائے رہائش ہے۔ تو مجھ سے مخاطب ہوا۔

سلاسل کی جگہ تو یہی ہے ...... چلو ...... اندر چل کر دیکھتے ہیں

میں نے اسے منع کرتے ہوئے کہا .... اللہ رکھی نے تمہیں اندر جانے کو تو نہیں کہا تھا۔

میری بات سن کر ...... وہ میرا چہرہ تکنے لگا ...... ایک بار پھر اس پر جوش و جذبہ غالب آنے لگا تھا ...... میں نے اس کے خیالات کا رخ تبدیل کرنے کی خاطر کہا ...... اب ہمیں وہ مسجد ...... تلاش کر لینا چاہیے۔

ہاں ...... ٹھیک ہے ...... وہ اپنے جذبات سے چونکا اور پھر ...... ہم دونوں مسجد کو تلاش کرنے لگے۔ سلاسل کی رہائش گاہ سے تقریباً" پون میل مشرق میں ہمیں وہ شکستہ مسجد بھی مل گئی ...... اس مسجد کی دیواریں اور مینار زمین بوس ہو چکے تھے ...... صرف ایک چھوٹا سا گنبد اور محراب باقی تھی .... مسجد کا صحن

پکا تھا- جو کہ سرخ اینٹوں سے بنا ہوا تھا ..... اور ان اینٹوں کی درازوں میں سے خود رو پودے ...... جھانک رہے تھے ..... ایک جانب کنواں تھا جس کی تہ میں پانی جھلک رہا تھا ..... ایک جانب چمڑے کا ڈول تھا جس میں گھاس سے بنی ہوئی رسی تھی-

ہم دونوں نے مسجد میں داخل ہو کر محراب کو صاف کیا ..... پھر ڈول سے پانی کھینچ کر چکھا..... پانی نہایت ہی صاف اور شیریں تھا ...... ہم دونوں پھر مسجد سے باہر نکل آئے اور ایسی جگہ تلاش کرنے لگے جہاں میں دن اور رات گزار سکوں .... اس سلسلہ میں ہمیں زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑی- مسجد سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ...... ڈیڑھ سو سال پرانی کسی کی قبر تھی ...... جس پر پکی چھت تھی ...... ہم دونوں نے اسی جگہ ڈیرہ جما لیا .... یہاں سے مسجد اور سلاسل کی رہائش گاہ صاف دکھائی دیتی تھی ..... پھر سورج مغرب میں غروب ہونے لگا ...... اور اس کے ساتھ ہی نجم خان نے تیاریاں شروع کر دیں-

نجم خان

نجم خان نے پہلی رات کی روئیداد سناتے ہوئے بتایا سورج مغرب میں تھال کی مانند نظر آتا رہا ..... اور پھر ...... آہستہ آہستہ نیچے بیٹھتا چلا گیا- ہر جانب رات کی سیاہی پھیل گئی ...... وہ رات سخت ڈراؤنی اور تاریک تھی ...... فضا میں ہر جانب ویرانی ہی ویرانی تھی ...... میں اپنے ٹھکانہ سے نکل کر صدیوں پرانی مسجد کی طرف بڑھ رہا ہوں .... میرے آس پاس سخت پتھریلی اور ریتلی زمین پر ناگ منی اور اسی قسم کے سینکڑوں خود رو پودے پھیلے ہوئے ہیں ...... میں ان پر نگاہ ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا ہوں ...... رات کی سیاہی میں بھی بھی ...... مجھے یہ پودے بھی بھیانک شکلوں میں نظر آ رہے ہیں ..... یکایک میں دیکھتا ہوں ...... کہ میری راہ میں آنے والا ایک پودا پہلے تو سمٹا اور پھر ...... اوپر اٹھنے لگا .... میرے قد کے برابر پہنچ کر سانپ بن گیا اور اپنا چوڑا پھن پھیلا کر جھومنے لگا- میں اپنی جگہ کھڑے ہو کر اسے دیکھنے لگا اس کی دو شاخہ زبان بار بار لہرا رہی تھی .... اور اس کی سرخ آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں ...... میں نے اس کی پھنکار بھی سنی ...... پھر جونہی وہ سانپ مجھے ڈسنے کی خاطر بڑھتا ہے' میں ہمت کر کے خنجر سے اس کا پھن کاٹ ڈالتا ہوں ...... یہ وہی خنجر ہے جو اللہ رکھی نے مجھے دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ اس کی نوک سے حصار قائم کروں ...... وہ ناگ دوبارہ پودے کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے اور سمٹ کر زمین بوس ہو جاتا ہے ....

میں پھر آگے بڑھتا ہوں۔

○

اتنا کہہ کر وہ سانس لینے کو رکا اور پھر بولا ...... خان! مجھے ان باتوں سے قطعی ڈر نہیں لگا ...... شمیم کو حاصل کرنے کا جنون میرے ذہن پر سوار تھا ...... اور اسے حاصل کرنے کی خاطر میں پہاڑ سے بھی ٹکرا جانے کو تیار تھا۔

میں برابر آگے بڑھتا رہا اور ابھی مسجد سے نصف فاصلہ پر ہی تھا ...... کہ اچانک ایک جنگلی جھاڑی کے پاس سے شیر خوار بچہ کے رونے کی آواز سنائی دی۔ میں یہ آواز سن کر ٹھٹک گیا اور سوچنے لگا کہ اس ویران قبرستان میں رات کے وقت بچہ کی آواز کیسی ہے ...... ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ...... کہ بچہ کے مسلسل رونے کی آواز آنے لگی اور یہ آواز ایک قریبی جھاڑی سے آ رہی تھی۔ میں اس ...... آواز کی طرف بڑھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا ...... کہ ایک چھ سات ماہ کا بچہ زمین پر پڑا بلبلا رہا ہے ...... میں نے جھاڑی کے اطراف میں نظریں دوڑائیں کہ شاید قریب ہی اس کے ماں باپ موجود ہوں ...... لیکن وہاں دور دور تک کسی ذی روح کا پتا نہ تھا ...... مجھے خیال آیا ...... کہ ممکن ہے کوئی شقی القلب ماں اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کی خاطر اس بچہ کو یہاں چھوڑ گئی ہو۔ لہٰذا آگے بڑھا اور اس بچہ کو گود میں اٹھا لیا۔ ابھی میں چند قدم ہی چلا ہوں گا ...... کہ اس بچہ کا وزن بڑھنے لگا ...... میں نے رات کی تاریکی میں دیکھا ...... کہ وزن کے ساتھ ساتھ اس کا قد بھی بڑھ رہا ہے۔ دہشت زدہ ہونے کی بجائے مجھے غصہ آ گیا ...... میں نے اسے پھینک دیا اور خنجر سنبھال کر اس پر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ

وہ نظروں سے غائب ہو گیا ...... اور پھر ...... اس سناٹے میں ایک بھیانک قہقہہ گونج اٹھا میں اس قہقہہ کو اچھی طرح پہچانتا تھا .... یہ قہقہہ دوآبہ کے رئیس "سلاسل" کا تھا ...... میں برابر آگے بڑھتا رہا اور ابھی مسجد کے دروازہ پر قدم رکھا ہی تھا کہ ...... زورزور سے ڈھول اور شہنائیوں کی آواز سنائی دی۔ ...... بس ایک لمحہ کے لئے میں نے یہ آواز سنی ...... اور مسجد کے اندر داخل ہو گیا۔

مسجد کے اندر داخل ہو کر سب سے پہلے میں نے خنجر پر اللہ رکھی کی بتائی ہوئی سورہ پڑھ کر دم کیا۔ اور اس کی نوک سے بڑا سا حصار کھینچ لیا ...... پھر اپنے تھیلے میں سے چراغ اور زیتون کا تیل نکالا اور چراغ روشن کرکے وظیفہ کا ورد شروع کر دیا۔

○

حصار کے اندر کا بھی تو حال سناؤ ...... میں نے بڑے ہی اشتیاق سے پوچھا۔

سناتا ہوں ...... اس نے جواب دیا اور پھر راوی کے انداز میں بولا ....

جب میں خنجر کی نوک سے حصار کھینچ رہا تھا تو مسجد کے صحن سے حشرات الارض کی مسلسل آوازیں آ رہی تھیں ...... مینڈک ٹرا رہے تھے۔ سانپ اور اسی قبیل کے دوسرے جانور برابر [illegible]یں نکال رہے تھے۔ حتیٰ کہ فضا میں جھینگروں اور مچھروں کی بھی آواز سنائی دے رہی تھی ...... لیکن جونہی میں نے اپنے گرد حصار کھینچا تو سب کو چپ سی لگ گئی ...... جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو ...... اب میری سماعت سے کسی بھی قسم کی آواز نہیں ٹکرا رہی تھی ...... یہ حصار کی برکت تھی۔

ہو سکتا ہے...... میں نے بجھے ہوئے لہجہ میں اس کی تائید کی۔

حصار کے اندر میں نے ہزار دانوں کی تسبیح پر وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا...... نجم خان نے بتایا...... ابھی وظیفہ شروع کیے کچھ ہی دیر ہوئی تھی...... کہ مجھے اپنے اطراف میں شور سنائی دیا.......... لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے...... ان کا لب و لہجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اور مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کسی بازار میں آ گیا ہوں...... میں نے فوراً ہی ان آوازوں سے توجہ ہٹائی۔ اور وظیفہ پڑھنے میں...... مشغول ہو گیا...... جوں جوں...... وقت گزرتا جا رہا تھا...... میں ایک نئی صورت حال سے دوچار ہو رہا تھا...... اب مجھے آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں..... لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چند اشخاص میرے آس پاس ہی موجود ہیں۔ مجھے ان کے سانس لینے کی آوازیں بھی صاف سنائی دے رہی تھی...... میں نے تیزی سے وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا...... جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماحول پر سکون ہو گیا۔

○

نجم خان نے پہلی رات کے جو واقعات سنائے...... میں انہیں ماننے کے لئے قطعی تیار نہ تھا۔ میرے خیال میں یہ سب شعبدہ بازیاں تھیں...... جہاں تک اللہ رکھی کا تعلق ہے میں اس کی روحانی صلاحیتوں کو مانتا تھا۔ لیکن ابھی تک اس نے کوئی ایسی کرامت نہیں دکھائی تھی۔ جس کہ وجہ سے میں دل سے اس کا معتقد ہو جاتا۔

نجم خان جو کچھ کہہ رہا تھا اس میں اس کی غرض شامل تھی...... وہ اپنی محبوبہ کو

حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا اور اسکی خاطر جان تک پر کھیل جانے کو تیار تھا...... جبکہ میرا ایسا کوئی کام نہیں تھا...... بس حالات نے مجھے ایک بار پھر اس کے سپرد کر دیا تھا۔ ویسے بھی اس دنیا میں میرا اپنا کوئی نہیں تھا۔ اللہ رکھی میری محسنہ تھی لیکن اس نے کبھی بھی مجھے روحانی تربیت دینے کی کوشش نہیں کی...... شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میرا رجحان بھی روحانیت کی جانب نہیں تھا...... روحانیت میں زمان و مکان کی کیا اہمیت ہے۔ مجھے اس کا علم نہیں...... تکوینی سسٹم کیا ہوتا ہے...... مجھے نہیں معلوم...... البتہ اللہ رکھی کا یہ کہنا تھا کہ ہر کام "سسٹم" کے تحت "وقت" مقررہ پر کیا جاتا ہے اور انسان "وقت" کا پابند ہے...... نجم خان کی باتیں سننے کے بعد...... اس نے بتایا تھا کہ دوآبہ کا رئیس "سلاسل" ایک شریر جن ہے جو کہ انسانی ہیت اختیار کر کے عورتوں کو تنگ کرتا رہتا تھا اور اب اس کا وقت آخر نجم خان کے ہاتھوں انجام پانا تھا...... اس کے کہنے کے مطابق "سلاسل" ایک عامل جن تھا اور اللہ رکھی نے نجم خان کو تربیت' سلاسل کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے دی تھی...... اور اس کے کہنے کے مطابق میں نجم خان کے ہمراہ "مکلی" کے پرانے قبرستان میں آ گیا تھا۔

○

بہرحال میں نجم خان کے ہمراہ مکلی کے قبرستان میں مقیم تھا پہلی رات گزرنے کے بعد...... نجم خان دوسری رات کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا...... مکلی ایک سنگلاخ پہاڑی سلسلہ ہے جس کی پشت پر صدیوں پرانا قبرستان ہے...... دن کو اس پہاڑی سے اطراف کا نظارہ بڑا ہی دلکش ہوتا ہے۔

قومی شاہراہ کراچی سے شروع ہو کر کسی دوشیزہ کی زلف کی طرح بل کھاتی ہوئی حیدر آباد شہر کی طرف چلی جاتی ہے۔ مکلی اسی شاہراہ پر واقع ہے۔ جس سے ذرا پرے ہٹ کر تاریخی شہر ٹھٹھہ آباد ہے جس میں شاہجہاں کی تعمیر کرائی ہوئی مسجد دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مکلی کی پہاڑی کے نشیب میں ہر طرف ہرے بھرے کھیت ہیں۔ جنہیں دیکھ کر روح کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔

○

دوسری رات ...... مسجد میں وظیفہ ختم کر کے جب صبح کو نجم خان واپس آیا تو میں نے پوچھا سناؤ آج کی رات کیسی گزری۔

نجم خان نے بتایا ...... آج رات جب میں مسجد کی طرف چلا تو کوئی غیر متوقع بات نہیں ہوئی۔ میں نے حصار کھینچا اور ہزار دانوں کی تسبیح نکال کر وظیفہ شروع کردیا۔ چراغ کی روشنی میں میرا سایہ سامنے والی دیوار پر پڑ رہا تھا اور اگر میں معمولی سی بھی حرکت کرتا تو سایہ بری طرح سے تھرتھرا جاتا تھا ...... محراب کی دیواریں اونچی ہونے کی وجہ سے ہوا کا دباؤ بھی برائے نام ہی تھا۔ چراغ کی لو بالکل سیدھی تھی ...... جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا ...... میرے ورد میں بھی تیزی آتی جا رہی تھی ...... میں گردن جھکائے وظیفہ پڑھنے میں مشغول تھا۔ ...... اچانک زور کا دھماکا ہوا ...... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کہیں قریب ہی دھماکا ہوا ہے ...... میں نے گھبرا کر گردن اٹھائی تو یہ دیکھ کر ...... حیران رہ گیا کہ میرا سایہ سامنے والی دیوار کی بجائے بائیں والی دیوار پر پڑ رہا ہے۔

اس میں تعجب کی کیا بات ہے ...... میں نے کہا ...... ہوا کہ وجہ سے لَو کا رخ

بدل گیا ہو گا۔

○

میری بات سن کر اس نے ایک لمحہ کے لئے سنجیدگی سے میری جانب دیکھا۔ اور پھر مسکراتے ہوئے بولا ...... دلچسپ بات تو یہی تھی ...... وہاں ہوا تو نام کو بھی نہیں تھی۔ اور چراغ کی لو اسی طرح بالکل سیدھی جل رہی تھی ...... پھر وہ سایہ دائیں جانب کی دیوار سے اترا ...... سمٹا ...... اور انسانی شکل اختیار کر گیا ...... وہ ایک دوسرا نجم خان تھا ...... یہ ایسا خلاف توقع واقعہ تھا کہ میری زبان گنگ ہو کر رہ گئی ...... دوسرا نجم خان حصار سے باہر بالکل میرے سامنے آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اور مسکرا کر کہتا ہے۔ میرے دوست یہ تم نے راتوں کو کیا پڑھنا شروع کر دیا ہے۔

ابھی میں اسے جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ میری سماعت سے نہایت ہی مترنم آواز ٹکرائی۔

نجم خان! وظیفہ جاری رکھو ...... اس آواز کو سنتے ہی مجھے جیسے ہوش آگیا ...... یہ مترنم آواز اللہ رکھی کی تھی۔

تمہیں وہم ہوا تھا ...... میں نے ہنس کر کہا۔

نجم خان نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ اس نے اپنی بات کو مسلسل جاری رکھتے ہوئے بتایا ...... اللہ رکھی کی ہدایت ملتے ہی میں نے وظیفہ کا ورد دوبارہ شروع کر دیا۔

حصار سے باہر بیٹھے ہوئے نجم خان نے بھی جھوم جھوم کر وہی کچھ پڑھنا

شروع کر دیا ...... لیکن چند لمحہ بعد ہی وہ خاموش ہو گیا جیسے تھک گیا ہو ...... پھر
وہ مجھے گھورنے لگا جیسے سخت غصہ میں ہو ..... اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکل
رہے تھے ..... پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت بدل گئی ..... چار ہاتھ اور چار
پاؤں کا وہ عجیب الخلقت انسان بن گیا ..... اس نے اپنے دونوں ہاتھ میری گردن
کی طرف بڑھائے ..... مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دونوں ہاتھ حصار کے
اندر آ گئے ہوں ..... میں نے خنجر اٹھایا اور اس کے ہاتھوں پر وار کر دیا ......
ایک بار پھر زوردار دھماکا ہوا ..... دوسرا نجم خان چیختا چلاتا سمٹا۔ اور پھر سایہ بن
کر حسب معمول سامنے والی دیوار پر نظر آنے لگا۔ اس کے بعد طلوع سحر تک
کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور میں نے اطمینان سے اپنا وظیفہ ختم کر لیا ..... اتنا
کہہ کر نجم خان تو خاموش ہو گیا اور میں اس کی باتوں کی توجیہہ تلاش کرنے میں
کھو گیا۔

○

نجم خان جو کچھ بھی بتاتا تھا اس کی کوئی توجیہہ تو میری سمجھ میں نہیں آتی
تھی لیکن ذہن کے کسی گوشہ سے یہ خیال ضرور ابھرتا تھا ..... کہ ایسا ہونا ممکن
ہے۔

اب تیسری رات ..... مسجد میں گزارنے کے بعد جب میں نے ناشتا وغیرہ
سے فارغ ہو کر ..... نجم خان سے معلوم کیا تو اس نے مسکراتے ہوئے بتایا .....
آج کی رات بڑی ہی پر سکون تھی۔ میں نے مسجد میں داخل ہو کر حسب معمول
حصار کھینچا اور چراغ روشن کر کے وظیفہ پڑھنے لگا ..... ابھی مجھے وظیفہ شروع کئے

تین چار منٹ ہی گزرے تھے ..... کہ اچانک میری بائیں جانب پشت سے ایک
لمبا تڑنگا شخص نمودار ہوا اور حصار سے چند فٹ دور کھڑا ہو کر غور سے دیکھنے لگا۔
وہ لباس سے کوئی مقامی دکھائی دیتا تھا ..... ایک لمحہ کے لئے میرا دھیان اس کی
طرف گیا ..... کہ یہ کون شخص ہے اور مسجد میں کیوں آیا ہے ..... ابھی میرے
ذہن میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ وہ شخص کاندھے سے کلہاڑی اتارتے ہوئے بولا
..... چلو۔ یہاں سے نکلو۔

ابھی میں جواب دینا ہی چاہتا تھا ..... کہ اللہ رکھی کی آواز میرے کانوں
سے ٹکرائی ..... خبردار وظیفہ جاری رکھو۔

یار! حصار میں جب بھی تم پر کوئی مصیبت آتی ہے ..... میں نے اس کا
مذاق اڑایا ..... تمہیں اللہ رکھی کی آواز سنائی دیتی ہے۔

ہاں - یہ حقیقت ہے ..... نجم خان نے سنجیدگی سے جواب دیا ..... معلوم
ہوتا ہے کہ وہ یہاں بھی میری حفاظت کر رہی ہے۔

چھوڑو یار ..... میں نے پھر اس کا مذاق اڑایا ..... میں رات کو یہاں تنہا
رہتا ہوں مجھے تو اللہ رکھی کی آواز نہیں سنائی دیتی ہے۔

تم کونسا ..... کسی کو حاصل کرنے کی خاطر جان جوکھوں کا کام کر رہے ہو
..... نجم خان نے برجستہ جواب دیا۔

ہاں یہ بات تو ہے ..... میں نے قدرے ندامت سے کہا ..... خیر آگے بتاؤ
کیا ہوا؟

سنو پھر کیا ہوا ..... وہ ایک شکستہ دیوار پر پیٹھ لگاتے ہوئے بولا ..... اللہ

رکھی کی بات سنتے ہی میں نے دوبارہ تیزی سے وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا ...... وہ شخص کلہاڑی زمین پر ٹکا کر بولا ...... تو اس طرح نہیں مانے گا۔

میں نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اور برابر ورد کرتا رہا ...... میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس میں سے ایک شخص نکلا ...... اب وہ دو ہو گئے تھے ...... پھر وہ تین ہوئے ...... تین سے چار ' اور چار سے پانچ ہوئے ...... اس طرح ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ان سب نے حصار کے گرد گھیرا ڈال لیا ...... ان سب کے ہاتھوں میں چمک دار پھل والی کلہاڑیاں تھیں ...... پہلے والے شخص نے اپنے ساتھیوں سے کہا ...... یہ میرے کہنے سے نہیں جاتا۔ لہذا۔ اسے ختم کر دو۔

آخری الفاظ کے ساتھ ہی ان سب نے اپنی اپنی کلہاڑیاں لیں اور ایک ساتھ مجھ پر وار کر دیا۔ میں نے صرف اتنا دیکھا ...... کہ ان سب کے کلہاڑیوں والے ہاتھ نیچے آئے اور حصار سے ٹکراتے ہی وہ چیختے چلاتے غائب ہو گئے ...... صرف پہلے والا شخص اپنی جگہ پر کھڑا رہا ...... شاید اس نے کلہاڑی مارنے کے لئے نہیں اٹھائی تھی ...... وہ مجھے گھورتے ہوئے نفرت سے بولا ...... آج تو۔ تو بچ گیا ہے ...... لیکن اگر کل تو ادھر آیا تو بچ کر نہیں جا سکے گا۔

اس کی یہ دھمکی سن کر مجھے ذرا سا بھی خوف نہیں ہوا اور میں برابر وظیفہ پڑھتا رہا ...... وہ مجھے یہ دھمکی دے کر غائب ہو گیا۔ اور میں نے اپنا وظیفہ پورا کر لیا۔

نجم خان کی تیسری رات کی واردات سن کر میں شش و پنج میں پڑ گیا اور سوچنے لگا کہ کیا واقعی کوئی وظیفہ پڑھنے سے اس قسم کے واقعات رونما ہو سکتے ہیں ...... میں سوچتا تھا اور آخر میں تمام باتوں کی نفی کر دیتا تھا۔ میرے لئے یہ تمام باتیں ناقابل فہم اور ...... ناقابل اعتبار تھیں ...... لیکن پھر بھی میں اس ویران قبرستان میں رہنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ یہ اللہ رکھی کا حکم تھا۔

قارئین! نجم خان کی واردات کے ساتھ ساتھ میں گاہے بگاہے اپنی دلی کیفیات بھی بیان کر دیتا ہوں۔ کیونکہ روحانیت سے نابلد لوگوں کے لئے یہ تمام باتیں واہمہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اور اس وقت میری بھی یہی حالت تھی۔

بہرحال مجھے سات دن نجم خان کے ساتھ گزارنے تھے اور اللہ رکھی کے بتائے ہوئے وظیفہ کا نتیجہ دیکھنا تھا۔

چوتھی رات کی کیفیات بیان کرتے ہوئے صبح کو نجم خان نے بتایا ...... کہ آج رات جب میں مسجد میں داخل ہوا تو دور قبرستان کی ایک جانب سے بین کی آواز سنائی دی ...... چند لمحہ بعد ...... یہ آواز بتدریج بڑھتی ہوئی قریب آگئی ...... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سپیرا مسجد کے قریب ہی بین بجا رہا ہے ...... وادی مہران کیونکہ سانپوں کی وادی بھی کہلاتی ہے ...... یہاں بے انتہا قسم قسم کے سانپ ہیں ...... میں نے سوچا کہ کوئی سپیرا ہے جو کہ سانپ کی تلاش میں یہاں تک آگیا ہے ...... میں نے حصار کھینچا اور حسب معمول چراغ روشن کر کے وظیفہ پڑھنے لگا ...... ابھی وظیفہ شروع کئے کچھ ہی دیر ہوئی ہو گی کہ ایسا معلوم ہوا جیسے سپیرا مسجد میں داخل ہو گیا ہو ...... میں نے گردن اٹھا کر مسجد کے صحن کی طرف دیکھا۔ اور

یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کل والا مقامی دیہاتی ...... مسجد کی ٹوٹی ہوئی دیوار پر بیٹھا بین بجا رہا تھا ...... مجھے اپنی جانب متوجہ پا کر وہ وہیں سے چلایا ...... آج تو پھر آ گیا ...... بول جاتا ہے۔ یا۔ سانپوں کو بلاؤ۔

اس کی بات سنتے ہی میں سمجھ گیا ...... کہ یہ سلاسل کا بھیجا ہوا کوئی موکل ہے۔ لہٰذا میں نے بدستور وظیفہ کا ورد جاری رکھا اس سپیرے نے بھی زور زور سے بین بجانی شروع کر دی ...... میرے دیکھتے ہی دیکھتے ان گنت کالے سیاہ اور پیلے رنگ کے سانپ مسجد کی شکستہ دیواروں سے نکلے اور صحن میں جمع ہونے لگے۔ جب مسجد کا پورا صحن ان سانپوں سے بھر گیا تو وہ سپیرا دیوار سے اتر کر ان کے آگے آ کر کھڑا ہو گیا اور ایک بار پھر مجھ سے مخاطب ہوا ...... آخری بار تجھ سے کہتا ہوں کہ یہاں سے چلا جا - ورنہ ...... ان موذی جانوروں کو لے کر آتا ہوں۔

میں نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے خنجر پر نظر ڈالی اور وظیفہ پڑھنے میں مشغول رہا ...... وہ سپیرا مسکراتا ہوا میری طرف بڑھا ...... اس کے ساتھ ہی لاتعداد سانپوں نے بھی رینگنا شروع کر دیا وہ سب انتہائی زہریلے اور خطرناک قسم کے سانپ تھے ...... حصار کے قریب آ کر اس نے میری جانب ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کے ساتھ ہی سانپوں کا رخ میری جانب ہو گیا ...... وہ خوفناک انداز میں پھنکارتے ہوئے میری سمت بڑھ رہے تھے ...... انہیں دیکھ کر خوف کی سرد لہر میرے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ لیکن میں نے حوصلہ سے کام لیا اور وظیفہ کا ورد کرتا رہا ...... جیسے ہی وہ ...... سب حصار سے ٹکرائے ...... دھواں

بن کر فضا میں اڑنے لگے ...... ان میں سے کچھ سانپ واپس پلٹے۔ اور جس طرح مسجد کی شکستہ دیواروں سے چڑھ کر آئے تھے ...... اسی طرح سرعت سے دیواریں چڑھ کر دوسری جانب اتر گئے ...... اب میدان صاف تھا اور وہ دیہاتی سپیرا سوچ میں گم مجھے دیکھ رہا تھا ...... کچھ دیر بعد وہ قدرے تعجب سے بولا ...... بہت ڈھیٹ ...... شخص ہے ...... اچھا۔ کل تجھ سے نبٹوں گا ...... اس کے بعد وہ بھی مسجد کے صحن کی طرف چلا گیا ...... اور پھر میں نے اپنا وظیفہ مکمل کر لیا۔

○

پانچویں رات کی روئیداد سناتے ہوئے نجم خان نے بتایا ...... یہ رات پچھلی تمام راتوں سے زیادہ وحشت انگیز اور تاریک تھی ...... قدم قدم پر یوں لگتا تھا جیسے سینکڑوں ان دیکھے اجسام میرے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ...... میں ان کے قدموں کی آہٹیں سن رہا تھا ...... لیکن نظر کوئی نہیں آتا تھا ...... میں جوں جوں مسجد کی طرف بڑھتا رہا ان اجسام کی قربت کا احساس زیادہ ہوتا چلا گیا۔

اس موقع پر تمہارا خنجر کہاں تھا ...... میں نے پوچھا۔

خنجر میرے پاس ہی تھا ...... نجم خان نے بتایا ...... اور مسجد تک پہنچتے پہنچتے میں نے اسے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔

پھر کیا ہوا ...... میں نے کہا۔

ہونا کیا تھا ...... نجم خان نے بتایا ...... خنجر ہاتھ میں پکڑتے ہی کئی عورتوں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں ...... ایسا معلوم ہوتا تھا ...... کہ انہیں کوئی

بہت سخت صدمہ پہنچا ہے ...... یہ رونے کی آوازیں نہیں تھیں بلکہ پگھلا ہوا سیسہ تھا۔ جو میرے کانوں میں انڈیلا جا رہا تھا ...... میں نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں ...... لیکن عورتوں کے رونے کی آوازیں برابر آئے چلی جا رہی تھیں۔ میں نے اونچی آواز میں کلام عظیم کی ایک سورہ کی تلاوت شروع کر دی ...... اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کے رونے کا شور کم ہو گیا ...... میں اس شور سے بچنے کی خاطر جلد از جلد مسجد میں پہنچنا چاہتا تھا لہذا۔ میں نے یہ دیکھنے کی خاطر کہ مسجد کتنی دور رہ گئی ہے گردن اٹھا کر دیکھا ...... اور یہ دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہو گیا کہ مسجد کا کہیں نام و نشان نہیں ہے ......بلکہ میں ایک اجنبی اور ویران سی جگہ پر پہنچ گیا ہوں۔

اوہ ...... یہ تو بہت برا ہوا ...... میں نے پریشانی سے کہا۔

ہاں شیطانی روحوں اور جنات نے مجھے راہ سے بھٹکا دیا تھا ...... نجم خان نے قدرے پریشانی سے کہا ...... اس صورتحال سے مارے دہشت کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ...... ایک جگہ رک کر ...... میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ کس جگہ آ گیا ہوں ...... ابھی میں یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ ...... ایک جھاڑی کی اوٹ سے انسانی ہیولا نکلا ...... اور اس نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا ...... پہلے تو میں نے اسے بھی جنوں کی شرارت ہی سمجھا۔ لیکن جب میں نے غور سے دیکھا ...... تو مجھے یوں معلوم ہوا جیسے یہ اللہ رکھی کا ملازم شمرال ہو۔

کیا بکتے ہو ......میں ایک دم چیخا ...... شمرال اور یہاں۔

سنتے رہو ...... اس نے مجھے دھیرے سے ڈانٹا ...... گو کہ اندھیرے کی وجہ سے مجھے اسکی شکل صاف نظر نہیں آ رہی تھی ...... لیکن میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ شمرال ہی ہے۔

تو پھر تم اس کے پیچھے چل دیئے ...... میں نے جیسے اس کے دل کی بات کہہ دی۔

یہ یقین ہونے کے بعد ...... کہ وہ شمرال ہی ہے ...... میں اس کے پیچھے چل دیا ...... نجم خان نے بتایا ...... جنات میری نظروں سے مسجد او جھل کر کے بہت آگے لے آئے تھے ...... وہ ہیولا جو کہ شمرال تھا مجھے واپس لایا اور میرے ساتھ ہی مسجد میں داخل بھی ہوا ...... لیکن حصار قائم کر کے ' اور چراغ روشن کر کے جب میں نے دیکھا تو وہ کہیں نظر نہیں آیا ...... حالانکہ چراغ کی مدھم روشنی مسجد کے صحن تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔

یہ تو تم نے بڑی ہی عجیب بات بتائی ہے ...... میں نے تعجب سے کہا ......

اگر وہ شمرال ہی تھا تو اسے روکنا چاہیے تھا ...... مجھ سے ملنا چاہیے تھا۔

یہ ضروری تو نہیں تھا ...... نجم خان نے روکھے لہجہ سے کہا ...... ہو سکتا ہے' اللہ رکھی نے اسے صرف اسی کام کے لئے بھیجا ہو۔

اگر یہ بات تھی ...... میں نے قدرے غصہ سے کہا ...... تو اسے مجھے تمہارے ساتھ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔

یہ تو وہی بہتر سمجھ سکتی ہے ...... نجم خان نے جواب دیا۔

یار تم اور تمہاری اللہ رکھی میرے سمجھ سے تو باہر ہو ...... میں نے شکست

خوردہ لہجہ سے کہا۔

جو بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے وہ بیکار ہے ـــــ اور اپنی اللہ رکھی کی ہدایت پر عمل کرتے رہو۔

یہ بات معقول تھی۔ لہٰذا۔ میں خاموش ہو گیا مجھے تو صرف "اللہ رکھی" کی ہدایت پر عمل کرنا تھا۔

○

چھٹی رات ہم دونوں کے لئے بڑی ہی خطرناک رات تھی ـــــ اس رات ایسا عجیب واقعہ پیش آیا کہ میں پریشان اور خوفزدہ ہو گیا۔

اس رات ہوا ـــــ یہ کہ ـــــ نجم خان تو وظیفہ پڑھنے مسجد کی طرف چلا گیا اور میں ـــــ ایک مقبرہ کے اوپر بنی ہوئی چوبرجی سے ٹیک لگا کر چاند اور ستاروں کا نظارہ کرنے لگا ـــــ یہ شروع راتوں کی بات ہے جب کہ چاند صرف اپنی معمولی سی جھلک دکھا کر آسمان کی وسعتوں میں گم ہو جاتا ہے۔

یہاں سے مسجد کا اندرونی حصہ بھی نظر آ رہا تھا ـــــ ابھی مجھے یہاں کھڑے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی ـــــ کہ نجم خان کی آواز سنائی دی ـــــ وہ غصہ کے عالم میں اللہ رکھی کو نہایت غلیظ قسم کی گالیاں دے رہا تھا ـــــ اس کی آواز سن کر میں چونکا اور مسجد کی طرف دیکھنے لگا ـــــ مسجد میں چراغ روشن تھا۔ اور نجم خان خود سے دست وگریبان تھا ـــــ میں اس کو دیکھتا رہا اور پھر چند لمحہ بعد ہی مجھے خطرہ کا احساس ہوا ـــــ نجانے اس وقت میرے ذہن میں یہ بات کس طرح آ گئی ـــــ کہ نجم خان کا وظیفہ بگڑ گیا ہے اور وہ سخت خطرہ میں ہے ـــــ خطرہ کا

احساس ہوتے ہی میں مسجد کی طرف دوڑا۔ اور محراب میں پہنچ کر اسے آواز دی ـــــ آواز سنتے ہی اس نے میری طرف گھور کر دیکھا۔ اور میں خوف سے کانپ اٹھا ـــــ اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں - اور چہرہ پر اس کے اپنے ہاتھوں سے لگائی ہوئی خراشوں سے خون رس رہا تھا ـــــ اس نے مجھے دیکھا اور اللہ رکھی کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اول فول بکنے لگا ـــــ اس کی یہ حالت دیکھ کر میں پریشان ہو گیا ـــــ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں ـــــ اسی پریشانی میں مجھے اللہ رکھی کی ہدایت یاد آئی ـــــ اس نے کہا تھا ـــــ کہ اگر کبھی نجم خان کی حالت خراب دیکھو تو سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر دینا ـــــ میں نے اس ہدایت کے یاد آتے ہی سورہ فاتحہ پڑھی اور نجم کی طرف پھونک ماری ـــــ اور نجم جو خود سے دست گریبان تھا ـــــ جس نے اپنے بال نوچ لئے تھے۔ اور اپنے چہرہ کو مزید تشدد کا نشانہ بنا رہا تھا ـــــ میرے پھونک مارتے ہی ساکت ہو گیا ـــــ میں برابر سورہ فاتحہ پڑھ پڑھ کر پھونک مارتا رہا۔ وہ چار پانچ منٹ تک تو ساکت گم سم کھڑا رہا ـــــ پھر اس نے ایک دلخراش چیخ ماری اور اپنی کمر پر یہ کہہ کر ہاتھ رکھ لئے ـــــ ہائے میں مرگیا ـــــ میں نے تیزی سے سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کرنا شروع کر دیا لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ نجم خان پہلے تو گھٹنوں کے بل بیٹھا اور پھر زمین پر اس طرح لوٹنے لگا جیسے کوئی اسے ہنٹر مار رہا ہو ـــــ وہ کبھی دائیں کروٹ اور کبھی بائیں کروٹ لیٹتا اور ہر بار یہی کہتا تھا ـــــ کہ ہائے مرگیا ـــــ چھوڑ دو ـــــ مجھے چھوڑ دو۔

یہ ایک ایسی صورتحال تھی ـــــ جسے میں نہیں سمجھ سکتا تھا ـــــ میں سورہ

فاتحہ پڑھ پڑھ کر اس پر دم کرتا رہا لیکن اس پر اس سورہ کا بھی اب کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا ...... وہ برابر نظر نہ آنے والی اذیت میں مبتلا تھا۔

○

اب میں بے بس اور مجبور تھا۔ اور نجم خان زمین پر لوٹ رہا تھا ...... اس کا لباس اور چہرہ گرد آلود ہو چکا تھا۔ اچانک فضا میں گلاب کی خوشبو مہک اٹھی۔ میں نے چونک کر اطراف میں نظریں دوڑائیں اور یہ دیکھا کہ ایک نسوانی ہیولا قریب آتا جا رہا تھا۔ اس کے خدو خال نمایاں ہوتے جا رہے تھے وہ اللہ رکھی تھی۔ یقین جانیئے اس وقت اللہ رکھی کو اپنے سامنے دیکھ کر جو حیرت ہوئی تھی وہ شاید کسی فرشتے کو بھی دیکھ کر نہ ہوتی ...... اللہ رکھی نے میری طرف کوئی توجہ نہیں دی ...... وہ سیدھی نجم خان کی طرف گئی اور جھک کر اس پر پھونک ماری ...... پھونک کا مارنا تھا کہ نجم خان کو قرار آگیا ...... اس نے بڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا اور اللہ رکھی پہ نظر پڑتے ہی اس کے قدموں میں جھک گیا۔

"نجم خان" اٹھو اللہ رکھی نے شیریں لہجہ میں کہا ...... "اپنے حصار میں فوراً" آجاؤ۔ اور خواہ کتنی ہی مدت کیوں نہ ہو جائے تم اس حصار سے باہر نہیں نکلو گے ...... اس دنیا میں تمہاری پناہ گاہ صرف یہ حصار ہی ہے"

نجم خان حکم ملتے ہی تیزی سے اٹھا۔ اور حصار میں داخل ہو گیا۔ اسے حصار میں دیکھ کر اللہ رکھی کے چہرہ پر فتح مندی کی جھلک نمایاں ہو گئی ...... پھر وہ واپس جانے کے لئے اٹھی اور صحن کی جانب چل دی ...... میں نے اسے آواز دی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے میری آواز سنی ہی نہیں ...... میں اس کے

پیچھے لپکا ...... لیکن اس کے جسم سے اس قدر تیز روشنی نکل رہی تھی کہ میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں ...... میں نے اپنی آنکھوں کو مسلا اور چند ثانیہ کے بعد جب دیکھنے کے قابل ہوا ...... تو وہاں کوئی بھی نہ تھا ...... محراب کے نیچے نجم خان چراغ کی روشنی میں وظیفہ پڑھ رہا تھا۔

اس واقعہ سے میں بے حد حیران و پریشان تھا۔ یہ سوچتا ہوا واپس اپنی جگہ کی طرف چل دیا ...... کہ صبح کو جب نجم خان وظیفہ ختم کر کے آئے گا تو اس سے حقیقت معلوم کروں گا۔

○

اس تمام رات میں جاگتا رہا ...... اور صبح کو جونہی نجم خان آیا ...... میں نے بے تابی سے رات کا حال پوچھا ...... اس نے بتایا ...... کہ آج رات اگر اللہ رکھی بروقت نہ آجاتی تو وہ مر چکا ہوتا یا پھر پاگلوں جیسی زندگی گزارتا ...... میں نے اسے کوئی بات نہیں بتائی ...... کیوں کہ میں پہلے اس کی روداد سننا چاہتا تھا۔

"کیا ہوا تھا رات کو؟ میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"رات کو عجیب واقعہ ہوا" ...... اس نے قدرے خوف سے کہا .... ایسا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا تھا ...... یہ ایسا واقعہ تھا کہ میں اپنے ہوش کھو بیٹھا اور حصار سے باہر آگیا۔

"آخر ہوا کیا تھا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہوا یہ" اس نے بتایا ...... کہ جب میں حصار کے اندر بیٹھ کر وظیفہ پڑھنے لگا تو وہی دیہاتی نمودار ہوا اور حصار کے قریب کمر پر ہاتھ رکھ کو بولا۔

تو یہاں آنے سے باز نہیں آتا۔ آخر چاہتا کیا ہے؟

میں سمجھ گیا ...... کہ یہ سلاسل کا بھیجا ہوا کوئی موکل ہے اور گزشتہ دو راتوں کی طرح آج پھر مجھے ڈرانے دھمکانے آگیا ہے لہٰذا حسب معمول خاموش رہا اور وظیفہ پڑھتا رہا ...... مجھے خاموش دیکھ کر وہ سمجھانے والے لہجہ میں بولا ......

"تو یہ کیا وظیفہ پڑھتا ہے اس سے زیادہ اثر والے وظائف تو میں خود جانتا ہوں"

میں نے اس بار بھی کوئی جواب نہ دیا اور وظیفہ پڑھتا رہا ...... میری مسلسل خاموشی سے وہ جھنجلا اٹھا۔ اور اس نے زور سے تالی۔ بجائی تالی کی آواز سنتے ہی چار قوی ہیکل اشخاص ایک بڑا سے کڑہاؤ لے کر آئے اور حصار سے کچھ ہی فاصلے پر رکھ دیا ...... کڑہاؤ میں تیل تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے آگ جلائی اور کڑہاؤ کا تیل ابلنے لگا۔ اس شخص نے نفرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو یہ سمجھتا ہے کہ اس وظیفہ کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کرلے گا۔ آج میں تجھے یہ وظیفہ بتانے والی ہی کا خاتمہ کئے دیتا ہوں"

اس بات کے سنتے ہی ...... میں لمحہ بھر کے لئے چُپ ہو گیا ...... اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی چاروں آدمی اللہ رکھی کو پکڑے ہوئے لا رہے ہیں ...... وہ ان کی گرفت سے آزاد ہونے کی پوری کوشش کر رہی تھی ...... لیکن وہ چاروں اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے ...... وہ اسے پکڑے ہوئے کڑہاؤ کے پاس لے

آئے تو اس شخص نے میری طرف اس طرح دیکھا ...... جیسے اگر میں نہیں مانا۔ تو وہ اللہ رکھی کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دے گا ...... یہ ایسا واقعہ تھا ...... کہ میں وظیفہ چھوڑ کر بولا۔

"میں جاتا ہوں تم اسے چھوڑ دو"۔

"تو پھر حصار سے باہر آجاؤ اور اپنی چہیتی کو لے جاؤ"۔

"بس مجھ سے یہی غلطی ہو گئی" ...... نجم خان نے سانس لے کر کہا ...... " میں اس بدبخت کے کہنے پہ حصار سے باہر آگیا ...... اب وہاں نہ تو اللہ رکھی تھی اور نہ ہی کڑہاؤ تھا ...... بلکہ وہ شخص میرے اعصاب پر سوار ہو گیا تھا اور جو چاہتا تھا ...... میری زبان سے کہلواتا تھا"۔

جبھی تم اللہ رکھی کو برا بھلا کہہ رہے تھے ...... میں نے کہا ...... تمہاری آواز سن کر ہی میں مسجد کی طرف آیا تھا۔ اور تم پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کی تھی۔

"اچھا ...... یہ تم تھے" نجم خان نے تعجب اور خوشی سے کہا ...... تبھی اس نے میرے اعصاب کو تو آزاد کردیا۔ لیکن ہنٹر لے کر پٹائی کرنے لگا۔

"پھر تم کس طرح بچے؟" میں نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

بس ایک دم اللہ رکھی آگئی ...... نجم خان نے بتایا ...... اللہ رکھی کو دیکھتے ہی وہ تھوڑا سا خوفزدہ ہوا لیکن پھر ویسے ہی ہنٹر مارنے لگا ...... پھر اللہ رکھی کے منہ سے شعلہ نکلا اور وہ جل کر بھسم ہو گیا ...... میرے حواس بجا ہوئے تو اللہ رکھی سامنے کھڑی تھی۔ اور اس نے مجھے دوبارہ حصار میں جا کر وظیفہ پورا کرنے کا حکم دیا ...... اور اس طرح میں نے وظیفہ پورا کرلیا ...... اب کل آخری رات ہے

اور مجھے امید ہے کہ کل کی رات بھی اللہ رکھی کے وسیلہ سے خیریت سے گزر جائے گی۔

میں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی اللہ رکھی کے بارے میں بتایا کہ اس کی زیارت سے میں بھی فیض یاب ہو چکا ہوں۔

○

ساتویں رات ...... آخری رات تھی۔اور نجم خان نے جو حالات بتائے تھے ان پہ مجھے کچھ کچھ یقین سا ہونے لگا ...... کیوں کہ میں نے خود اللہ رکھی کو دیکھا تھا اور جب اللہ رکھی یہاں آسکتی تھی تو پھر اس کا ملازم شرال کیوں نہیں آسکتا تھا ...... میں اس معاملہ میں اس سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی ...... کہ میں اس سے اللہ رکھی کے آنے کی بات چھپا گیا تھا۔

آخری رات میں بھی نجم خان کے ہمراہ ...... اس مسجد میں گیا۔ پہلے تو نجم خان مجھے اپنے ساتھ لے چلنے پر راضی نہ ہوا ...... لیکن جب ...... دوپہر کو سو کر اٹھا تو خود ہی بولا ...... آج رات تم بھی ساتھ چلنا۔ میں نے کہا ...... کہ پہلے تو تم مجھے ساتھ لیکر چلنے کیلئے راضی نہیں تھے۔ لیکن سو کر اٹھے تو خود ہی مجھے ساتھ چلنے کو کہہ رہے ہو ...... میرے اس بات کا جواب اس نے یہ دیا ...... کہ سوتے میں اللہ رکھی نے اسے اجازت دے دی ہے کہ تم بھی میرے ساتھ چل سکتے ہو ...... لیکن تمہیں حصار کے اندر میرے ساتھ بیٹھنا ہو گا ...... کیوں کہ آج کی رات کامیابی کی رات ہے ...... اور ممکن ہے سلاسل اپنی شکست سے بچنے کے لئے کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ تمہیں نقصان پہنچ جائے۔

بات معقول تھی ...... گزشتہ رات میں اس کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ لہٰذا خوفزدہ بھی تھا ...... ساتھ ہی مجھے اللہ رکھی سے بھی والہانہ عقیدت ہو چلی تھی اور ہوتی بھی کیوں نہیں اسے اس ویران قبرستان میں بھی میرا کتنا خیال تھا۔

غرض یہ کہ رات کی سیاہی اچھی طرح پھیلنے کے بعد ہم دونوں وقت مقررہ پر مسجد میں پہنچ گئے اور ابھی ...... مسجد میں داخل ہی ہوئے تھے ...... کہ زمین زور زور سے ہلنے لگی جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ نجم خان نے میرا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے محراب کی طرف دوڑا ...... اس نے جلدی سے خنجر کی نوک سے حصار کھینچنا شروع کر دیا ...... آج حصار کا دائرہ بڑا تھا کیوں کہ میں اس کے ساتھ تھا ...... ابھی وہ میری پشت سے دائرہ کھینچتا ہوا تھوڑا ہی سا آگے بڑھا تھا کہ اندھیرے میں ایک شعلہ سا لپکا اور اس کے ساتھ ہی ایک ہیبتناک شکل کا شخص ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنے نظر آیا ...... اس پہ نظر پڑتے ہی ...... میں خوف سے کپکپا گیا ...... نجم خان بھی حصار چھوڑ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"معاف کر دو ...... مجھے معاف کر دو ...... وہ ہیبتناک شخص گڑگڑایا۔

"معاف کر دوں ...... نجم خان نے حیرانگی سے چونکتے ہوئے کہا۔ پھر غصہ سے دانت پیستے ہوئے بولا۔

"تجھے معاف کر دوں! بولو! شمیم کہاں ہے؟" اس نے پوچھا اور ساتھ ہی خنجر تھام کر اٹھنے لگا ...... عین اسی وقت مجھے اللہ رکھی کی آواز سنائی دی ...... وہ نجم خان سے کہہ رہی تھی۔

"کیا غضب کرتے ہو جلدی سے حصار پورا کرو ...... سلاسل وار کرنے ہی والا ہے"۔

اس آواز کو سنتے ہی نجم خان نے جلدی سے حصار پورا کیا اور چراغ جلا کر وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔

○

وہ شخص چند لمحہ تک تو گڑگڑاتا رہا ...... اس کے بعد تاریکی میں غائب ہو گیا ...... اللہ رکھی کی زبانی مجھے یہ تو معلوم ہو گیا ...... کہ سلاسل یہی ہے لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اس قدر ڈراؤنی شکل والے کے ساتھ شمیم کسی طرح رہ رہی ہو گی۔

میں انہی خیالات میں گم تھا کہ آسمان پر زور سے بجلی گرجی ...... یہ گرج اتنی زور دار تھی کہ ہم دونوں نے گھبرا کر ایک ساتھ اوپر دیکھا۔ کیوں کہ ہمیں ایسا محسوس ہوا تھا جیسے بجلی ہمارے سروں کے اوپر چھت پہ گری ہے ...... لیکن وہاں چھت تو سلامت تھی البتہ وہی ڈراؤنی صورت والا شخص چھت سے الٹا لٹکا ہوا کہہ رہا تھا۔

نجم خان! میں حصار میں آ رہا ہوں۔

اس کی بات سنتے ہی ہم دونوں پہ خوف سے لرزا طاری ہو گیا۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ کودتا ایسا معلوم ہوا کہ چھت نے اسے پکڑ لیا ہے ...... اس نے خود کو چھت سے چھڑانے کے لئے بہت زور لگایا لیکن کامیاب نہیں ہوا ...... آخر کھسیا کر بولا۔

ٹھیک ہے میں نیچے آتا ہوں ...... اس کے ساتھ ہی مسجد کے صحن میں دھم سے کسی کے کودنے کی آواز آئی ...... ہم دونوں نے ایک بار پھر ...... ایک ساتھ دیکھا ...... صحن میں ڈراؤنی صورت والا سلاسل بڑے ہی اطمینان سے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ہمیں گھور رہا تھا۔ پھر یکایک اس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا ہنٹر آ گیا ...... اس ہنٹر کے آخری سرے پر آگ کا معمولی سا شعلہ بلند ہو رہا تھا ...... سلاسل نے پہلو بدل کر ہنٹر پوری قوت سے فضا میں گھمایا ...... اور اس سے قبل کے ہنٹر ہم دونوں پہ پڑتا۔ وہ شعلہ بڑھا اور پورا ہنٹر اس کی زد میں آ گیا ...... سلاسل نے گھبرا کر ہنٹر پھینک دیا ...... وہ بڑی پریشانی سے کبھی ہم دونوں کی طرف دیکھتا ...... اور کبھی زمین پہ پڑے ہوئے ہنٹر کو دیکھتا جو کہ چند ہی لمحوں میں جل کر خاکستر ہو چکا تھا ...... چند ثانیہ بعد ہم نے اس کے ہاتھوں میں نیزہ دیکھا۔ جس کی انی اندھیرے میں بھی چمک رہی تھی۔ اس نے نیزہ کو ہاتھ میں پکڑ کر تولا ...... اور ہم دونوں کا نشانہ لینے لگا ...... اسی وقت مسجد میں ایک سایہ داخل ہوا اور سلاسل کو ڈانٹتے ہوئے بولا۔

"خبردار کوئی حرکت نہ کرنا"۔

ہم دونوں ...... اس آواز کو سنتے ہی خوشی سے اُچھل پڑے ...... اللہ رکھی ایک بار پھر ہماری مدد کو آ گئی تھی ...... سلاسل نے آواز سن کر اچٹتی سی نظر اللہ رکھی پر ڈالی اور نیزہ ہماری طرف پھینک دیا ...... نیزہ فضا میں تیرتا ہوا سیدھا ہماری طرف آ رہا تھا ...... ہم دونوں اس کی زد میں تھے ...... اور سہم کر اپنی جگہ پہ سمٹ گئے تھے ...... نیزہ ابھی حصار سے دو چار فٹ ہی دور تھا کہ اس میں بھی

ہنٹر کی طرح آگ لگ گئی ...... یہ دیکھ کر سلاسل تلملا گیا اور وہ غصہ میں اللہ رکھی سے بولا۔

"تو یہ تو ہے۔ جس نے میرے مقابلے کے لئے ...... اس چھوکرے کو بھیجا ہے"۔

"سلاسل!" اللہ رکھی نے اس کی جانب بڑھتے ہوئے کہا ...... تم اس مخلوق سے تعلق رکھتے ہو ...... جسے اللہ نے نور سے بنایا اور فرشتوں پر فوقیت دی۔ لیکن تم اس کے خلیفۃ الارض کو تنگ کرنے لگے۔

"اللہ رکھی" سلاسل نے دانت پیستے ہوئے کہا "تو جانتی ہے ...... کہ میں معمولی اجنا میں سے نہیں ہوں"۔

"جانتی ہوں ...... جانتی ہوں" ...... اللہ رکھی نے اس کے سامنے چیخ کر کہا ...... "لیکن تم شاید یہ بھول گئے ہو ...... کہ آج تمہیں جس برتری کا احساس ہے ......وہ ان ہی عوامل کی وجہ سے ہے ...... جنہیں تم نے خلیفۃ الارض سے حاصل کیا"۔

تو کیا ہوا ...... اس نے غصہ و نفرت سے کہا۔

"تم نے ان علوم کو اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لئے سیکھا تھا" اللہ رکھی نے اسے جتلایا...... "لیکن تم نے بھی خاکی انسانوں کی طرح ان کا غلط استعمال کیا"

"اللہ رکھی" ...... سلاسل کا لہجہ پہلے کی نسبت نرم تھا ۔ لیکن اللہ رکھی نے اس کی بات سننے کی بجائے اپنی بات جاری رکھی۔

تم نے برسہا برس تک ...... اللہ کی مخلوق کو اذیتیں دیں ...... اور پھر...... تم نے اپنے علوم سے خاکی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا شروع کر دیئے۔

"یہ کوئی غیر فطری عمل نہیں ہے"۔ سلاسل نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"ہے ...... یہ غیر فطری عمل ہے" ۔ اللہ رکھی نے الفاظ کو دہرایا ...... بھلا آگ اور پانی کا میل ہو سکتا ہے۔ تمہارا اور انسانوں کا نسمہ جدا جدا ہے ...... تمہارا نسمہ آتشیں ہے جب کہ انسان کا نسمہ لطیف ہے۔

"جبھی تو مجھے خاک کا پتلا پسند ہے" ...... اس نے شرارت سے کہا۔

"تم اپنی پسند کو بھول جاؤ" ...... اللہ رکھی نے قدرے غصہ سے کہا ...... "اور قانون قدرت کو یاد رکھو ...... تم انسانوں کو اپنی ہوس کا ذریعہ بنا کر یہ تک بھول گئے ...... کہ اللہ قانون توڑنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتا"۔

"اللہ کی فطرت کو تم سے زیادہ میں جانتا ہوں۔ سلاسل نے قدرے تمکنت سے کہا۔

"تو پھر تم یہ بھی جانتے ہو گے" ...... اللہ رکھی نے مسکرا کر کہا ...... "کہ اللہ کو ایک ایک ذرے کی حرکت کا علم ہے۔ اور اب تک تم نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کی سزا دینے کا وقت آگیا ہے"۔

"کون ہے جو مجھے سزا دے گا"۔ سلاسل نے غرور سے کہا۔

"اللہ ...... جس کے قبضہ قدرت میں جنوں اور انسانوں کی زندگیاں ہیں" ...... اللہ رکھی نے عشق الٰہی میں ڈوبتے ہوئے آنکھیں بند کر کے کہا ...... بس عین اسی لمحہ ...... جب کہ اللہ رکھی نے آنکھیں بند کی تھیں ..... سلاسل کو موقع

مل گیا اور اس نے مسجد کے باہر چھلانگ لگائی۔

○

اس کے چھلانگ لگاتے ہی اللہ رکھی نے آنکھیں کھول دیں ...... اور ابھی وہ مسجد کی دیوار کو پھلانگ ہی رہا تھا کہ اللہ رکھی چلائی۔

"سلاسل تم بچ نہیں سکتے ...... اللہ نے تمہیں کیفر کردار تک پہنچانے کا وسیلہ بنا دیا ہے۔ آخری الفاظ کے ساتھ ہی وہ مسجد کی دیوار پھلانگ کر غائب ہو گیا ...... اس کے غائب ہوتے ہی اللہ رکھی نجم خان سے مخاطب ہوئی ......

گھبراؤ نہیں ...... وہ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا تم اپنا وظیفہ مکمل کر لو۔ اور اگر وہ کہیں نظر آ جائے تو خنجر لے کر اس سے نبرد آزما ہو جانا۔

"لیکن وہ تو بہت ہی طاقت ور ہے"۔ نجم خان نے پریشانی سے کہا۔

"اب وہ کچھ بھی نہیں ہے" ۔ اللہ رکھی نے حسب معمول مسکراتے ہوئے کہا ...... اس وظیفہ سے اس کی تمام صلاحتیں ختم ہو چکی ہیں۔

"لیکن ...... لیکن ...... عثیم کہاں ہے؟" نجم خان نے پریشانی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے" ...... اللہ رکھی نے سوچتے ہوئے جواب دیا ...... "وظیفہ پورا ہوتے ہی ...... وہ خود تمہارے پاس عثیم کو چھوڑ جائے ...... ورنہ تمہیں اجنہ کی لبستی میں جانا ہو گا۔ "کس طرح؟" میں نے پوچھا.... "ہم اجنہ کی لبستی میں کیسے جائیں گے"

"وقت آنے پر یہ بھی بتا دیا جائے گا ...... اللہ رکھی نے جواب دیا ..... "فی الحال! وظیفہ پورا کرنا ضروری ہے"۔ آخری جملہ اس نے نجم خان کی طرف دیکھ

کر کہا اور پھر وہ مسجد کے باہر چلی گئی۔

○

اللہ رکھی کے جانے کے بعد ...... نجم خان نے وظیفہ شروع کر دیا اور رات کا بقایا بغیر کسی حادثہ کے گزر گیا ...... نجم خان کا وظیفہ طلوع سحر سے کچھ ہی پہلے ختم ہو جاتا تھا ...... اس دن بھی ایسا ہی ہوا لیکن نجم خان حصار سے باہر نہیں آیا ...... اسے یہ امید تھی کہ شاید سلاسل ...... عثیم کو چھوڑنے آ جائے ...... مگر ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے ...... صبح صادق کے وقت جب کہ سورج کی لالی آسمان پر پھیل رہی تھی ...... وہ دل برداشتہ ہو کر مسجد سے باہر نکلا۔ اور بغیر کچھ کہے سنے ٹھکانہ کی طرف چل دیا ...... میں بھی خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا تھا ...... ہم دونوں مقررہ راستہ پہ چلے جا رہے تھے ...... ایک ہفتہ کے اندر اندر یہ راستہ ہمارا جانا پہچانا ہو گیا۔ نجم خان کو تو یہ تک علم تھا کہ راستے کے دونوں جانب کس قسم کے خود رو درخت اور پودے ہیں۔

○

رہائی

ہم دونوں خاموشی سے راستہ طے کر رہے تھے..... نجم خان آگے تھا۔ اور میں پیچھے.... چلتے چلتے اچانک نجم خان ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پہ مڑ گیا۔ یہ پگڈنڈی سیدھی اس مقبرہ کی طرف جا رہی تھی۔ جس کا گنبد سبز و سیاہ تھا..... کچھ دور چلنے کے بعد..... نجم خان مجھ سے مخاطب ہوا.....

"تم اگر چاہو تو واپس جا سکتے ہو..... میں سلاسل کے ٹھکانہ پر جاؤں گا۔ اور اپنی شیم کو حاصل کر کے رہوں گا"

"لیکن..... اللہ رکھی نے تو تم سے یہ نہیں کہا تھا"..... میں نے جواب دیا۔

اللہ رکھی نے تو نہیں کہا..... وہ چلتے چلتے بولا..... لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ شیم کو سلاسل نے اسی جگہ چھپا رکھا ہے۔

میں نے پھر کچھ نہیں کہا اور خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا رہا..... کچھ ہی دیر بعد..... ہم اس عالیشان عمارت میں داخل ہو گئے۔ اور ایک لمبی سی نہ معلوم گردش سے گزر کر صحن میں آ گئے۔ یہ پرانے وقتوں کے کسی رئیس کا مقبرہ معلوم ہوتا تھا..... جس کے صحن میں جھاڑیوں کا جنگل سا تھا۔ اور اس سے ذرا پرے چبوترہ پہ چھپر کھٹ بنا ہوا تھا..... مجھے سب سے زیادہ تعجب اس بات پہ تھا۔ کہ اس عمارت کا ہوبہو وہی نقشہ تھا..... جیسا کہ اللہ رکھی نے کاغذ پہ بنا ہوا دکھایا تھا۔

ہم دونوں چبوترہ کے پاس پہنچ کر رک گئے اور پھٹی پھٹی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ نجم خان کی متلاشی نگاہیں عمارت کا جائزہ لے رہی تھیں..... پھر ایک دیوار پہ اس کی نگاہیں جم کر رہ گئیں۔ پھر اس نے دیوار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا.....

اس دیوار کو غور سے دیکھو میں نے اس کے کہنے پر دیوار کی طرف دیکھا..... وہ فوراً ہی اس دیوار کے قریب پہنچا۔ اور اینٹوں کو ٹٹولتے ہوئے بولا۔

یہ کوئی خفیہ دروازہ ہے اس کے بعد اس نے کوشش کر کے ایک اینٹ نکال دی اینٹ کے پیچھے خلا تھا۔ جو کہ اس بات کا ثبوت تھا..... کہ واقعی یہ کوئی دروازہ ہے۔

ہم دونوں تیزی سے اینٹیں ہٹانے لگے۔ اور کچھ ہی دیر بعد..... اتنی جگہ ہو گئی۔ کہ ایک آدمی آسانی سے اندر داخل ہو سکتا تھا..... نجم خان بغیر کچھ کہے سنے اندر داخل ہو گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی اور اندر چلا گیا..... اندر قبر کی طرح تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور دور روشنی ایک بڑے سے نقطہ کی مانند نظر آ رہی تھی..... ہم نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا۔ اور اس نقطہ کی جانب چل دیئے۔

ہم دونوں جوں..... جوں..... آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ یہ نقطہ بھی واضح ہوتا جا رہا تھا۔ اور جب ہم قریب پہنچے تو وہ ایک غار کا دہانہ دکھائی دیا..... اس غار کے دہانہ سے نکلتے ہی ہم دونوں حیرت زدہ رہ گئے..... ہمارے سامنے نہایت ہی سرسبز و شاداب وادی تھی۔ جس میں ہر طرح کے پھلوں اور پھولوں کے درخت تھے..... اور درختوں کے درمیان میں کہیں کہیں نہایت ہی شاندار قسم کی کھوٹی

عمارتیں تھی، جن کے باہر نہایت ہی خوبصورت عورتیں..... مرد اور بچے گھوم پھر رہے تھے.....ان کے چہروں سے حسن وجمال کی روشنیاں سی پھوٹ رہی تھیں.....وہ سب کسی اور ہی دنیا کی مخلوق دکھائی دیتے تھے۔

"چلو" نجم خان نے کہا..... "ان سے پوچھتے ہیں کہ یہ کون سی بستی ہے"

"چلو" میں نے جواب دیا۔ اور پھر بستی کی طرف بڑھ گئے..... نجانے انہیں کس طرح ہمارے آنے کا علم ہوگیا.....انہوں نے سہم کر ہماری طرف دیکھا اور آنا" فانا" اپنے گھروں میں داخل ہوگئے.....اب ساری بستی ویران تھی۔ صرف ہم دونوں کھڑے تھے.....کہ اچانک ہمارے بائیں جانب ایک ایسی عمارت دکھائی دی۔ جس سے کہ ہم گزر کر آئے تھے.....ہم دونوں تیزی سے اس عمارت کی طرف بڑھے۔ اور اندر داخل ہوگئے.....اندر عمارت بہت ہی شاندار تھی.....اس عمارت میں جا بجا مختلف رنگوں کے شیشے کے ٹکڑوں کے ڈھیر بھی تھے..... نجم خان نے شیشوں کے ان ٹکڑوں کے ڈھیر کی طرف دیکھتے ہوئے نفرت سے کہا.....

یہی ان ہیروں اور جواہرات کا ڈھیر ہے جو کہ سلاسل نے میرے چچا کو دیئے تھے۔

"یہ تو بہت بڑا خزانہ ہے" میں نے تعجب سے کہا۔

"لعنت ہے اس خزانہ پر".....اس نے پہلے ہی کی طرح نفرت سے جواب دیا۔ اور دوسرے ہی لمحہ غصہ سے چلایا.....

سلاسل تم جہاں کہیں بھی ہو..... سامنے آؤ۔

اس کی آواز در و دیوار سے ٹکرائی اور چند لمحہ گونجنے کے بعد..... پھر خاموشی

چھاگئی..... نجم نے اللہ رکھی کے دیئے ہوئے خنجر کو مضبوطی سے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ اور وہ نہایت ہی غصہ کے عالم میں سلاسل کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا.....اس کو تلاش کرتے ہوئے ہم دونوں اس عمارت کے اندرونی حصہ میں داخل ہوگئے.....یہاں سنگ مرمر کے بے شمار ستون تھے اور انہی کے درمیان ایک حسین دوشیزہ زنجیروں میں جکڑی ہوئی پڑی تھی..... نجم خان فورا" اس کے قریب پہنچا۔ اور میری شمیم کہہ کر اسے سینہ سے لگایا۔ شمیم پہ نیم بے ہوشی طاری تھی۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ جیسے کسی نے اس کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ نجم خان نے جلدی سے اس کے جسم کے گرد لپٹی ہوئی زنجیروں کو کھولا۔ اور غصہ سے پوچھا۔

"سلاسل کہاں ہے؟"

"وہ بدبخت آج صبح مر گیا"۔ شمیم نے نحیف آواز سے کہا..... "وہ آگ میں جل گیا"

"اللہ کا شکر ہے.....وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا"۔ نجم خان نے جواب دیا چلو اب ہم واپس اپنی دنیا میں چلتے ہیں

یہ سن کر شمیم اپنی جگہ سے اٹھی اور ابھی دوچار قدم ہی چلی ہوگی.....کہ نقاہت کی وجہ سے لڑکھڑا گئی۔ نجم خان نے فورا" ہی اسے ہاتھوں پہ اٹھالیا۔ اور پھر ہم غار کے اُسی دہانہ کی طرف چل دیئے.....جب ہم واپس آرہے تھے..... تو اجنبی عورتیں..... مرد اور بچے سہمی سہمی نظروں سے ہمیں دیکھ رہے تھے.....اس غار سے نکلنے کے بعد..... ہم واپس اپنے ٹھکانہ پہ آگئے..... شمیم کیوں کہ بہت زیادہ

کمزور تھی۔ لہٰذا نجم خان نے اسے دودھ وغیرہ پلایا اور چند گھنٹہ بعد..... جب اس میں توانائی آئی..... تو ہم تینوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ بس اسٹاپ پہ پہنچ کر نجم خان تو..... شمیم کو لے کر اندرونِ سندھ جانے والی بس میں سوار ہو گیا..... اللہ رکھی کا یہی حکم تھا۔ کہ شمیم کو حاصل کرنے کے بعد وہ فوراً ہی واپس اپنے شہر چلا جائے۔ اور میں اکیلا..... کراچی اس کے پاس آؤں..... نجم خان تو شمیم کو لے کر اپنے شہر چلا گیا۔ اور میں کراچی جانے والی بس کا انتظار کرنے لگا.....بس کے انتظار میں گھومتا گھومتا قریبی بک اسٹال پہ پہنچا.....جہاں صبح کے تازہ اخبار رکھے ہوئے تھے ان اخباروں کی سرخیوں پہ نظر پڑتے ہی جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی.....ان تمام اخبار کی ایک ہی سرخی تھی۔

"کراچی کے مضافاتی علاقوں میں زلزلہ کے شدید جھٹکے۔ کئی مکانات منہدم ہو گئے اور سینکڑوں افراد ملبہ کے نیچے دب کر مر گئے"۔

◯

شاہ جی

میں زلزلہ کی خبر پڑھ کر سخت پریشان تھا۔ میں نے اپنے اطراف میں لوگوں کو دیکھا..... ٹھٹھہ کے باشندوں کے چہروں پر بھی زلزلہ کی وحشت نمایاں تھی.....میں وقت گزارنے کی خاطر بس اسٹاپ کے قریب ہی واقع ایک چھوٹے سے ہوٹل میں چلا گیا.....وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کراچی سے بسیں دیر میں آ رہی ہیں۔ کیونکہ زیادہ تر لوگ زلزلہ سے متاثرین کی امداد میں لگے ہوئے ہیں۔

دن گزرتا جا رہا تھا اور ساتھ ہی میری پریشانی بھی بڑھتی جا رہی تھی.....خدا خدا کر کے بعد دوپہر بدین اور سجاول سے ہوتی ہوئی ایک بس کراچی جانے کو آئی۔ اور میں اس میں سوار ہو گیا۔

◯

میں سہ پہر کے وقت کراچی پہنچا۔ اور سیدھا اللہ رکھی کے گھر کی طرف چل دیا.....جب میں بستی میں پہنچا یہ دیکھ کر کپکپا اٹھا.....کہ بیشتر مکانات ملبہ کا ڈھیر ہو چکے ہیں۔ اور ریڈ کراس والے ملبہ کے نیچے دبے ہوئے انسانوں کو نکالنے میں مصروف ہیں.....میں منہدم مکانات پر نظر ڈالتا ہوا اس گلی میں داخل ہوا جس میں اللہ رکھی رہتی تھی۔ میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اللہ رکھی کا مکان جوں کا توں موجود ہے.....میں بتا نہیں سکتا کہ اس وقت میں کس قدر خوش ہوا تھا۔ اور اسی خوشی میں بھاگتا ہوا مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ

رہ گیا کہ اندر کے تمام کمرے مٹی کا ڈھیر بنے ہوئے ہیں..... میں نے سوچا کہ اللہ رکھی اور اس کا ملازم شمرال کہاں چلے گئے ہیں۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ دونوں اس ملبہ کے ڈھیر کے نیچے تو نہیں دب گئے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے ملبے کی اینٹوں کو ہاتھوں سے ہٹانا شروع کردیا۔ لیکن میں اپنی اس کوشش میں جلد ہی تھک گیا اور اپنی مدد کے لیے ریڈ کراس کے آدمیوں کو بلانے کی خاطر عمارت کے باہر آگیا۔ ابھی میں گلی میں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ کس طرح ان لوگوں کی مدد حاصل کروں، کہ ایک جھٹکا سالگا۔ میرے پیر کے نیچے زمین ہلی اور میں گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی میرے اطراف میں بچی کھچی عمارتیں بھی زمین بوس ہوگئیں..... ریڈکراس کے عملہ کے افراد بھی خوفزدہ ہوکر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے..... میں نے اس تباہ کاری کا جائزہ لینے کے بعد ان میں سے ایک شخص سے درخواست کی کہ وہ ملبے کے ڈھیر کو ہٹادیں شاید اس کے نیچے..... اللہ رکھی دبی ہو۔ اس شخص نے میری بات سننے کے بعد کہا۔ اب یہ کام بلڈوزروں کی مدد سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کے لیے انتظار کرنا ہوگا۔

○

ریڈکراس والوں نے اور دوسرے صاحب حضرات نے زلزلے سے متاثرین لوگوں کے لیے کیمپ لگا دیا تھا جہاں سے ان کی غذائی ضرورت پوری کی جائے۔ کیوں کہ یہ شروع سردیوں کے دن تھے لہٰذا کیمپ میں بستر وغیرہ کا بھی انتظام تھا۔ میں کیمپ میں ہی رہنے لگا اور زلزلے سے متاثرہ لوگوں کی خدمت کرنے لگا۔ یہ کیمپ تقریباً" ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک قائم رہا۔ اس دوران ریڈکراس اور

دوسری امدادی پارٹیوں نے تمام مکانوں کا ملبہ صاف کردیا۔ ملبے کے نیچے دبے ہوئے زخمیوں کو نکال لیا گیا۔ لیکن اللہ رکھی اور اس کے ملازم کا کہیں پتا نہ تھا۔ نہ ان کی لاش ملی اور نہ ہی زخمیوں میں تھے۔ میں اس صورت حال سے پریشان تھا۔ کیونکہ میری اس کہانی کے پڑھنے والوں کو علم ہوگا کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ صرف ایک اللہ رکھی تھی اور اللہ نے اسے بھی مجھ سے جدا کردیا تھا۔ لیکن اللہ لامحدود وسائل کا مالک ہے۔ انہی دنوں زلزلے کے متاثرین کے لیے حکومت نے کچھ رقم تقسیم کی۔ اس رقم میں مجھے اتنا مل گیا کہ میں نے اللہ رکھی کے مکان کی جگہ ایک چھوٹی سی کٹیا بنالی۔ جس کی چھت چٹائی اور بانس کی تھی۔ رہائش کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد مجھے ایک بار پھر فکر معاش نے گھیر لیا۔ اب میں صبح کو گھر سے مزدوری کرنے نکل جاتا اور دن بھر میں اتنے پیسے کما لیتا جس سے دووقت کی روٹی کھا سکتا تھا۔

○

دن اسی طرح سے گزر رہے تھے..... میں ایک بار پھر فٹ پاتھ پر آگیا تھا..... قدرت کے اس نظام کو سمجھنا واقعی بہت مشکل ہے..... اللہ تبارک وتعالیٰ تو مجھے "اللہ رکھی" سے ملادیتا تھا اور کبھی جدا کردیتا تھا لیکن اس دفعہ جن حالات میں اس سے جدا ہوا تھا، اس سے تو یہی معلوم ہوتا تھا..... کہ شاید جدائی دائمی ہے..... خیر۔

کراچی کی سڑکوں پر مزدوری کرتے کرتے میری ملاقات "شاہ جی" سے ہوگئی..... شاہ جی بظاہر تو بڑے ہی متقی اور عبادت گزار تھے..... لیکن وہ کراچی کے

نہایت ہی چھٹے ہوئے بدمعاش تھے..... جس وقت کے میں حالات بیان کر رہا ہوں' اس وقت کراچی اتنا وسیع نہیں ہوا تھا..... البتہ وہ اپنے پر پھیلا رہا تھا۔ حکومت نئی نئی بستیاں آباد کر رہی تھی..... اور صدر جیسے پررونق علاقہ میں مہاجر فٹ پاتھوں پر سامان لگا کر فروخت کیا کرتے تھے۔

شاہ جی منحنی سے لمبے آدمی تھے..... میں ان سے جب بھی ملا' وہ شیروانی اور بڑے پائنچوں کے پائجامہ میں ملبوس نظر آئے..... ان کے بال بڑے بڑے تھے۔ جو کہ ہر وقت گردن کے اطراف میں جھولتے رہتے تھے..... وہ ہندوستان سے ہجرت کرکے آنے والے لوگوں میں ایسے نوجوانوں کو تلاش کرتے تھے جن کا کوئی وارث نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایسے شخص کی وہ دل کھول کر مدد کرتے تھے۔ اور جب وہ پوری طرح ان کا احسانمند ہوجاتا تھا۔ تو وہ اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے۔ شاہ جی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک خوبی رکھی تھی..... وہ یہ کہ وہ دوچار ملاقاتوں ہی میں اندازہ لگالیتے تھے کہ نووارد میں کونسی صلاحیتیں موجود ہیں..... اور وہ کس کام کے لیے موزوں رہے گا..... پھر وہ اس سے ویسا ہی کام لیتے تھے..... یہی وجہ تھی کہ ان کے گروہ میں نہایت ہی سفاک قسم کے لوگ شامل تھے۔

اگر میں "شاہ جی" کے بارے میں بتانے لگوں تو اس کے لیے کئی صفحات درکار ہوں گے..... لہٰذا بس مختصراً" یہ سمجھ لیجئے کہ وہ..... کراچی کا بے تاج بادشاہ تھا۔

شاہ جی۔ نے دو ہی ملاقاتوں میں اندازہ لگالیا..... کہ میں نہ تو کسی کو قتل کرسکتا ہوں اور نہ ہی چوری کرسکتا ہوں ..... شاہ جی نے مجھے اس کام کے لیے آزمایا..... تو پستول ہاتھ میں آتے ہی ..... ہاتھ کپکپانے لگے..... آخر انہوں نے مجھے "جیب کترا" بنانے کا فیصلہ کیا..... اور اس مقصد کے لیے مجھے "لالو" کے حوالہ کردیا گیا..... "لالو" ایک سن رسیدہ مکرانی تھا..... اور کہتے ہیں کہ تقسیم ہند سے قبل اس کا طوطی سندھ سے لے کر بمبئی تک بولتا تھا..... وہ صرف آدمی کی چال سے اندازہ لگالیتا تھا کہ اس کی جیب میں کتنے پیسے ہیں..... اور پھر..... لالو سے بچ کر نہیں جاسکتا تھا..... وہ اس صفائی سے جیب کاٹتا تھا..... کہ جیب سے رقم نکلنے کے کافی دیر بعد احساس ہوتا تھا..... کہ جیب ہلکی ہوگئی ہے

میرے استاد "لالو مکرانی" نے صرف چار ماہ کی مدت میں ایسا "مشاق" جیب کترا بنا دیا کہ میں ہزاروں کی رقم اڑانے لگا..... میں جو رقم اڑاتا تھا..... وہ ساری "شاہ جی" لے لیتے تھے لیکن وہ میری ہر طرح کی ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔ میری رہائش سے لے کر کھانے پینے تک کا بندوبست انہی کے ذمہ تھا۔ میری عیاشی کے اخراجات بھی وہ بخوشی پورے کرتے تھے..... لہٰذا..... میں اس جہنم نما زندگی کو ایک نعمت سمجھ کر خوش تھا..... اور شاہ جی کو اپنا بڑا محسن سمجھتا تھا۔

بس یوں سمجھ لیجئے..... کہ میں بھی "شاہ جی" کے رنگ میں رنگ گیا تھا ..... فرق تھا تو صرف یہ تھا کہ شاہ جی عمر کے اس حصے میں داخل ہوچکے تھے' جہاں صرف حسن وشباب سے نظروں کے ذریعہ دل کو تسکین دی جاتی ہے۔

میری زندگی کے شب وروز نہایت ہی پرلطف گزر رہے تھے..... کہ اچانک

ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔۔۔۔اور میں جو گناہوں
کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا تھا۔ ایک بار پھر۔۔۔۔راست باز مسلمان کی طرح
زندگی بسر کرنے لگا۔۔۔۔میں اس واقعہ کو بھی۔۔۔۔ تازیانہ خداوندی ہی سمجھتا ہوں۔
ورنہ "شاہ جی" تو مجھے نجانے جہنم کے کس درجہ کا آدمی بنانے پر تلے ہوئے
تھے۔۔۔۔ہوا یوں۔۔۔۔کہ اس زمانے میں "لالوکھیت" نیا نیا آباد ہوا تھا۔ اور بستی میں
ہر قسم کے لوگ کچے پکے مکان بنا کر آباد ہو رہے تھے۔۔۔۔یہاں بھینسوں کا کاروبار
بھی بڑے ہی زور شور سے ہوتا تھا۔۔۔۔میں کبھی کبھی شکار کی تلاش میں لالوکھیت
آجاتا تھا۔۔۔۔ لیکن ہمیشہ ناکام رہتا تھا۔۔۔۔ کیونکہ یہ علاقہ "شاہجی" کے ایک نہایت
ہی ہونہار شاگرد کا تھا۔ اور جونہی اس علاقہ میں داخل ہوتا تھا' اسے اپنے گرگوں
کے ذریعے معلوم ہو جاتا تھا۔۔۔۔وہ فوراً" مجھ سے آکر ملتا۔ اور ہوٹل میں بٹھا کر
چائے بسکٹ سے خاطر مدارت کرکے واپس بس کے ذریعہ روانہ کردیتا۔۔۔۔شاہ جی
نے بھی مجھے کئی بار تنبیہہ کی۔۔۔۔کہ میں "شکار" کی تلاش میں دوسروں کے
علاقوں میں نہ جایا کروں۔۔۔۔انہوں نے میرے لیے صدر کا علاقہ۔۔۔۔اور ریلوے
لائن کے ساتھ ساتھ "کھوہڑی" کا علاقہ مخصوص کردیا تھا۔ اور اس علاقہ میں کوئی
دوسرا "جیب کترا" پر تک نہیں مار سکتا تھا۔۔۔۔اور اگر کوئی ہٹ دھرمی دکھاتا تھا۔۔۔۔
تو پھر "شاہ جی" کوڑے سے اس کی خبر لیتے تھے

○

ایک دن میں صدر کے ایک کیفے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔۔۔۔کہ "لالوکھیت"
کا جیب کترا ہانپتا کانپتا میرے پاس آیا۔۔۔۔اور ایک "سندھی" وضع قطع کے شخص

کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔۔۔۔استاد! یہ وہ شکار ہے جس کے پیچھے میں اپنے
علاقہ سے لگا ہوں۔ لیکن یہ اتنا ہوشیار ہے کہ میں ہزار کوشش کے باوجود پتا نہیں
چلا سکا کہ اس نے رقم کہاں چھپا رکھی ہے۔

کتنی رقم ہے اس کے پاس۔۔۔۔میں نے اس سے پوچھا۔

دس ہزار۔۔۔۔اس نے سرگوشی سے بتایا۔

دس ہزار۔۔۔۔میں نے اظہارِ تعجب کیا۔

ہاں استاد۔۔۔۔اس نے بتایا۔۔۔۔یہ بھینسوں کا بہت بڑا بیوپاری ہے۔ یہ کوٹڑی
میں رہتا ہے۔ آج صبح ہی اس نے میرے علاقے میں دس ہزار کی بھینس فروخت
کی ہیں۔

میں نے ایک نظر اس تاجر کی جانب دیکھا۔۔۔۔وہ "اجرک" اپنے جسم کے گرد
لپیٹے کینٹ اسٹیشن جانے والی "ٹرام" میں بیٹھ رہا تھا۔۔۔۔لالوکھیت کے "جیب کترے
" نے جلدی جلدی مجھ سے "کمیشن" طے کیا۔ اور پھر۔۔۔۔میں بھی جلدی سے
ہوٹل کا بل ادا کرکے باہر نکل آیا۔۔۔۔ٹرام خراماں خراماں کینٹ اسٹیشن کی طرف
روانہ ہو رہی تھی۔۔۔۔میں دوڑتا ہوا' اس پر چڑھ گیا۔ اور بیوپاری کے قریب
نشست سنبھال لی۔۔۔۔ٹرام میں جو حضرات بیٹھ چکے ہیں۔۔۔۔انہیں یاد ہوگا۔۔۔۔کہ
ٹرام میں انسان کو دائیں بائیں معمولی سے جھٹکے لگتے رہتے ہیں۔ اور میرے ساتھ
جب بھی ایسا ہوتا تھا۔۔۔۔میں تقریباً" اپنے "شکار" پر گر جاتا تھا اس طرح اس کے
جسم سے اپنے جسم کو مس کرکے میں اندازہ لگانے کی کوشش کرتا تھا۔۔۔۔دس
ہزار کی پوٹلی اس نے کہاں چھپا رکھی ہے۔۔۔۔ لیکن وہ نہایت ہی چالاک شخص

تھا..... میں ہزار کوشش کے باوجود پتا نہ چلا سکا- اور اس طرح ہم اسٹیشن پہنچ گئے-

○

اس وقت اسٹیشن پر خوب گہما گہمی تھی- کیونکہ کراچی ایکسپریس کے جانے کا وقت ہو رہا تھا- میرے شکار نے کوٹری کا ٹکٹ خریدا..... میں اس کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا تھا- لہٰذا میں نے بھی کوٹری کا ٹکٹ خرید لیا..... اور تھرڈ کلاس کے جس ڈبے میں "وہ" چڑھا تھا میں بھی چڑھ گیا اور اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا..... گاڑی اپنے مقررہ وقت پر اسٹیشن سے روانہ ہو گئی- میں راستے بھر اس جستجو میں رہا کہ آخر اس نے کہاں پیسے چھپا رکھے ہیں..... بعض دفعہ میرے ذہن میں یہ خیال بھی آتا تھا کہ کہیں میرے لالوکھیت والے دوست کو اس شخص کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ ہو گئی ہو..... لیکن میرے اس خیال کی تردید فوراً" ہی ایک دوسرا خیال کر دیتا کہ میرا ہم پیشہ نہ تو دھوکا کھا سکتا ہے اور نہ ہی دھوکا دے سکتا ہے..... کراچی ایکسپریس اپنی رفتار سے اندرون ملک کی جانب دوڑ رہی تھی- اور میں چور نظروں سے اپنے شکار کا جائزہ لے رہا تھا..... میرا خیال تھا کہ اسے نیند آ جائے تو میں اس کی پوٹلی پر ہاتھ صاف کر لوں..... لیکن وہ بھی ایسا سخت جان تھا کہ سو نہیں رہا تھا..... اس کے مسلسل جاگنے سے میرا یہ یقین اور پختہ ہو گیا کہ واقعی اس شخص کے پاس کوئی بڑی رقم ہے جبھی تو اسے نیند نہیں آ رہی ہے..... تقریباً" آدھی رات کے بعد اس شخص پر غنودگی سی طاری ہونے لگی- اس نے اپنے پاؤں سامنے والی نشست پر پھیلا دیے- اور اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ

اس کے موزے بھاری ہیں..... یہ صورت حال بڑی ہی خراب تھی- کیونکہ موزوں میں سے پیسے نکالنا کوئی معمولی بات نہ تھی..... میں نے سوچا کہ یہ چند لمحوں کے لیے بھی اگر سو گیا تو میں اپنا کام دکھا دوں گا..... مگر اس کمبخت نے تو نیند نہ آنے کی جیسے گولیاں کھا رکھی تھیں..... وہ چند لمحے بعد ہی آنکھیں کھول کر اپنے اطراف کا جائزہ لینے لگتا تھا- اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ چوکنا ہے- اور نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں میل دور ہے..... اس طرح کوٹری کا اسٹیشن آ گیا..... میں چونکہ ایک معقول کمیشن کے عوض شکار کے پیچھے چلا تھا' اس لیے خالی ہاتھ لوٹنے کو تیار نہیں تھا- کوٹری اسٹیشن سے باہر نکل کر بیوپاری چند جاننے والوں کے ہمراہ اپنے گھر کی جانب چل دیا- میں اس کے پیچھے سائے کی طرح لگا ہوا تھا اس لیے اس کے مکان تک پہنچ گیا..... مکان کے دروازے پر پہنچ کر بیوپاری نے بڑی سی حویلی کا دروازہ کھٹکھٹایا- کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا- اور بیوپاری حویلی میں داخل ہو گیا- دروازہ دوبارہ بند ہو گیا..... اور میں پوری احتیاط سے حویلی کی کچی دیوار کو پھلانگ کر اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا..... وہاں دو کمرے تھے- ایک میں سے ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی- ان دونوں کمروں کے درمیان میں تھوڑی سی خالی جگہ تھی' جہاں پر بھوسہ بھرا ہوا تھا..... ایک جانب بھینسوں کو باندھنے کے لیے بڑے بڑے کھونٹے زمین میں گڑے ہوئے تھے..... میں نے ایک ہی نظر میں حویلی کا جائزہ لیا- اور دیوار کے ساتھ چپکا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا..... میرے خیال میں یہ وہ کمرہ تھا..... جو کہ بھینسوں کو باندھنے کے لیے مخصوص تھا..... میرا اندازہ ٹھیک ہی نکلا- کیونکہ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی

گوبر اور پیشاب کی ملی جلی بو نے میرا استقبال کیا۔۔۔۔میں اس کمرے میں بھوسے
کے پیچھے چھپ گیا۔ ابھی مجھے بھوسے کے پیچھے چھپے ہوئے مشکل سے آدھا گھنٹہ
ہوا ہو گا کہ باہر دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔۔۔۔رات کے سناٹے میں دستک کی
آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔۔۔۔اس کے ساتھ صبح کاذب کا اجالا صحن میں
پھیل رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ برابر والے کمرے کا دروازہ کھلا۔ اور نہایت ہی
خوبصورت عورت ریشمی لباس پہنے ہوئے باہر نکلی۔۔۔۔وہ صحن میں خراماں خراماں
ہوتی ہوئی باہر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ اور دروازہ کھلنے سے پہلے اس نے دبی
ہوئی آواز میں پوچھا۔۔۔۔کون ہے۔

جواب میں کسی مرد کی آواز آئی۔۔۔۔میں ہوں۔ کیوں کیا بات ہے، تم کچھ
گھبرائی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔

میرا شوہر آگیا ہے۔۔۔۔عورت نے مزید پریشانی سے کہا۔

کب آیا۔۔۔۔مرد کی آواز سنائی دی۔

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے۔۔۔۔اب وہ بے خبر سو رہا ہے۔۔۔۔عورت نے
جواب دیا۔

او ہو یہ تو بہت برا ہوا۔۔۔۔مرد نے کسی قدر پریشانی سے کہا۔ اچھا بتاؤ کچھ
مال وغیرہ بھی لایا ہے۔

ہاں۔ دس ہزار روپے لایا ہے۔۔۔۔عورت نے جواب دیا۔

خوب اسے کسی نے آتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔۔۔۔مرد نے تجسس سے پوچھا۔

رات ختم ہونے کو ہے۔۔۔۔اس اندھیرے میں اسے کس نے دیکھا

ہو گا۔۔۔۔عورت نے جواب دیا۔

تو پھر کیا ارادہ ہے۔۔۔۔مرد نے پوچھا۔

تم تو بڑے ہی بزدل ہو۔۔۔۔عورت نے اس کا مذاق اڑایا۔۔۔۔پہلے بھی کئی
ایسے مواقع کھو چکے ہو۔

تم مجھے بزدل ہونے کا طعنہ نہ دو۔۔۔۔مرد نے جواب دیا۔۔۔۔تم ٹھہرو۔ میں
کلہاڑی لیکر آتا ہوں۔

ٹھیک ہے۔ تم جلدی سے کلہاڑی لے آؤ۔۔۔۔عورت نے جواب دیا۔۔۔۔صبح
ہونے میں کچھ ہی دیر باقی ہے۔ میں دروازہ کھلا رکھوں گی۔

اس کے بعد ناگہاں بیوپاری کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز بلند ہوئی۔۔۔۔اور
عورت جلدی سے دروازہ بند کرکے اندر کمرے میں چلی جاتی ہے۔

یہاں میں جس مقصد کے لیے آیا تھا ان دونوں کی گفتگو سن کو اپنا مقصد بھول
گیا۔ یہاں آکر میں نئے حالات سے دوچار ہو گیا۔۔۔۔میری سمجھ میں نہیں آتا تھا
کہ یہ کیسی بیوی ہے جو کہ اپنے عاشق کے ذریعے شوہر کو قتل کرانے پر آمادہ ہو گئی
ہے۔۔۔۔میرے جسم کا رواں رواں کانپ اٹھا۔ اور سردی کے باوجود مجھے پسینہ
آگیا۔۔۔۔اس حسین عورت اور مرد کی گفتگو سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ چند منٹ کے
بعد کیا ہونا والا ہے۔۔۔۔میں تو جیب کا سودا کرکے یہاں تک آیا تھا مگر یہاں تو
زندگی کا سودا ہو چکا تھا۔۔۔۔میں اگر چاہتا تو کھلے دروازے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
رقم لے کر چلتا بنتا۔۔۔۔مگر میرے دل میں ایک دم انسانی ہمدردی جاگ
اٹھی۔۔۔۔اور میں بیوپاری کی جان بچانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اس وقت میرے

پاس ایک بہت ہی چھوٹی قینچی تھی، جو کہ جیب کاٹنے کے کام آتی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی اور ہتھیار نہیں تھا...... مجھے پوری طرح سے اندازہ تھا کہ آنے والا کس قسم کے ہتھیار سے مسلح ہوگا...... اسی شش و پنج میں میرا ہاتھ غیرارادی طور پر بھینس باندھنے والے کھونٹے پر پڑ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک نئی تدبیر آئی...... میں نے دونوں ہاتھوں سے کھونٹے کو ہلانے کی کوشش کی اور تھوڑی سی محنت کے بعد اسے اکھاڑنے میں کامیاب ہو گیا...... میرا دل اس طرح دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینے سے باہر آجائے گا...... اب میرے کان اس اجنبی مرد کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔

صبح کاذب کا اجالا ایک بار پھر دھندلانے لگا تھا...... چند لمحے بعد میں نے بیرونی دروازے کے کھلنے اور صحن میں کسی مرد کے چلنے کی آہٹ سنی...... میں نے دیکھا کہ ایک بھاری بھرکم مرد دونوں ہاتھوں میں کلہاڑی تھامے نہایت ہی دبے قدموں سے برابر والے کمرے کی طرف بڑھ رہا ہے...... میں کپکپاتی ٹانگوں سے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ لیکن اس شخص کو دیکھتے ہی میری ٹانگوں اور بازوؤں میں بے پناہ طاقت آگئی۔ شدید نفرت سے میں اس شخص کے پیچھے گیا۔ اور کھونٹے کا بھرپور وار اس کے سر پر کیا...... اس مرد کی ہلکی سی چیخ سنائی دی اور وہ زمین پر گرنے لگا۔ اس کے گرتے گرتے ایک وار اور کر دیا اور پھر بھاگ کر دوبارہ بھوسے کے پیچھے چھپ گیا۔

○

صبح صادق کے اجالے میں فجر کی آذان کی آواز بلند ہوئی...... اندر کمرے میں

سوئی ہوئی عورت ہڑبڑا کر اٹھی۔ اور دروازہ کھول کر باہر صحن میں جھانکنے لگی۔

اچانک اس عورت کی نظر صحن میں گرے ہوئے مرد پر پڑی اور بلند آواز میں چیخنے لگی۔

لوگوں میرے سائیں نے خون کر دیا ہے...... لوگوں میرے شوہر نے قتل کر دیا ہے۔

عورت کے چیخنے کی آواز سن کر پڑوسی عورتیں دیواروں سے جھانکنے لگیں اور محلے کے لوگ اندر گھس آئے...... میں بھی آنکھ بچا کر لوگوں کے ہجوم میں ایک تماشائی کی حیثیت سے شامل ہو گیا...... عورت ہیجانی کیفیت میں لوگوں سے کہہ رہی تھی...... میرے شوہر نے اس غریب کو مار ڈالا...... بیوپاری جو کہ اس عورت کا شوہر تھا حیران و پریشان کھڑا اپنی بیوی کے چہرے کو تک رہا تھا...... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی بیوی یہ کس قسم کا الزام لگا رہی ہے...... آخر کسی نے پولیس کو اطلاع کر دی۔ اور کچھ ہی دیر بعد اس بیوپاری کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگ گئیں...... اور قانون نے اسے جیل کی موٹی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا...... میں دس ہزار کی رقم حاصل نہ کر سکا لیکن اس واقعہ نے میری سوچ کو یکسر بدل دیا...... مجھے اس دنیا سے نفرت ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ بیوی جب اپنے شوہر سے دغابازی کر سکتی ہے اور اسے اپنے عاشق کی خاطر جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتی ہے تو پھر کس سے وفا کی امید رکھی جا سکے...... میرے ذہن میں ان خیالات نے جنگ چھیڑ دی۔ اب میں کمرے میں لیٹا اسی طرح کی باتیں سوچتا رہتا تھا۔ میں نے اس بارے میں "شاہ جی" کو بھی کچھ نہیں بتایا۔

○

پھر ایک رات جب کہ میں بستر پر لیٹا سونے کی کوشش کر رہا تھا' میرے سرہانے چارپائی پر گلاب کے پھولوں کا گلدستہ رکھا ہوا تھا.....میں نے گلدستے میں سے یونہی ایک پھول توڑ لیا۔ اور سونگھنے لگا۔ اس پھول کی خوشبو بہت ہی تیز تھی۔ میں نے غور سے اس پر نگاہیں جمادیں.....دوسرے ہی لمحے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے پھول کی پنکھڑیوں نے "اللہ رکھی" کے چہرے کا روپ دھارلیا ہے.....میں نے پھول کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مجھے ہر جانب "اللہ رکھی" کا چہرہ نظر آرہا تھا.....پھر وہ چہرہ مجھ سے بولا سیشن جج حیدر آباد جاؤ..... سیشن جج کی عدالت میں جاؤ..... تم قاتل ہو۔ تم نے خون کیا ہے..... "اللہ رکھی" کی یہ آواز سن کر میں خوف سے کانپ اٹھا۔ میں نے گلاب کا پھول پھینک دیا اور مسہری سے اٹھ کر کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا.....اس ٹہلنے کے دوران ہی میرے دل ودماغ سے آواز آئی.....کہ واقعی میں قاتل ہوں.....واقعی قتل میں نے کیا ہے۔

اس کے بعد میں نے سوچا کہ سیشن جج کی عدالت میں جاکر اعتراف گناہ کرلینے میں کیا حرج ہے۔ بیوپاری بیچارہ بے گناہ مارا جائے گا۔ کیونکہ اس کی بیوی اس کے خلاف بیان دے گی .....اس واقعہ کی صرف وہی عینی شاہد ہے.....صبح ہوتے ہی میں نے ٹکٹ لیا اور حیدر آباد روانہ ہوگیا.....میں سیدھا سیشن کورٹ پہنچا۔ اور لوگوں سے قتل کے اس مقدمہ کے بارے میں پوچھا..... ایک سرکاری اہلکار نے بتایا کہ اس مقدمہ کی کاروائی کل ہوگی - اور ابھی اس عورت کا بیان قلمبند کیا جارہا ہے۔

میں ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہر گیا.....اور رات بھر ضمیر کی اس کشمکش میں مبتلا رہا کہ صبح عدالت میں پیش ہونا ہے..... صبح کے وقت میں اس اطمینان کے ساتھ سوگیا کہ ابھی عدالت میں پیش ہو کر اعتراف جرم کرنے کی بجائے.....اس عورت کے مکروفریب کو دیکھوں کہ وہ اپنے شوہر کے خلاف کہاں تک بیان دیتی ہے۔

○

مقدمہ کا فیصلہ

اب...... میں نے حیدر آباد میں قیام کر لیا- میں نماز پابندی سے پڑھنے لگا- اور لوگوں کی جیبیں کاٹنے کے بجائے محنت مزدوری کر کے پیٹ بھرنے لگا...... اللہ کا بڑا کرم یہ ہوا کہ رزق حلال کے وسائل اور ذرائع پیدا ہو گئے اور میں اس مقدمے کی کاروائی میں ہمیشہ ایک تماشائی کی حیثیت سے شامل ہوتا رہا- یہ مقدمہ پورے دو سال تک چلتا رہا- مقتول ' عورت کے رشتے کا بھائی تھا جس سے اس کے ناجائز تعلقات تھے- اور عورت کا پورا خاندان اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ قاتل نے محض شک کی بناء پر اسے قتل کر دیا...... ملزم یا قاتل کی طرف سے کوئی گواہ ایسا نہیں تھا جس کے بیان پر مجرم چھوٹ جاتا...... گو کہ عینی شاہد صرف قاتل کی بیوی تھی' لیکن اس بے رحم کے دل میں اپنے شوہر کے لیے ذرہ برابر بھی محبت نہیں تھی...... بلکہ وہ اپنے رشتے داروں اور وکیل کے ساتھ مل کر اس کوشش میں رہی کہ قاتل کو جو کہ اس کا شوہر ہے یا تو پھانسی ہو جائے یا عمر قید کی سزا ہو جائے-

آخر کار وہ دن آ ہی گیا جب کہ جج نے فیصلہ سنانے کا اعلان کیا...... کمرہ عدالت' عورت کے رشتے داروں اور مقتول کے لواحقین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا- جب کہ قاتل کے صرف بوڑھے والدین عدالت میں موجود تھے...... پولیس والوں نے مجرم کو لا کر کٹہرے میں کھڑا کر دیا- اور ایک وکیل نے کھڑے ہو کر کچھ بولنا

چاہا...... اس کے ساتھ ہی میرے کان میں اللہ رکھی کی آواز سنائی دی...... وقت آ گیا ہے کہ اب تم اعتراف جرم کر لو- اس سے پہلے کہ جج فیصلہ سناتا میں اپنی جگہ کھڑا ہوا- اور عدالت سے مخاطب ہوا...... جج صاحب اس سے پہلے آپ اس مقدمے کا کوئی فیصلہ سنائیں' ابھی اس مقدمے کا عینی شاہد باقی ہے-

حاضرین عدالت تعجب سے میری طرف دیکھنے لگے- جج نے پوچھا...... وہ عینی گواہ کون ہے......

ابھی بتاتا ہوں...... میں نے جواب دیا...... وہ عینی گواہ شاہد ایک "جیب تراش" ہے-

یہ کیا بکواس ہے...... مقتول کا وکیل اپنی جگہ سے اٹھ کر چلایا...... ایک جیب تراش کس طرح عینی شاہد ہو سکتا ہے...... پھر وہ جج سے مخاطب ہوا-

جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ اب...... جب کہ اس مقدمے میں تمام مطلوبہ گواہوں کے بیانات قلمبند ہو چکے ہیں...... یہ گواہ ملزم کی جانب سے فراڈ معلوم ہوتا ہے-

یہ سنتے ہی ملزم کا وکیل بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا- اور نہایت ہی بلند آواز سے بولا-

جناب والا! اس مقدمے کا فیصلہ سنانے کا دن آ گیا ہے- لیکن دو سال کے دوران ایسا نہیں ہوا کہ اچانک ہی کوئی عینی شاہد رہ گیا ہو- لیکن اس اجنبی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے...... کہ قاتل کی بیوی کے علاوہ کوئی اور بھی عینی شاہد موجود ہے...... وہ کون ہے...... میری عدالت سے درخواست ہے کہ اس کا بیان بھی سن

لیا جائے

یہ کہہ کر ملزم کا وکیل اپنی جگہ پر بیٹھ گیا.....اور جج بڑے ہی تحمل سے بولا.....عینی شاہد کو پیش کیا جائے میں نے کہا..... حضور والا.....پہلے میرا بیان سن لیجئے۔

ٹھیک ہے.....جج بولا.....تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو.....لیکن اس کے لیے تم کو حلف اٹھانا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی.....عدالت کا ایک اہلکار قرآن ہاتھ میں لے کر میرے پاس آگیا۔

○

قرآن پر ہاتھ رکھ کر میں نے سچ.....سچ بولنے کی قسم کھائی۔ اور بیان ریکارڈ کرانے لگا.....میں نے کہا..... حضور والا.....یہ سچ ہے کہ ایک جیب تراش اس جرم کا عینی شاہد ہے۔ وہ جیب تراش ملزم کے پیچھے کراچی سے لگا تھا.....کیونکہ ملزم بھینسوں کا بیوپاری تھا۔ اور اس دن وہ بھینس فروخت کرکے دس ہزار کی رقم لے کر چلا تھا.....اس جیب تراش کو اس بات کا علم ہوگیا۔ اور وہ دس ہزار کی رقم اڑانے کے چکر میں اس کے پیچھے لگ گیا.....اور ملزم کے گھر میں داخل ہوگیا.....اور صبح کے وقت قتل کا جو واقعہ پیش آیا' وہ خود اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے

اس کے بعد میں نے تھوک نگلا.....اور جس طرح میرے سامنے قتل ہوا تھا.....وہ بیان کردیا۔ عدالت میں موجود ہر شخص حیرت زدہ نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا.....اور بیوپاری کی عورت کا رنگ خوف سے زرد ہو رہا

تھا.....اچانک اس کا وکیل اپنی جگہ سے اٹھا.....اس نے جج صاحب سے اجازت لی۔ کہ وہ مجھ سے چند سوال کرنا چاہتا ہے۔

جج صاحب نے اسے اجازت دی.....اجازت ملتے ہی وہ تیزی سے پلٹا اور مجھ سے بولا..... تم نے جو کچھ کہا.....اسے سچ اسی وقت مانا جائے گا' جب کہ تم یہ بتاؤ گے.....کہ وہ جیب کترا کہاں گیا۔

بتاتا ہوں.....بتاتا ہوں.....میں نے جواب دیا.....اس واقعہ کے بعد..... اس جیب تراش نے اپنے پیشے سے توبہ کرلی۔ اور حیدر آباد میں رہائش اختیار کرلی.....وہ مقدمہ کی ہر کارروائی میں بحیثیت تماشائی شامل ہوتا رہا.....

لیکن وہ کہاں ہے.....جج نے جھنجلا کر پوچھا۔

حضور ---------- وہ آپ کے سامنے کٹہرے میں کھڑا ہے

عدالت میں موجود ہر شخص کی حیرت واستعجاب سے چیخیں نکل گئیں.....اسی دوران جج کی آواز بلند ہوئی..... تمہیں قتل کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔

حکم ملتے ہی سپاہی آگے بڑھے اور انہوں نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں.....میں نے بیوپاری اور اس کی بیوی کی طرف دیکھا.....بیوپاری کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے' جب کہ اس کی بیوی شرم وندامت سے سر جھکائے رو رہی تھی۔

○

پولیس نے ایک مجسٹریٹ کی موجودگی میں میرا بیان قلمبند کیا.....جو کہ حرف بحرف وہی تھا جو کہ میں اس سے قبل عدالت میں دے چکا تھا.....ایک ہفتہ

بعد..... اس مقدمہ کی نئے سرے سے پیشی ہوئی..... اور پہلی ہی پیشی پر ملزم "بیوپاری" کو رہا کردیا گیا..... پھر مجھے بھی ضمانت پر رہا کردیا گیا..... اور بیوپاری کی بیوی کو گرفتار کرلیا گیا..... جھوٹی گواہی کے الزام میں بیوپاری کی بیوی کی طرف سے پیش ہونے والے تمام گواہوں کو بھی گرفتار کرلیا گیا پھر مجھے سزا سنا دی گئی۔
سزا کی مدت پوری ہونے کے بعد رہا کردیا گیا

رہا ہونے کے بعد..... بیوپاری نے مجھے ایک خطیر رقم دینا چاہی' لیکن میں نے لینے سے انکار کردیا..... پھر بھی بیوپاری کے رشتہ داروں نے زبردستی میری جیب میں معقول رقم ڈالدی ...... یہ امداد غیبی تھی۔ اس رقم سے میں نے حیدر آباد میں کاروبار شروع کردیا..... خدا کا کرنا ایسا ہوا..... اس کاروبار میں مجھے دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوتی چلی گئی..... میں کراچی آگیا۔ اور محمدی ہاؤس میں دفتر کھول لیا۔

اب میرے پاس کار تھی۔ اور سوسائٹی میں شاندار بنگلہ تھا..... زندگی میں بہت سے نشیب وفراز آئے..... مجھ سے نہایت ہی اچھے اور فیشن ایبل گھرانے کی لڑکیوں نے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی..... لیکن "عورت ذات" پر سے میرا اعتبار اس طرح سے اٹھ گیا..... کہ میں نے ہمیشہ سے شادی سے انکار ہی کیا..... البتہ انہی دنوں کچھ دوستوں نے مجھ سے فلم بنانے کا مشورہ کیا..... یہ ایک طرح سے ذہنی عیاشی تھی' جسے میں نے بخوشی منظور کرلیا۔ اور اس طرح میں فلمی کاروبار میں بطور پروڈیوسر کے داخل ہوگیا۔

فلم بن کر تیار ہوگئی۔ اور دلچسپ بات یہ ہوئی..... کہ اس فلم نے پاکستان میں

خاطر خواہ بزنس کیا..... جس سے کہ میرے حوصلے بلند ہوگئے..... اور میں نے دو مزید فلمیں بنانے کا اعلان کر دیا ..... میرے مستقل فلم ڈائریکٹر نے مشورہ دیا ..... کہ ان فلموں کی ففٹی پرسنٹ شوٹنگ مغربی ممالک میں کرائی جائے تو یہ فلمیں سپرہٹ ہوں گی..... اس کا یہ مشورہ کسی حد تک درست تھا۔ لیکن کسی بھی فلم کی شوٹنگ غیر ممالک میں کرنا "جوئے شیر" لانے سے کم نہیں تھا..... اس کے لئے نہ صرف کافی سرمایہ درکار ہوتا ہے بلکہ اخراجات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں..... اداکاروں کے کرایہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ ان کی رہائش وغیرہ کا انتظام بھی کرنا پڑتا ہے..... سرمایہ کی میرے پاس کمی نہیں تھی۔ اس لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا..... میں نے ڈائریکٹر سے کہہ دیا..... کہ وہ اسکرپٹ تیار کرائے۔ اور کہانی کے مطابق اداکاروں سے اگریمنٹ کرلے ...... ڈائریکٹر تو میرے کہنے کے مطابق فلم کا اسکرپٹ تیار کرنے لگا۔ اور مجھ سے کہا۔ جتنے عرصہ میں فلم کا اسکرپٹ تیار ہوگا..... آپ لندن کے بہترین تفریحی مقامات دیکھ آیئے گا۔ تاکہ جب ہم فلم کی شوٹنگ کے لیے "یونٹ" لے کر چلیں تو کوئی دشواری نہ ہو لہٰذا میں نے پاسپورٹ بنوایا۔ اور لندن جانے کی تیاری کرنے لگا۔

○

میں تنہا شخص تھا۔ لندن جانے کی تیاری کیا کرنی تھی..... دوستوں نے بتایا تھا کہ اس ملک میں پورے سال سردی پڑتی ہے۔ اور شدید سردی کے موسم میں برف باری بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا چار پانچ گرم سوٹ بنوالیے..... سوٹوں کی تیاری میں کوئی ایک ماہ لگ گیا۔ اور میرے اس ایک ماہ کے دوران دوستوں نے لندن کے

بارے میں مبالغہ کی حد تک قیاس آرائیاں کرڈالیں۔

بہرحال خدا خدا کرکے وہ دن آہی گیا جب میری نشست ہوائی جہاز میں مخصوص ہوگئی اس 146 فٹ لمبے طیارہ میں 113 مسافروں کی نشستیں تھیں۔ اور دس عملہ کے افراد شامل تھے.....میں یہ تمام تفصیل اس وجہ سے تحریر کر رہا ہوں..... کہ اس سفر کے دوران میں جن حیرت انگیز واقعات سے دوچار ہوا ..... آپ ان کی کوئی توجیہہ کر سکیں ...... ویسے میں اپنی زندگی کے اس حیرتناک واقعہ کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ یہ واقعہ اتنا عجیب ہے کہ اگر میں کسی کے سامنے بیان کروں..... تو وہ اسے میرے دماغ کی خرابی سمجھے گا اور جو لوگ..... روحانیت سے واقف نہیں ہیں' وہ تو مجھے پاگل سمجھیں گے

بحرحال میں نے دوستوں کو خدا حافظ کہا۔ اور جہاز میں سوار ہوگیا.....میں جس جہاز میں سفر کر رہا تھا' اسے رات کے آخری حصہ میں اڑنا تھا۔

وقت مقررہ پر جہاز رن وے پر دوڑنے لگا۔ اور چند منٹ بعد فضا میں بلند ہوگیا۔

جہاز نے چونتیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ کر عمودی پرواز شروع کردی' تو دستور کے مطابق ہمیں سیفٹی بیلٹ کھولنے کو کہا گیا۔ اس کے بعد..... نہایت ہی پروقار انداز میں "چیف پائیلٹ" کی آواز بلند ہوئی۔ اور اس نے مسافروں کو "خوش آمدید" کہتے ہوئے..... جہاز کی سطح سمندر سے بلندی اور اس کی رفتار بتائی پھر موسم کا حال' اور آخر میں چار گھنٹہ بعد "ریاض" ایئرپورٹ پہنچ جانے کی خوشخبری سنائی۔

جس زمانے کا یہ واقعہ ہے' اس زمانے میں "سعودی عرب" کے راستے لندن تک سفر طے کیا جاتا تھا.....چیف پائیلٹ کے خاموش ہوتے ہی خوبرو اور خوبصورت ایئرہوسٹسوں نے مسکرا مسکرا کر مسافروں کے سامنے کافی کے کپ اور بسکٹ رکھنے شروع کردیئے۔

میں نے اطمینان سے ٹانگیں پھیلادیں۔ اور..... اپنے اطراف کا جائزہ لینے لگا..... دائیں جانب کی نشست پر ایک غیر ملکی جوڑا بیٹھا کافی کے مزے لے رہا تھا..... جب کہ بائیں جانب والی نشست پر ایک نہایت ہی الٹراماڈرن قسم کی خاتون بیٹھی شیشے سے باہر جھانک رہی تھی..... گو کہ مجھے اس خاتون کا آدھا چہرہ نظر آرہا تھا۔ اس کے باوجود بے اختیار میری زبان سے نکل گیا..... اللہ رکھی۔

اس نام کے ساتھ ہی خاتون نے مڑ کر میری جانب دیکھا..... اور مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور واقعی! اللہ رکھی نے مسکراتے ہوئے کہا..... کہو۔ خان کیا حال ہے۔

تم زلزلہ کے بعد کہاں غائب ہوگئی تھیں..... میں نے الٹا اسی سے پوچھا۔

میں کہاں غائب ہوگئی تھی..... اس نے قدرے اچنبھے سے جواب دیا..... میں تو اسی شہر کراچی میں تھی لیکن مجھے بتائے بغیر کہاں چلی گئی تھیں۔ میرے لہجہ میں شکایت تھی..... ٹھٹھہ سے سیدھا تمہارے پاس آیا تھا۔ لیکن تم اپنے ملازم شمرال کے ساتھ غائب تھیں۔

ارے ہاں۔ اسے جیسے یاد آگیا..... وہ تمہارے دوست کو شمیم مل گئی نا۔

ہاں۔ ہاں۔ مل گئی..... میں نے اکتائے ہوئے لہجہ سے کہا..... لیکن تم خود کہاں

غائب ہوگئی تھیں۔

ارے بھئی! بتا تو دیا۔ اسی شہر کراچی میں تھی.... اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

لیکن مجھے تو تم کہیں نہیں ملیں..... میں نے شکوہ کیا۔

تم نے مجھے ڈھونڈا ہی کب تھا.... اللہ رکھی نے برجستہ جواب دیا.... اور میں نے ندامت سے آنکھیں جھکالیں۔

اس نے میری ندامت دور کرنے کی خاطر پوچھا... اب تو تمہارے حالات بہت اچھے ہوگئے ہیں..... تم کہاں جارہے ہو۔

میں..... میں نے جواب دیا.... اپنی فلم کی شوٹنگ کے سلسلہ میں لندن جا رہا ہوں۔

ارے تم تو بس یونہی ہو..... اس نے مجھے ٹھوکا مارتے ہوئے کہا.... فلم کے چکر میں تم "اسلام اور روحانیت" سے بہت دور ہوتے جارہے ہو۔

اس میں رکھا بھی کیا ہے..... میں نے سنجیدگی سے جواب دیا.... یہ دنیا بڑی ہی حسین ہے۔ اور مجھے اللہ نے موقع دیا ہے کہ اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤں۔

مذہب تمہیں فائدہ اٹھانے سے منع تو نہیں کرتا..... اللہ رکھی نے کہا۔

لیکن مذہب اپنے قانون میں گرفتار تو کرلیتا ہے..... میں نے کہا.... اور ......

تم ابھی تک گرفتار بلا ہو..... اس نے میری بات کاٹی..... زندگی کے نشیب وفراز سے بھی تم نے کچھ نہیں سیکھا۔

تمہیں معلوم ہے..... میں نے پوچھا.... کہ میں کن حالات سے گزر چکا ہوں۔

اس نے کوئی جواب دینے کی بجائے "اقرار" کے انداز میں سرہلایا۔

مجھے یقین نہیں آتا..... میں نے اس کے اقرار کی تردید کی۔

تمہیں تو اس وقت یقین آتا..... وہ دانت پیس کر بولی.... جب پھانسی کا پھندا گلے میں پڑ جاتا۔

اس کے اس ایک جملہ سے میں چونک اٹھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ میرے حالات سے واقف ہے..... لیکن یہ کس طرح ممکن تھا..... میں نے سوچا..... میں اللہ رکھی سے کئی سال جدا رہا تھا..... پھر..... پھر میں امیر ہوتا چلا گیا.... اور اب..... جب کہ میں نے فلمی کاروبار شروع کردیا تھا..... اللہ رکھی بالکل ہی میرے ذہن سے نکل چکی تھی..... میں لندن جارہا تھا تو بالکل اتفاقیہ طور سے وہ مجھے مل گئی تھی۔

میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس سے اس طرح "ہوائی جہاز" میں ملاقات ہوجائے گی۔

وہ مجھے سوچ میں گم دیکھ کر نہایت ہی اپنائیت سے بولی..... ارے تم۔ مجھے بھول گئے تو کیا ہوا میرے دل سے تو تمہاری یاد نہیں گئی۔

اللہ رکھی۔ کیا واقعی تو مجھ سے محبت کرتی ہے..... میرے دل میں اس کے لیے ایک دم جذبہ محبت..... اجاگر ہوگیا۔

لو۔ اللہ کی مخلوق سے کوئی نفرت کی جاتی ہے کیا..... اس نے مسکرا کر جواب میں نے لاجواب ہو کر موضوع بدلتے ہوئے پوچھا.... اب تمہاری "روحانیت" کا کیا حال ہے۔ ٹھیک ہے..... اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

تم..... تم..... کہاں جا رہی ہو..... میں نے پھر پوچھا۔

سرکار دوعالمؐ نے بلایا ہے..... اللہ رکھی نے کہا..... انہی کے دربار میں "مکہ مدینہ" جا رہی ہوں

اچھا..... میں نے تمسخر سے کہا۔

تم ملو گئے..... اس نے پوچھا..... مکہ مدینہ دیکھ لو گے تو لندن بھول جاؤ گے۔

مجھے تو معاف ہی رکھو..... میں نے ایک بار پھر اس کا مذاق اڑایا..... کہاں یہ تپتا ہوا صحرا..... کہاں لندن۔

میری بات مانے گا تو صحرا بھی گلستان بن جائے گا..... اس نے پیار سے میرا کاندھا تھپتھپایا۔ میں ساتھ ہوں۔ چل تجھے دربار رسالتؐ میں پہنچا دوں۔

ایسے نہیں..... میں نے اسے آزمایا..... مزہ جب ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤاجداد سے ملادے۔

تو میرا ہاتھ تو پکڑ..... اس نے بڑے ہی پیار سے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا..... عالم اعراف میں جس سے کہے گا..... ملاقات کرادوں گی۔

سچ..... میں نے تعجب اور خوشی کی ملی جلی کیفیت سے کہا۔

نہیں تو کیا جھوٹ..... اللہ رکھی نے جواب دیا..... اور پھر چونک کر بولی..... تم نے کچھ غور کیا۔ کیا ہے..... میں نے پوچھا۔

جہاز کی رفتار تیز نہیں ہے کیا..... اس نے جواب دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی مجھے احساس ہوا کہ واقعی جہاز کی رفتار وہ نہیں ہے جو کہ پہلے تھی۔ بلکہ وہ نہایت ہی تیزی سے اڑ رہا تھا..... اور اس کے انجنوں کا شور لحہ بہ لحہ بڑھ رہا تھا..... میں

نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا..... ایک تو رات کا پچھلا پہر، پھر کافی کی لذت نے مزہ دوچند کر دیا..... اور نیند جس کے بارے میں مشہور ہے کہ سولی پر بھی آجاتی ہے..... جہاز میں آموجود ہوئی..... میں نے دیکھا کہ تمام مسافر حالات سے بے خبر آرام سے سیٹوں پر سو رہے ہیں اور میں بھی جہاز کے ماحول سے بے خبر ہو گیا ہوں۔ لاشعور میں دیکھا کہ جہاز کو اس طرح جھٹکے لگنے لگے، جیسا کہ سڑک پر چلتی ہوئی کار کو پٹرول ختم ہونے سے لگتے ہیں۔

جب کراچی سے یہ پرواز روانہ ہوئی تھی تو رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہی صبح صادق کے آثار نمودار ہونے والے تھے..... یہ ہوائی جہاز اکیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ کر دھنکی ہوئی روئی کی طرح تہ بہ تہ بادلوں کو چیرتا ہوا نکلا اور نیلم جیسے شفاف آسمان تلے متوازن ہو کر منزل کی طرف بڑھنے لگا۔ ابھی اسے چونتیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچے زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی..... کہ نامناسب حالات کا سامنا کرنا پڑ گیا..... اللہ رکھی نے..... شاید خوف کی وجہ سے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا..... جہاز کو یکے بعد دیگرے اس طرح جھٹکے لگ رہے تھے جیسے کنویں سے پانی بھرنے کی خاطر بار بار ڈول کر اوپر اٹھا کر چھوڑا جاتا ہے..... یہ میرا پہلا ہوائی سفر تھا۔ لہٰذا پریشان ہونا قدرتی بات تھی..... میں بار بار چاروں طرف دیکھتا تھا..... پائیلٹ نے بیلٹ باندھنے اور ایمرجنسی کا اعلان کر دیا تھا..... ہر مسافر گھبرایا ہوا تھا..... ایئرہوسٹس..... اور اسٹیورڈ بھی خوفزدہ سے چپ سیٹوں پر بیٹھے تھے..... ابھی مسافر اس صورتحال کو اچھی طرح سے سمجھنے بھی نہیں پائے تھے..... کہ ایک تیز سفید اور گرم روشنی کا کوندا سا لپکا..... ایسا معلوم ہوتا

جیسے آسمانی بجلی نے ہوائی جہاز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو...... ہر مسافر اپنی آنکھوں کو اس طرح سے ملنے لگا جیسے..... وہ اندھا ہو چکا ہے..... میں نے خوفزدہ ہو کر اللہ رکھی کے ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا..... چند لمحہ...... بعد...... روشنی کی لہر ختم ہو چکی تھی۔ اور طیارہ بھی پہلے ہی کی طرح بڑے ہی پرسکون انداز میں اڑ رہا تھا..... اس کے ساتھ ہی پائیلٹ کی آواز سنائی دی.....

خواتین و حضرات!

ہم جس صورتِ حال سے دوچار ہیں..... اس سے آپ کو آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ تاریکی ختم ہو چکی ہے۔ اور مشرق سے سورج کی روشنی نمودار ہو رہی ہے..... لیکن ہم اندھیروں میں بھٹک چکے ہیں..... وہ نہایت ہی افسردہ لہجہ میں کہہ رہا تھا..... کچھ دیر قبل جہاز کو شدید قسم کے جھٹکے لگے تھے۔ اور اس کی رفتار حیرت انگیز حد تک بڑھ گئی تھی..... دراصل ہم فضا کے ایسے حصہ میں داخل ہو چکے تھے..... جہاں جہاز کی رفتار پر قابو رکھنا ناممکن تھا۔ ہمارا جہاز غیر یقینی رفتار سے اڑ رہا تھا۔ شاید اس کی رفتار راکٹ سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی..... ہمارے آلات نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا..... پھر آپ حضرات نے روشنی کی لہر محسوس کی ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے وقت کی حد پار کر لی ہے..... ہم نے زمانہ حال کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اور ماضی میں آگئے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے ..... میں نے ریاض ایئر پورٹ سے رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا..... میں نے دنیا کے دوسرے ممالک سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن وہاں سے بھی کوئی جواب نہیں ملا..... دوسرا ثبوت یہ ہے کہ ہم سرزمین سعودی عرب میں

داخل ہو چکے ہیں..... لیکن یہ بیسویں صدی کا سعودیہ نہیں ہے۔ بلکہ ماضی کا کوئی غیر معمولی شہر معلوم ہوتا ہے۔

حضرات!

جہاز کا ایندھن ختم ہو رہا ہے۔ اور انسانی جانوں کو بچانا میرا فرض ہے..... لہٰذا..... آپ لوگ آنے والے حالات سے مقابلہ کے لیے تیار ہو جائیں..... میں کرش لینڈنگ کر رہا ہوں..... آپ کا تعاون درکار ہے..... شکریہ!

○

مکہ معظمہ میں

پائیلٹ کے خاموش ہوتے ہی ہر شخص سراسیمگی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگا۔۔۔۔جہاز نے ایک غوطہ لگایا۔ اور بادلوں کے نیچے آگیا۔۔۔۔میں نے اپنے قریب والی کھڑکی سے باہر کی جانب دیکھا۔۔۔۔ہوائی جہاز دم بدم نیچے آرہا تھا۔ اور زمین اوپر کو اٹھتی ہوئی معلوم دے رہی تھی۔ ائیرہوسٹس اور اسٹیوارڈ ہر مسافر کو ایک ایک تکیہ دے رہے تھے۔ جنہیں وہ اپنے سامنے کی جانب رکھ کر اس پر سر رکھ رہے تھے۔۔۔۔میں نے اور اللہ رکھی نے بھی تکیوں پر سر ٹکا دیئے۔۔۔۔کوئی تین منٹ کے بعد ہی گرد و غبار کا طوفان سا اٹھا' اور ہمارا جہاز ریگستان میں دور تک پھسلتا چلا گیا۔۔۔۔اسٹیوارڈ نے فوراً ہی ہنگامی دروازہ کھول دیا۔ اور مسافر اس سے کودنے لگے۔۔۔۔یہ ایسی صورتحال تھی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔۔۔۔میں بھی جہاز سے کود گیا۔۔۔۔ریت پر گرتے ہی کسی کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔۔۔۔جہاز سے دور چلے جاؤ۔۔۔۔اس کے ایک ونگ میں آگ لگ چکی ہے۔۔۔۔میں نے کپڑوں سے مٹی جھاڑی اور بے تحاشا ایک چھوٹے سے ٹیلے کی طرف بھاگتا چلا گیا۔۔۔۔ٹیلہ پر پہنچ کر ذرا حواس درست ہوئے تو دیکھا کہ ہوائی جہاز کے ایک بازو میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اور مرد' عورتیں اور بچے اس سے دور بھاگ رہے ہیں۔۔۔۔انسانوں کے اس مجمع میں مجھے "اللہ رکھی" کا خیال آیا۔۔۔۔لیکن وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔۔۔۔میں نے یونہی ماحول کا جائزہ لینے کی خاطر اپنے اطراف میں نظریں ڈالیں' اور یہ دیکھ

کر حیران رہ گیا کہ ریت کے اس ٹیلہ کی دوسری جانب ایک ہی سنگلاخ پہاڑی سلسلہ ہے۔ اور اس پہاڑی کے دامن میں نہایت ہی صاف ستھری۔۔۔۔خوشنما بستی۔۔۔۔ہے۔ اس بستی کے وسط میں "خانہ کعبہ" نظر آیا۔۔۔۔تو کیا۔۔۔۔میں "مکہ" پہنچ گیا ہوں۔ مجھے ایک دم سے خیال آیا۔ اور دوسرے ہی لمحہ میرے قدم خود بخود اس بستی کی طرف اٹھنے لگے۔۔۔۔ٹیلہ سے اترتے ہوئے میں نے آسمان کے افق پر نظر ڈالی۔ ستارے دھندلا چکے تھے۔ اور آسمان پر شفق کی لالی سورج کے برآمد ہونے کی خوشخبری دے رہی تھی۔

○

میں بستی میں داخل ہوگیا۔ مٹی کے بنے ہوئے مکانوں کی ڈھلواں دیواروں کے دامن میں۔۔۔۔کہیں کہیں اونٹ بیٹھے جگالی کررہے تھے۔ اور کبھی کبھی ان کے بلبلانے کی بھی آواز سنائی دیتی تھی۔۔۔۔پوری بستی پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔۔۔۔البتہ سپیدہ سحر کے پھیلتے ہی مختلف مکانوں کے دالانوں سے مویشیوں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔۔۔۔کہیں کہیں مکانوں کے احاطہ سے کھجور کے درخت بھی سر نکالے جھانک رہے تھے۔۔۔۔۔ میں اس بستی کی مختلف گلیوں سے گزر رہا تھا۔۔۔۔میرا ارادہ مسجد حرام یعنی "خانہ کعبہ" میں جانے کا تھا۔

یہ "مکہ" کی صبح صادق تھی۔۔۔۔ آسمان پر پھیلی ہوئی شفق کی لالی دھندلانے لگی تھی۔۔۔۔دھندلکا اور اجالا ایک دوسرے میں گھل مل گئے تھے۔۔۔۔سورج مشرق کے دریچوں سے جھانکنے ہی والا تھا۔۔۔۔مہ و نجم رات کے مسافر رخت سفر باندھ چکے تھے ۔۔۔۔ بساط شب الٹی جا چکی تھی ۔۔۔۔۔ اس کے مہرے آپ ہی آپ

بکھرے جا چکے تھے.....ڈھلواں مٹی کی دیواروں کے اندر لوگ ابھی تک بادِ نسیم کے مزے لے رہے تھے۔ جس کی وجہ سے ابھی تک اس بستی پر سکوت شب چھایا ہوا تھا..... کسی کسی مکان کے اندر سے اونٹوں کے گلے کی گھنٹیاں بجنے کی آواز آجاتی تھی۔

اہل مکہ کے گھروں پر ابھی تک نیند کی خاموشی چھائی ہوئی تھی.....مجھے کوئی راستہ بتانے والا نہ تھا۔ بس اپنے قیاس کے مطابق "خانہ کعبہ" کی جانب چلا جا رہا تھا۔

○

اچانک۔ میں ایک ایسی گلی میں داخل ہوگیا.....جو کہ قدرے چوڑی تھی۔ اس گلی کے تمام مکانوں کی چھتیں بلند تھیں۔ اور کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھیں.....نہ جانے کیا بات تھی کہ اس گلی میں داخل ہوتے ہی دل میں ایک خوشی سی محسوس ہوئی.....ذہن کے کسی گوشہ سے خودبخود یہ آواز بلند ہوئی.....یہ قبیلہ قریش کے مکانات ہیں.....رحمت عالمؐ کے اجداد کے مکانات میری نگاہوں کے سامنے تھے.....اف! کتنا خوش نصیب تھا میں..... حیرت اور خوشی سے میرے پاؤں بھاری ہوگئے۔ اور میں بڑی ہی عقیدت سے ان مکانوں کو دیکھنے لگا۔

ابھی میں نظر بھر کر ان مکانوں کو دیکھ ہی رہا تھا.....کہ دماغ میں ایک دوسرا خیال آیا.....کہ یہ قبیلہ قریش ہی کے لوگ تھے جنہوں نے سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی۔ اس خیال کے آتے ہی دل میں نفرت سی پیدا ہوگئی۔ اور میں آگے بڑھ گیا...... گلی کے وسط میں پہنچا.....تو احساس

ہوا..... یہ "بنوہاشم" کے مکانات ہیں.....اس احساس کے ہوتے ہی میں عقیدت سے ٹھٹک کر رہ گیا..... "بنوہاشم" کے ایک قدرے طویل وعریض مکان کے دروازہ کے پاس ایک باوقار شخص سیاہ کمبل اوڑھے حالت "استغراق" میں بیٹھا تھا.....اس کی کمر دیوار سے لگی ہوئی تھی' اور نگاہیں آسمان کے افق پر جمی ہوئی تھیں.....یہ شخص اپنی سوچ میں اس قدر گم تھا کہ اسے ابھرتے ہوئے سورج تک کا احساس نہیں تھا.....اس کے قریب ہی چند.....بارعب اشخاص بیٹھے ہوئے تھے.....اب خوب' دھوپ پھیل چکی تھی پرندے چہچہا رہے تھے.....اونٹ بلبلا رہے تھے.....بکریاں ممیا رہی تھیں.....اور لوگوں کی آمدورفت شروع ہو چکی تھیں.....مگر یہ شخص اپنے خیالات میں مستغرق تھا.....غوروفکر کی شدت نے اس شخص کو صبح کے ہنگاموں سے بالکل ہی بے خبر کردیا تھا.....خاندان کے بارعب لوگ اس کی طرف حیرت وتجسس سے دیکھ رہے تھے۔ اس شخص کو پہلے کبھی اتنا غور وفکر کرتے نہیں دیکھا گیا۔ میرے ذہن میں فوراً ہی خیال آیا.....یہ "عبدالمطلب" ہیں "خاندان بنو ہاشم" کا سردار' خانہ کعبہ کا متولی میرے سامنے موجود تھا.....توکیا.....میں ماضی میں پہنچ چکا تھا چودہ سوسال کا زمانہ میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ اور میں خود اس زمانے میں موجود تھا.....مجھے صرف اس بات کا احساس تھا کہ میں چودہ سوسال بعد کا انسان' چودہ سوسال پہلے کے زمانے میں موجود تھا۔ میرا شعور پوری طرح سے بیدار تھا۔ اور میں ہر طرح بات کو سمجھ سکتا تھا۔

○

جب سورج اس بستی کے مکانوں پر چڑھ آیا اور عبدالمطلب کا چہرہ اس کی تپش کی شدت سے عرق آلود ہوگیا تو وہ استغراق سے چونکا۔ اس نے اپنی قبا کے دامنے سے چہرہ کا پسینہ پونچھا۔ اور متلاشی نگاہوں سے خاندان کے افراد کو دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ اسے بلاؤ۔۔۔ میں "رب کعبہ" سے کیا ہوا وعدہ پورا کروں گا۔

عبدالمطلب "استغراق" سے بیدار ہو گئے ہیں ۔۔۔ یہ اطلاع اندرونِ خانہ پہنچی تو خواتین اور بچے کچھے افراد خاندان بھی دروازہ پر آ گئے۔

خاندان کے ایک باریش شخص نے ہمت کرکے پوچھا۔۔۔ تم نے "رب کعبہ" سے کب اور کیا وعدہ کیا تھا

آج سے بیس سال پہلے کی بات ہے۔۔۔ عبدالمطلب نے بڑے ہی تحمل سے بتانا شروع کیا۔۔۔ جب کہ "مکہ" کے تمام کنوؤں کا پانی خشک ہونے لگا تھا۔۔۔ میں نے "رب کعبہ" سے دعا کی تھی کہ مجھے "چاہ زم زم" بتادے۔

وہ تو تمہیں خواب میں بتادیا گیا تھا۔۔۔ ایک دوسرے باریش نے بات پوری کی۔

ہاں۔ تم سچ کہتے ہو۔۔۔ لیکن تمہیں یاد ہوگا۔۔۔ عبدالمطلب نے اسے یاد دلایا کہ یہ چشمہ آب گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ معدوم ہوگیا تھا۔ اور ہم سے پہلے والے لوگوں نے اس جگہ بتوں کی قربان گاہ قائم کرلی تھی اور جب میں "رب کعبہ" کے اشارہ کے مطابق اس جگہ کو کھودنا چاہتا تھا تو سب لوگوں نے میری مخالفت کی تھی۔

ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ یہ ہمیں یاد ہے۔۔۔ اسی باریش شخص نے عبدالمطلب کی تائید

کی۔

تو تمہیں یہ بھی یاد ہوگا۔۔۔ عبدالمطلب نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔۔۔ اس مخالفت کر[illegible] نے میں "صحن کعبہ" میں گیا تھا۔۔۔ اور "رب کعبہ" سے دعا کی تھی۔۔۔ کہ اے رب مجھے دس بیٹے عطا کر۔ اور اگر تو نے میری زندگی ہی میں انہیں جوان کردیا تو میں ایک بیٹا تیرے نام پر قربان کردوں گا۔

ہاں۔ تم صحن کعبہ میں تو گئے تھے۔۔۔ ایک دوسرا باریش شخص بولا۔۔۔ ہمیں تمہاری دعا کا بھی علم ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ "رب کعبہ" تمہاری دعا ضرور قبول کرتا ہے۔۔۔ تم اس کے محبوب بندے ہو۔

رب کعبہ نے میری دعا پوری کردی ہے۔۔۔ عبدالمطلب نے کہا۔ میرے دس بیٹے۔۔۔ میری زندگی ہی میں جوانی کو پہنچ گئے ہیں۔ اب میرا بھی فرض ہے کہ "رب" سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کروں۔

یہ سن کر تمام افراد خاندان ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔۔۔ عبدالمطلب کی بزرگی کو سب جانتے تھے۔ عبدالمطلب نے ان سب کو خاموش دیکھا تو دوبارہ بولے۔۔۔ تین دن ہوئے جب کہ مجھے اشارہ ہوا کہ اپنی "منت" پوری کروں۔۔۔ اور تین دن ہی سے میں اپنے بیٹوں کے نام "قرعہ" ڈال رہا ہوں۔ جس میں سب سے چھوٹے بیٹے "عبداللہ" ہی کا نام نکل رہا ہے۔ لہٰذا آج میں اپنے بیٹے "عبداللہ" کو "خانہ کعبہ" کے سائے میں قربان کروں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے قریب ہی رکھی ہوئی چھری اٹھائی اور اس کی دھار پر اپنی انگلیاں پھیرنے لگے۔

○

میں عبدالمطلب کو صاف دیکھ رہا تھا۔ ان کی باتیں سن رہا تھا۔ سمجھ رہا تھا۔ لیکن تعجب کی بات یہ تھی ان میں سے کسی کو بھی میری موجودگی کا احساس تک نہیں تھا۔

جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر سارے شہر "مکہ" میں پھیل گئی کہ عبدالمطلب اپنے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے "عبداللہ" کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر قربان کرنے والے ہیں...... قبیلہ قریش کے لوگ خاص طور سے عبدالمطلب کے گھر کی طرف آنے لگے ...... اس کے علاوہ اور بھی جس کسی نے " عبدالمطلب" کی قربانی کا سنا' وہ اسی طرف چل دیا..... عبداللہ اپنے دوسرے بھائیوں "حارث" "ابوطالب" وغیرہ کے ہمراہ پہنچ گئے..... اتنے میں عبداللہ کے ننھیال والے بھی آگئے..... "عبداللہ" باپ کے دائیں جانب چپ چاپ کھڑے تھے۔ باپ کے ایک ہاتھ میں چھری تھی اور دوسرے ہاتھ میں پیارے بیٹے کا ہاتھ تھا..... سب کی نگاہیں عبداللہ پر جمی ہوئی تھیں۔

عبدالمطلب نے لوگوں کی ہمدردی کے اس منظر کو دیکھ کر کہا..... میری "منت " کا سب کو علم ہے میں تین راتوں سے قرعہ اندازی کر رہا ہوں۔ اور ہر بار قرعہ " عبداللہ" ہی کے نام کا نکلتا ہے۔ لہٰذا آج اپنے "رب" کے حضور اس کو قربان کرکے منت پوری کروں گا۔

یہ سن کر عبداللہ کے ننھیال والے آڑے آگئے..... اور عبدالمطلب کے بڑے بیٹے "ابوطالب" نے آگے بڑھ کر کہا..... یہ نہیں ہوسکتا۔ پہلے ہم سب

بھائیوں کی گردن پر چھری پھیردو۔ پھر "عبداللہ" کو "قربان" کر دینا۔

یہ عجیب صورتحال تھی..... دونوں طرف سے کوئی بھی اپنی بات سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ عبدالمطلب کے ہاتھ میں چھری تھی۔ لیکن بھائیوں کے سینے ان کے سامنے سپر بنے ہوئے تھے..... کچھ جہاندیدہ لوگ عبدالمطلب کو سمجھا رہے تھے..... کہ اگر انہوں نے اپنا ایک بیٹا قربان کردیا تو یہ روایت پڑجائے گی۔

لوگ "منت" پوری ہونے پر اپنے ایک بیٹے کو قربان کرنے لگیں گے..... عبدالمطلب لوگوں کے سمجھانے کے باوجود اپنی ضد پر قائم تھے..... ان کا کہنا تھا کہ چاہے دنیا ادھر ہوجائے میں اپنے "رب" سے وعدہ خلافی نہیں کرسکتا..... " منت" کا پورا کرنا ہر محبت اور تعلق سے بڑھ کر ہے۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ عبدالمطلب اپنی بات سے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں۔ اور ممکن ہے کہ یہ تنازعہ سنگین صورت اختیار کرلے..... ایک ضعیف العمر بوڑھے عرب نے مشورہ دیا..... بنوعامر کے محلہ میں ایک کاہنہ رہتی ہے..... چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔ اور اس بارے میں وہ جو مشورہ دے گی' اس پر عمل کریں گے۔

عبدالمطلب اور ان کے سسرال والے اس بات پر راضی ہوگئے۔ اور پھر یہ دونوں خاندان ..... دوسرے لوگوں کے ہمراہ اس کاہنہ کے ٹھکانے کی طرف چل دیئے۔

○

میں اس جم غفیر میں ایک تماشائی کی حیثیت سے شامل تھا۔ یہ مجمع اس کاہنہ کے ٹھکانے پر پہنچا تو عبدالمطلب اپنے بیٹوں اور سسرال والوں کے ہمراہ اندر چلے

گئے۔ اور باقی کے تمام لوگ دروازہ ہی پر رک گئے۔۔۔ مجھے وہ کاہنہ صاف نظر آرہی تھی۔۔۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔۔۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرہ گرد آلود تھا۔ اس کے جسم پر کپڑے برائے نام تھے۔ جس کے نیچے سے اس کا کالا جسم جھانک رہا تھا۔۔۔ جسم پر میل کی چادر سی چڑھی ہوئی تھی۔۔۔ اس کے گلے میں بکرے کا سرہار کی صورت میں لٹک رہا تھا۔۔۔ ہاتھوں، بازوؤں اور پیروں پر لوہے کے موٹے موٹے کڑے پہنے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے پر لال پیلی آنکھیں اُسے مزید بھیانک بنا رہی تھیں۔۔۔ اس نے اپنی تنی ہوئی بھنوؤں سے ان سب کی طرف دیکھا۔ اور پھر زیتون کی لکڑی سے فرش پر لکیر کھینچ کر سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔۔۔ فرش پر بیٹھنے کے بعد عبدالمطلب کے سسرال والوں نے تمام واقعہ بیان کیا۔۔۔ کاہنہ نے کچھ دیر کے لیے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور غور و فکر میں ڈوب گئی۔۔۔ پھر دوسرے ہی لمحہ۔۔۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور بڑے ہی گمبھیر لہجہ میں بولی۔۔۔ منت دوسرے طریقہ سے بھی پوری کی جاسکتی ہے۔

وہ طریقہ کیا ہے۔۔۔ سب نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

اس کا طریقہ یہ ہے۔۔۔ کاہنہ اسی لہجہ سے بولی۔۔۔ کہ "عبداللہ" کے نام کے ساتھ دس اونٹوں کے نام کا بھی قرعہ ڈالتے جاؤ۔ اور جب تک اونٹوں کے نام قرعہ نہ نکل آئے ہر بار دس اونٹ بڑھاتے جاؤ۔۔۔ اور جب، جتنے بھی اونٹوں پر قرعہ نکل آئے، انہیں ذبح کر دیا جائے۔ منت پوری ہو جائے گی۔

یہ سن کر سب لوگ خوشی خوشی کاہنہ کے پاس سے چلے آئے۔ اور ایک بار

پھر عبدالمطلب کے گھر پر لوگ جمع ہوگئے۔ ان میں زیادہ تر قبیلہ قریش اور "بنوہاشم" کے لوگ شامل تھے۔

○

عبدالمطلب۔ اپنی منت پوری کرنے کی خاطر بے چین تھے۔۔۔ مضطرب تھے۔۔۔ وہ "رب کعبہ" کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتے تھے۔۔۔ آج سے کئی ہزار سال پہلے بھی اسی سرزمین مکہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ جب کہ انہوں نے اپنے بڑے بیٹے۔۔۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی خوشنودی کی خاطر قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔۔۔ تاریخ نے کئی ہزار سال پہلے کے زمانہ کو پھر سے دوہرانا شروع کردیا تھا۔۔۔ قدرت الٰہی مٹی سے بنے ہوئے اس انسان کو ایک بار پھر "عشق الٰہی" کے پیمانہ پر تول رہی تھی۔۔۔ وہ زمین۔۔۔ وہی شہر۔۔۔ وہی نسل۔۔۔ وہی گھرانہ۔۔۔ ان اسرار پر ابھی تک قدرت نے نورانی حجاب ڈال رکھا تھا۔ جس کے اٹھنے کے لیے مہ وماہ تک منتظر تھے۔

واپس گھر آکر عبدالمطلب نے پھر قرعہ اندازی شروع کی۔ قرعہ ہر بار عبداللہ ہی کے نام نکلتا رہا اور عبدالمطلب ہر بار دس اونٹوں کی تعداد بڑھاتے جاتے تھے۔۔۔ تمام خاندان کے افراد سراسیمگی اور حیرت سے قرعہ اندازی دیکھ رہے تھے۔

آخر کار جب اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی تو قرعہ عبداللہ کے بجائے اونٹوں کا نکل آیا۔ اور تمام خاندان کے افراد نے سکھ اور چین کا سانس لیا۔۔۔ عبدالمطلب قرعہ نکلنے کے بعد اپنے مویشیوں کے ریوڑ میں آئے اور اپنے

نہایت ہی فربہ سو اونٹ الگ کر کے انہیں اللہ کے نام پر قربان کردیا اور اس طرح آپ کی منت پوری ہوگئی۔

ایک سیکنڈ سے کم وقفہ کے لیے میری پلکیں جھپکیں۔ اور ایک نیا منظر میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ پلکیں جھپکانے کے بعد...... جو منظر میرے سامنے تھا۔ وہ ناقابل بیان تھا...... عبداللہ کو نئی زندگی ملی تھی۔ وہ ذبح ہوتے ہوتے رہ گئے تھے...... قربانی کی منت دوسری طرح پوری ہوگئی تھی...... زمانے نے ایک مرتبہ پھر سے خود کو دہرایا تھا...... آج سے کئی ہزار سال پہلے اسی سرزمین "مکہ" میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم کے ساتھ بھی ایسا ہی واقع پیش آیا تھا۔ جب کہ آپؑ نے اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور کئی صدیاں گزرنے کے بعد آج پھر...... اس سرزمین پر...... اسی گھرانے میں انسانی جان کی قربانی کو دہرایا گیا تھا۔

○

عبداللہ کی قربانی کا کیا مطلب تھا...... تاریخ کو کیوں دہرایا گیا تھا...... میرے ذہن میں سوالات ابھرے...... جن کا صرف یہی جواب تھا...... کہ اس راز پر "نوری حجاب" کے پردے پڑے رہنے دو۔ انسانی فہم اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔

عبدالمطلب کے یوں تو دس بیٹے تھے۔ لیکن ان میں حسن وجوانی کا بہترین امتیاز یہی سب سے چھوٹا بیٹا تھا...... اس کے بیضوی چہرہ میں بلا کی کشش تھی...... وہ مردانہ وجاہت کا ایسا نمونہ تھا کہ جو دیکھتا تھا' دیکھتا ہی رہ جاتا تھا...... اللہ نے حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی عطا کی تھی...... وہ مکہ کی بہت سی دوشیزاؤں کے

خواب کا شہزادہ تھا...... کئی کی خواہش تھی...... کہ عبداللہ ان کی قسمت کا مالک بن جائے...... اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے...... وہ اپنے حسن وجوانی کے حربے بھی استعمال کرتی تھیں۔

گو کہ۔ مکہ کا ماحول فواحش و بدکاریوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ مگر اس خوبرو' حسین و جمیل عبداللہ کی طبیعت کا میلان شروع ہی سے پاکبازی اور نیکی کی طرف تھا...... خانہ کعبہ کا...... نیم برہنہ عورتیں طواف کرتیں تو وہ آنکھیں بند کرلیتا...... حتیٰ کہ جوانان قریش رنگ رلیوں میں مصروف ہوتے تو وہ دامن بچا کر نکل جاتا......

اسی طرح ایک رات جب کہ چاند سفید بادلوں سے اٹھکیلیاں کر رہا تھا اور ہر جانب...... پرہول سناٹا چھایا ہوا تھا...... مٹی کے بنے ہوئے مکان چاندنی میں چمک رہے تھے...... میں نے کسی کے تیز تیز قدموں سے چلنے کی آواز سنی...... کیا دیکھتا ہوں...... وجیہہ شکل عبداللہ ہاتھوں میں...... اونٹوں کے گلے میں باندھنے والی گھنٹیاں اٹھائے چلا آرہا ہے...... ابھی وہ مجھ سے کچھ ہی دور گیا تھا...... کہ درمیانہ درجہ کے ایک مکان کا دروازہ کھلا...... اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے چاند زمین پر اتر آیا ہو...... ایک نہایت ہی حسین و جمیل دوشیزہ نے عبداللہ کو آہستہ سے آواز دی...... عبدالمطلب کے بیٹے...... میری بات سنو۔ آواز سنتے ہی عبداللہ کے قدم رک گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا...... آواز دینے والی حسین دوشیزہ اسے اشارہ سے اپنے قریب بلا رہی تھی...... عبداللہ نے چونک کر چاروں جانب دیکھا۔ جیسے اسے شبہ ہو کہ اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے...... لیکن وہاں کوئی اور موجود نہیں تھا...... شاہراہ سونی پڑی تھی۔

جب عبداللہ کو یقین ہو گیا کہ دوشیزہ اسی سے مخاطب ہے تو دو چار لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا۔۔۔دروازہ پر اس کے قریب پہنچ گیا۔۔۔دوشیزہ سر سے لے کر پاؤں تک حسن و جوانی کا لاجواب "مرقع" تھی۔ عبداللہ نے اسے دیکھا' اور ٹھٹک کر رہ گیا۔۔۔دوشیزہ کے ناز و ادا سے بھرپور اشاروں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنا سراپا اس کے حوالہ کرنا چاہتی ہے۔۔۔لیکن نیک باطن عبداللہ اس کی ہر پیشکش کو ٹھکرا رہا ہے۔۔۔کچھ دیر تک دونوں میں کبھی گرما گرمی اور کبھی پیار و محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔۔۔پھر عبداللہ غصہ سے بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ اور اس کے جانے کے چند لمحہ بعد ہی دوشیزہ نے بھی جھنجلا کر دروازہ بند کر لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن کا ایک دریچہ اور کھل گیا۔۔۔یہ "مکہ" کی سب سے حسین دوشیزہ "خثعمہ" کی بیٹی تھی۔ اس نے رات کے سناٹے میں "عبداللہ" کو قریب بلا کر اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔۔۔حسن و جوانی خود دعوت عیش دے رہا تھا۔۔۔عبداللہ کے جسم میں بھی جوان دل تھا۔۔۔گرم خون دہکتا ہوا۔۔۔نفس نے اُبھارا کہ ایسے حسین مواقع بار بار نہیں آتے۔۔۔آگے بڑھو اور حسن و جوانی کے اس پیکر کو اپنی آغوش میں سمیٹ لو۔۔۔لیکن فوراً" ہی عبداللہ کے ضمیر نے للکارا۔۔۔خبردار! جو جنبش بھی کی۔ تو آل ابراہیمؑ سے ہے' جن کی پاک باطنی اور غیرت و شرم کی قسمیں "اللہ" بھی کھاتا ہے۔۔۔ضمیر کی اس آواز پر عبداللہ نے لبیک کہا۔ اور دوشیزہ کی ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا۔۔۔عبداللہ کا رویہ دوشیزہ کی توقع کے خلاف ظاہر ہو رہا تھا۔۔۔آخر میں اس نے صرف ایک رات کے عوض سو سرخ اونٹ تک دینے کا وعدہ کیا۔۔۔لیکن شکیل و وجیہہ عبداللہ کا صرف ایک ہی جواب تھا۔۔۔"حرام فعل

کے ارتکاب سے تو مر جانا بہتر ہے"۔ تم مجھے بہکاتی ہو۔ جبکہ میں "ہاشم" کے شریف اور نیک خاندان سے ہوں۔ اور شریف آدمی اپنے دین و عفت کی حفاظت کرتا ہے۔ پھر عبداللہ چلا گیا۔ اور دوشیزہ اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔۔۔اس کے بعد میری۔۔۔نظروں کے سامنے۔۔۔دھند چھانے لگی۔۔۔میں نے کئی بار پلکیں جھپکائیں لیکن میری نگاہوں کے سامنے سے سب کچھ اس طرح غائب ہو رہا تھا جیسے فلم کا منظر فیلڈ آوٹ ہوتا ہے۔ میں نے پریشان ہو کر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر لیں۔

○

حضرت عبداللہ کی شادی

عبد مناف کے گھرانے میں شکار کا گوشت تیار ہو رہا ہے۔ چولھے پر بڑی سی دیگ چڑھی ہوئی ہے اور عبد مناف کی بیوی اس میں لکڑی کا بڑا سا چمچہ چلا رہی ہے...... کھانے کے انتظار میں اہل خانہ فرش پر دائرہ بنائے بیٹھے ہیں ...... پورے کمرہ میں گوشت کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ کچھ دیر بعد دیگ میں چمچہ چلاتے ہوئے عبد مناف کی بیوی اپنے شوہر سے پوچھتی ہے ...... تم نے "عبدالمطلب" کی بات کے بارے میں کیا سوچا ہے۔

میں ابھی تک اسی کے بارے میں سوچ رہا ہوں ...... ادھیڑ عمر "عبد مناف" نے جواب دیا۔

ارے۔ تم ابھی تک فیصلہ نہیں کر پائے ...... اس کی ہم عمر ایک خاتون نے قدرے پریشانی سے کہا...... اس نیک کام میں دیر کرنا مناسب نہیں۔

عبدالمطلب کے بیٹے کے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں ...... اس بار ایک مرد بولا ...... لوگ تو خواہش کر رہے ہیں کہ "عبداللہ" کا پیام ان کی لڑکی کے لئے آ جائے تو وہ اسی وقت نکاح کر دیں گے۔

مجھے معلوم ہے...... عبد مناف نے جواب دیا۔

اور پھر بھی تم دیر کر رہے ہو ...... اسی مرد نے دوبارہ کہا ...... جبکہ "عبداللہ" کے باپ سید القریش ہیں۔ اور بنو ہاشم سارے عرب میں عزت کی نگاہ

سے دیکھے جاتے ہیں ...... تم اس معاملے میں دیر نہ کرو ...... تمہاری بیٹی "آمنہ" بھی لاکھوں میں ایک ہے ...... ان دونوں کا نکاح ہونا ہمارے لئے باعث فخر ہے۔ اور پھر کھانے کے دوران ہی اس بات کا فیصلہ ہو گیا۔ اور عبدالمطلب کے بیٹے "عبداللہ" کا پیام آمنہ کے لئے منظور کر لیا گیا۔

○

بات طے ہو گئی۔ عبدالمطلب کے پاس جواب بھیج دیا گیا ...... ہمیں یہ رشتہ منظور ہے ...... دونوں طرف خوشی کے شادیانے بجنے لگے ...... عبداللہ باپ کا لاڈلا اور ذبیح اللہ تھا۔

اس کی شرافت ...... نیکی اور پارسائی کی لوگ مثالیں دیتے تھے۔

اس طرح "آمنہ" عفت و حیا کا پیکر تھی ...... عرب کی عورتیں میلوں میں بے باکی سے شریک ہوتی تھیں۔ ناؤ نوش سے شغل کرتیں ...... غیر مردوں کو آسودگی بخشتیں ...... لیکن آمنہ کی جبلت ان سب سے مختلف تھی۔ وہ تو اپنے خاندان کے مردوں سے بھی باتیں کرتی ہوئی شرماتی تھیں ...... سر اور سینہ سے کبھی چادر نہ ہٹتی تھی ...... وہ سنجیدہ اور متین تھیں ...... انہیں دوسری لڑکیوں کی طرح باتیں نہیں آتی تھیں ...... گو کہ انہوں نے جوانی کے بحر تلاطم میں قدم رکھ دیا تھا، اس کے باوجود شوخی ان میں نام کو بھی نہیں تھی ...... یہی وجہ تھی کہ ان کے گھر والے نہ صرف ان سے محبت کرتے تھے ...... بلکہ ان کا احترام بھی کرتے تھے۔

○

عبدالمطلب، رؤسا قریش اور اپنے خاندان والوں کے ہمراہ عبد مناف کے گھر پہنچے۔ وہاں بارات کے استقبال کا پہلے ہی سے انتظام تھا ۔۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت کو نہایت ہی سادگی سے ادا کیا گیا ۔۔۔۔ اعلان ہوا ۔۔۔۔ کہ عبداللہ بن عبدالمطلب اور آمنہ بنت وہب ایک دوسرے کے نکاح میں آگئے ہیں - اور آج کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی ہوں گے ۔۔۔۔ نکاح میں شریک لوگوں نے مبارکباد دی ۔۔۔۔ عبدالمطلب نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا دیئے ۔۔۔۔ دو تقدیروں کے ستارے مل گئے تھے ۔۔۔۔ دو زندگیاں ایک ہو گئی تھیں ۔۔۔۔ دونوں حسن صورت اور حسن سیرت میں یکتا تھے ۔۔۔۔ عبداللہ آفتاب تھے تو آمنہ ماہتاب تھیں ۔۔۔۔ دونوں نیکی اور شرافت کا نمونہ تھے ۔۔۔۔ دونوں ایک دوسرے کا جواب تھے ۔۔۔۔ عبداللہ کو چھپاؤ تو آمنہ فرشتہ تھیں۔ اور آمنہ کو چھپاؤ تو عبداللہ نیکی کا مجسمہ تھے۔

○

عبداللہ اور آمنہ کی شادی کو تقریباً تین ماہ ہو چکے تھے۔ عبدالمطلب کے گھر کے بڑے صحن میں اونٹوں کے کجاوے کسے جا رہے تھے ۔۔۔۔ ستو کی تھیلیاں بھری جا رہی تھیں ۔۔۔۔ چھاگلوں میں پانی بھرا جا رہا تھا ۔۔۔۔ تلواروں کی نیامیں درست کی جا رہی تھیں ۔۔۔۔ ترکشوں میں زہر کے بجھے ہوئے تیر سنوارے جا رہے تھے ۔۔۔۔ عبدالمطلب اپنے بیٹوں کے ہمراہ تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ کر رہے تھے ۔۔۔۔ جب اونٹوں پر سامان تجارت بھی لادا جا چکا اور خاندان کے تمام افراد اہل قافلہ کو الوداع کہنے کے لئے جمع ہو گئے ۔۔۔۔ انہی میں سے ایک عمر رسیدہ

شخص عبداللہ سے مخاطب ہوا ۔۔۔۔ اے ابن عبدالمطلب میں نے سنا ہے کہ یہاں سے سات فرسنگ کے فاصلے پر جو نخلستان ہے وہاں قافلے لٹ جاتے ہیں ۔۔۔۔ یہ جملہ نئی نویلی دولہن آمنہ نے بھی سنا۔ اور ان کا دل کسی انجانے خوف سے دھڑکنے لگا۔ عبداللہ نے اس جملہ کے جواب میں اپنی تلوار کی جانب دیکھا اور مسکرانے لگے ۔۔۔۔ پھر باپ کی موجودگی میں ان سب بھائیوں نے اہل خاندان کو الوداع کہا ۔۔۔۔ اور اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ اونٹ قطار میں یکے بعد دیگرے دروازہ کی جانب بڑھ گئے ۔۔۔۔ عبداللہ کا اونٹ سب کے آخر میں تھا۔ آمنہ جو دیر سے دروازہ کی آڑ میں کھڑی حسرت بھری نظروں سے قافلہ کو دیکھ رہی تھی دوڑتی ہوئی اپنے شوہر کے قریب آئیں اور بڑی ہی چاہت سے بولیں ۔۔۔۔ اللہ تمہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے ۔۔۔۔ کب تک واپس آجاؤ گے۔

گھبراؤ نہیں ۔۔۔۔ عبداللہ نے جواب دیا ۔۔۔۔ میں تمہارے ماں بننے تک واپس آجاؤنگا۔

یہ جملہ سن کر آمنہ کے چہرہ پر حیا کی سرخی پھیل گئی ۔۔۔۔ انہوں نے شرما کر نگاہیں جھکا لیں۔ اور نہایت ہی مدھم آواز میں بولیں ۔۔۔۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ جب ہمارے آنگن میں چاند اترے تو تم بھی میرے پاس ہی ہو۔

مجھے یقین ہے، ایسا ہی ہو گا ۔۔۔۔ عبداللہ نے جواب دیا۔ پھر شوخی سے آنکھیں جھپکا کر بولے ۔۔۔۔ تم اس وقت تک میرا انتظار کرنا۔

یہ بھی کوئی میرے بس کی بات ہے کیا ۔۔۔۔ آمنہ نے اپنے شوہر کی بات سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

جواب سن کر عبداللہ زور سے ہنسنے لگے ...... اس کے ساتھ ہی عبدالمطلب
نے انہیں اونٹ باہر لانے کو کہا - عبداللہ اونٹ دروازہ کی طرف ہانکتے ہوئے
نہایت وثوق سے کہنے لگے ...... میں تمہاری خوشی کے وقت تک ضرور آ جاؤں گا
...... تمام اونٹ باہر آ گئے- عبدالمطلب نے انہیں چند ہدایتیں دیں اور پھر عبد
المطلب نے قافلہ کی سلامتی کی دعا مانگی- باری باری بیٹوں کی پیشانی کو چوما ......
جب عبداللہ کی پیشانی کو چوما تو سب سے چھوٹے بیٹے کی جدائی سے آنکھوں میں
آنسو آ گئے ...... ہونٹ کپکپانے لگے' اور ساتھ ہی سفید داڑھی بھی ہلنے لگی
...... دوسرے بھائی "عباس" نے باپ کو تسلی تھی ...... تیسرے بھائی "حمزہ" نے
کجاوے میں بیٹھے بیٹھے محبت سے چھوٹے بھائی کا ہاتھ تھاما' اور اپنے پیچھے اونٹ پر
بیٹھا دیا ...... آمنہ خاندان کی دوسری عورتوں کے ساتھ دروازہ سے لگی کھڑی
تھیں ...... کوئی ان کے دماغ میں چپکے چپکے کہہ رہا تھا ...... اپنے شریک حیات کو
جی بھر کر دیکھ لو-

○

عبداللہ نے بھی چلتے چلتے بنو ہاشم کے مکانوں پر حسرت کی نگاہ ڈالی' جیسے وہ
ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہے ہوں ...... ان کی آنکھوں میں ابدی جدائی چمک
رہی تھی ...... قریش کے گھرانوں سے تو روز ہی قافلے جاتے تھے- لیکن اس انداز
سے تو کوئی بھی رخصت نہیں ہوتا تھا ...... جدائی کے اس منظر نے ہر ایک کو
اداس کر دیا تھا- شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ خاندان بنو ہاشم کے اکثر مرد' اور
عبدالمطلب کے تمام بیٹے اس قافلہ میں شامل تھے ...... پھر ...... پھر ...... اونٹوں

کی گھنٹیوں کی آواز دور ہوتی چلی گئی ...... آمنہ اور تمام خواتین چھت پر کھڑی
قافلہ کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں ...... اور جب قافلہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو
گیا تو وہ سب نیچے اتر آئیں ...... صرف آمنہ ہی ایک ایسی تھیں جو کہ قافلہ کے
اوجھل ہونے کے بعد بھی اسی جانب تکے جا رہی تھیں- پھر انہوں نے "خانہ
کعبہ" کی جانب اپنا رخ کیا- اور کپکپاتے ہونٹوں سے بولیں ...... رب کعبہ!
عبداللہ کو عافیت کے ساتھ واپس لانا- تو نے جس طرح ان کی پیٹھ دکھائی ہے اسی
طرح ان کا چہرہ دکھانا-

○

دن گزرتے رہے' چاند گھٹتا اور بڑھتا رہا ...... جوں جوں دن گزرتے جاتے
تھے' آمنہ کی بے چینی بھی بڑھتی جاتی تھی ...... عبداللہ کو شام گئے ہوئے کئی ماہ
ہو چکے تھے ...... آمنہ ابھی تک ان کی وہ حسرت بھری نگاہیں نہیں بھولی تھیں
...... آمنہ کو اپنے گھر کے ہر کونے میں ان کی جھلک دکھائی دیتی تھی ...... ان کی
نگاہوں کے سامنے ہر وقت عبداللہ کا مسکراتا ہوا چہرہ رہتا تھا ...... اور ان کے
کانوں میں اپنے شریک حیات کے قہقہے گونجتے رہتے تھے ...... وقتی جدائی نے ان
کے دل میں شوہر کی بے پناہ محبت پیدا کر دی تھی ...... وہ جانتی تھیں کہ وقت
نہیں رک سکتا' اسی طرح میرا شوہر بھی وعدہ خلاف نہیں ہو سکتا ...... انہوں نے
چلتے وقت وعدہ کیا تھا ...... کہ تمہارے ماں بننے کے وقت تک ضرور واپس آ جاؤں
گا ...... لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آئے تھے- اور آمنہ کے ماں بننے کا وقت
قریب آتا جا رہا تھا ...... وہ شدت جدائی سے تڑپ کر خاندان کے لوگوں سے

پوچھتیں ــــ شام سے مکہ کا سفر کتنے دن کا ہوتا ہے ــــ عبدالمطلب جب شام جاتے تھے تو کتنے دن میں واپس آ جاتے تھے ــــ ان باتوں سے وہ اپنے دل کو تسلی دیتی تھیں ــــ احساس جدائی کو تھپکیاں دیتی تھیں اور غم فرقت کو بھلانے کی کوشش کرتی تھیں ــــ کبھی قبیلہ قریش کے چھوٹے چھوٹے قافلے والے ــــ عبدالمطلب کو بتاتے کہ انہوں نے فلاں پہاڑی کے دامن میں ان کے بیٹوں کے قافلہ کو دیکھا ہے۔ کبھی کوئی بتاتا ــــ کہ فلاں نخلستان میں قافلہ والے اپنے اونٹوں کو چارہ کھلا رہے تھے مگر شام سے واپسی کا حال کوئی نہیں بتاتا تھا ــــ جس راستے سے عبداللہ گئے تھے' وہ ہر روز سورج نکلنے سے پہلے اور سورج چھپنے کے بعد ــــ چھت پر چڑھ جاتیں اور اپنی نگاہیں اس کے راستہ پر جما دیتیں ــــ وہ سمجھتی تھیں کہ اسی راستہ پر کھجوروں کے جھنڈ کے پیچھے سے وہ چاند کی مانند نکلیں گے ــــ ان کے سرخ اونٹ کی گردن میں بڑی سی گھنٹی بندھی ہو گی ــــ اور پانی کی چھاگلیں جن کا تسمہ میں نے خود باندھا تھا لٹکی ہوں گی ــــ پھر قبیلہ والے آگے بڑھ کر انہیں خوش آمدید کہہ رہے ہوں گے ــــ اور ان کے سسر عبدالمطلب صحن کے بیچ میں بیٹھ کر اپنے بیٹوں کے لائے ہوئے درہم و دینار گن رہے ہوں گے ــــ اور وہ اپنے شوہر کے لئے ستو تیار کر رہی ہوں گی ــــ عبداللہ کو ستو بہت ہی پسند تھے۔ اور جب سے شادی ہوئی تھی ــــ آمنہ کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ستو تو بہت ہی مزیدار ہوتے تھے ــــ عبداللہ کی فرمائش پر وہ خاص طور سے ستو تیار کرتی تھیں ــــ اسی کیفیت میں چند دن اور گزر گئے ــــ اب تو عبدالمطلب کو بھی بیٹوں کی فکر ہونے لگی ــــ ان کے خیال کے

مطابق اب قافلہ کو ...... واپس آ جانا چاہیے تھے ...... وہ اپنے بیٹوں کے انتظار میں ہر روز گھر سے باہر نکل کر اس شاہراہ پر بیٹھ جاتے تھے' جس شاہراہ سے ان کے بیٹے گئے تھے ...... جب تک عبدالمطلب گھر کے باہر رہتے' آمنہ دروازہ کی چوکھٹ سے لگی کھڑی رہتی تھیں کہ شاید ان کے سسر قافلہ کی واپسی کی خوش خبری لے کر آئیں۔

○

پھر ایک صبح جب کہ گھر والے سو کر اٹھے ہی تھے کہ اونٹوں کی گھنٹیوں کی آواز سنائی دی۔ اور اس سے پہلے کہ عبدالمطلب دروازہ تک جاتے' ان کے بیٹوں کے اونٹ صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ عورتیں اور بچے دوڑ دوڑ کر اونٹوں کے گرد جمع ہو گئے ...... آمنہ بھی تیزی سے صحن کی طرف دوڑیں 'ان کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا ...... بھائی عباس نے باپ کو بتایا ...... واپسی پر "عبداللہ" کو بخار آ گیا لہٰذا یثرب میں رک گئے ہیں ...... آمنہ نے یہ سنا تو تیزی سے دل دھڑکنے لگا ...... ان کا محبوب شوہر بیمار ہو گیا ...... اور ...... اور وہ اتنی دور ہے کہ اس کی تیمار داری بھی نہیں کر سکتی ...... عبدالمطلب بھی یہ سن کر فکرمند ہو گئے ...... انہوں نے بہو کی طرف دیکھا ...... وہ غم کی تصویر بنی کھڑی تھی ...... جہاندیدہ عبدالمطلب نے خود کو سنبھالا۔ وہ جانتے تھے کہ شوہر کی بیماری کا سن کر جوان بیوی کے دل کیا گزر رہی ہے۔ لہٰذا اپنے غم کو چھپاتے ہوئے بڑے ہی حوصلہ سے بولے ...... سفر کی تھکاوٹ سے "عبداللہ" کی طبیعت خراب ہو گئی ہے ...... وہ یثرب میں ٹھہر گیا ہے ...... میں کل حارث کو بھیج دوں گا۔ وہ اسے لے آئے گا

..... یہ سن کر آمنہ کے دل کو ڈھارس سی بندھی ..... وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے کمرہ میں گئیں- اور غم کی چادر اوڑھ کر بستر پر لیٹ گئیں ..... خیالات کی پرچھائیوں نے ان کا گھیراؤ کر لیا- عبداللہ یثرب میں تھے- اور ان کا سایہ آمنہ مکہ میں ..... آمنہ کی آنکھیں خشک تھیں- لیکن دل رو رہا تھا- طرح طرح کے خیالات ان کے ذہن میں آتے تھے' ملاپ کی امید بندھتی تھی تو خوشی سے آنکھیں چمک اٹھتی تھیں ..... اور آس ٹوٹتی تھی تو چہرہ پر غم کی دھند چھا جاتی تھی ..... بچے اور عورتیں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ مل گئے ..... کنیزیں خدمت گزاری میں لگ گئیں ..... عبدالمطلب لوگوں کے جھگڑے نمٹانے دارلندوہ چلے گئے ..... مگر آمنہ کا جسم پلنگ پر پڑا تھا- اور "روح" یثرب میں تھی ..... پاکباز عورت کی دنیا تو صرف "شوہر" ہی ہوتا ہے-

○

آفتابِ نبوتؐ

آمنہ شوہر کی بیماری کی وجہ سے پریشان رہتیں ..... عبدالمطلب نے عبداللہ کو لے آنے کی خاطر "حارث" کو یثرب بھیج دیا تھا- اور اس کے ساتھ ہی آمنہ کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا ..... وہ غنودگی کے عالم میں خود کو کہکشاؤں میں محو پرواز دیکھتیں ..... کبھی انہیں نہایت ہی حسین و جمیل خواتین نظر آتیں- جو ان کی دلجمعی کی خاطر باتیں کر کے بہلاتیں ..... اور کبھی کوئی ان کے کان میں سرگوشی کرتی کہ خوش ہو جا ..... نوید مسیحا اور دعائے ابراہیم کا وقت قریب ہے-

آمنہ سوچتیں یہ سرگوشی کیسی ہے ..... حسین و جمیل خواتین کون ہیں ..... کیا میرا شوہر اللہ کا خاص مقرب بندہ ہو گیا ہے جو اس کے بارے میں اس قسم کی پیش گوئیاں کی جا رہی ہیں ..... سوتے جاگتے میں آمنہ جو کچھ دیکھتی تھیں' وہ اتنا عجیب اور غیر متوقع ہوتا کہ اکثر ڈر جاتی تھیں ..... کبھی یوں بھی ہوتا کہ وہ کسی جانور کے قریب سے گزرتیں تو وہ نیاز سے اپنا سر ان کے قدموں میں رکھ دیتا- کبھی وہ کسی سوکھے درخت کے پاس سے گزرتیں تو دوسرے ہی دن وہ سرسبز و شاداب ہو جاتا- کبھی وہ چھت پر کھڑی ہو کر کعبہ کی طرف دیکھتیں تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے "کعبہ" سے ان تک نور کی ایک پگڈنڈی سی بن گئی ہے اور حوریں اس پگڈنڈی پر دو رویہ قطاروں میں استقبالیہ انداز میں کھڑی ہیں ..... آمنہ ان واقعات کو نہ چھپا سکیں ..... ان واقعات نے انہیں ہراساں کر دیا ..... اور بالآخر

انہوں نے سب کچھ اپنے سسر کو بتا دیا۔

عبدالمطلب کو اللہ نے اپنے گھر کا متولی بنایا تھا ...... انہوں نے بہو کی تمام باتیں غور سے سنیں' اور استغراق میں ڈوب گئے ...... آمنہ اور خاندان کے دیگر تمام افراد یہ دیکھ کر ان کے گرد جمع ہو گئے کیوں کہ وہ جانتے تھے ...... کہ عبدالمطلب پر "مراقبہ" کی کیفیت اسی وقت طاری ہوتی ہے جب کوئی اہم معاملہ زیر غور ہو ...... کچھ دیر بعد عبدالمطلب نے اپنا سر اٹھایا ...... ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور چہرہ کسی انجانی خوشی سے دمک رہا تھا ...... انہوں نے اشارہ سے آمنہ کو قریب بلایا ...... شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا ...... اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجہ میں بولے ...... خوش ہو جا' کہ تو ایک عظیم انسان کو جنم دینے والی ہے ...... اس کی وجہ سے "بنو ہاشم" ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سربلند ہو جائیں گے۔

وہ ...... وہ ...... کب تک آئیں گے ...... آمنہ نے شرما کر پوچھا۔

صبر کر بیٹا ...... عبدالمطلب نے لرزتے ہونٹوں سے کہا ...... عبداللہ اب کبھی نہیں آئے گا ...... حارث نے اطلاع بھجوائی ہے کہ عبداللہ اس کے پہنچنے سے قبل ہی انتقال کر گیا تھا۔ اور میرے سسرال والوں نے اسے دفن کر دیا ہے ...... مجھے عبداللہ کی جدائی کا غم نہیں۔ کیونکہ اب جو اس گھر میں آنے والا ہے وہ بنو ہاشم کی سربلندی کا پیغامبر بن کر آئے گا۔ اور ......

عبدالمطلب بول رہے تھے۔ لیکن اب ...... آمنہ وہاں نہیں تھیں ...... وہ اپنے کمرے میں چمڑے کے بستر پر لیٹی آنسو بہا رہی تھیں۔

○

ابھی دن رات ملے جلے سے تھے ...... کیونکہ دونوں نے ایک ساتھ چمکنا تھا ...... سپیدہ سحر نمودار ہو ہی رہا تھا ...... غنچوں کی گرہیں کھل ہی رہی تھیں ...... لالہ و گل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر رہی تھی۔ بنفشہ و شفیق کی نازک پتیوں پر شبنم کے موتی ڈھلک رہے تھے ...... سرو و شمشاد کے پودوں نے مہک پا کر انگڑائی لی تھی ...... طائران خوشنوا کی چہکاروں سے تمام فضا نغمہ زار بن گئی تھی ...... منیٰ کی وادی ...... مروہ کے سنگ ریزے ...... قبیس کی چوٹیاں ...... اور عرفات کا میدان نور سے چمک رہا تھا ...... نیلے آسمان پر جھلملاتے ہوئے ستارے نیچے اتر آئے تھے ...... آمنہ درد زہ سے مسرور تھیں ...... یہ درد انہیں ایسا سرور بخش رہا تھا جسے صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے ...... اتنے میں نہایت ہی دلکش آواز آمنہ کو سنائی دی ...... آمنہ! ذبیح اللہ اسماعیلؑ کی ماں تشریف لاتی ہیں .... پھر آواز آئی ...... آمنہ! یہ عیسیٰ روح اللہ کی والدہ کنواری مریم ہیں ...... آمنہ نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا ...... دونوں خواتین نور کے پیکر میں ان کے دائیں بائیں کھڑی تھیں ...... حضرت اسماعیلؑ کی والدہ نے نہایت ہی شیریں لہجہ میں کہا ...... دعائے ابراہیم مبارک ہو ...... عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بولیں ...... نوید مسیحا نے فرش خاکی پر قدم رکھ دیا ہے ...... خاندان کی بوڑھی عورتیں جو آمنہ کے گرد جمع تھیں' خوشی سے چلائیں ...... عبدالمطلب کو مبارکباد دو' کہ اس کے گھر پوتا ہوا ہے ...... عبدالمطلب اپنی عبا کے دونوں دامن تھامے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا' وہ دوڑتے ہوئے آئے ہیں ...... انہیں دیکھتے ہی آمنہ

نے شرم سے منہ پر چادر ڈالی ...... عبدالمطلب نے آگے بڑھ کر نومولود جو کہ سبز رنگ کے بڑے سے ریشمی رومال میں لپٹا ہو تھا۔ اٹھا لیا ......نومولود کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ دنگ رہ گئے ...... دنیا کا واحد جلوہ افروز چہرہ ان کے سامنے تھا ...... کائنات میں موجود چاند' سورج' کہکشاں' پھول اور غنچے غرض کہ کسی بھی حسین سے حسین شے سے اس چہرہ کو تشبیہہ دی جا سکتی تھی۔

عبدالمطلب نے چاند سے اس چہرہ کا بوسہ لیا ...... اس لمحہ جب کہ وہ بوسہ لے رہے تھے' ان کے ذہن میں پوتے کا نام "احمد" آیا اور وہ خوشی سے بولے ...... میں نے اپنے لخت جگر کا نام "احمد" تجویز کیا ہے' تاکہ دنیا میں اس کی تعریف کی جائے۔

صرف دنیا ہی میں نہیں ...... عبدالمطلب کو غیبی سرگوشی سنائی دی ...... آسمانوں پر بھی اس کی حمد و ثنا کی جائے گی

عبدالمطلب چونکے ...... اس کا مطلب ہے' اس کا نام "محمد" ہوا۔

سسر کی بات سن کر آمنہ کا دل خوشی سے اچھلنے لگا ...... عبدالمطلب نے وہ بات کہہ دی تھی جو کہ آمنہ سوتے جاگتے سنتی رہتی تھیں۔

○

میں نے دیکھا کہ وادی فاطمہ میں کچی مٹی سے بنی ہوئی ایک خانقاہ ہے۔ اس خانقاہ میں عمر رسیدہ راہب "عیص" رہتا تھا' جو دنیاوی آسائشوں سے آزاد تھا اور ہر وقت عبادت و ریاضت اور مراقبہ میں مصروف رہتا تھا ...... مکہ کے اکثر لوگ اس کے پاس اپنے مسائل کا حل پوچھنے آتے تھے۔ عبدالمطلب سے بھی اس کی

جان پہچان تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس سیدالقریش کے گھر میں وہ چاند نمودار ہونے والا ہے جس کی روشنی سے عالم منور ہو گا۔ لیکن اس نے یہ بات کبھی کسی پر ظاہر نہیں کی ...... عبدالمطلب نے سوچا کہ کافی دن ہو گئے ہیں ...... اپنے راہب دوست "عیص" سے نہیں ملا چلو' آج اس سے مل لوں۔ اور اپنے پوتوں کے بارے میں بھی کچھ پیش گوئیاں معلوم کروں گا۔ یہ سوچ کر عبدالمطلب وادی فاطمہ کی جانب چل دیئے۔ اور جب ان کا ناقہ اس خانقاہ کے سامنے پہنچا تو عیص راہب پہلے ہی سے دروازہ پر کھڑا تھا ...... عبدالمطلب جونہی ناقہ سے اترے۔ عیص نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا ...... عبدالمطلب سمجھے کافی دن بعد ملاقات ہوئی ہے' اس وجہ سے عیص پذیرائی کر رہا ہے ...... عبدالمطلب نے اسے بتایا۔ میرے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔

مبارک ہو ...... عیص نے جواب دیا ...... اس کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں ابھر آئی تھیں ...... تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے۔

"محمد" ...... عبدالمطلب نے جواب دیا۔

کیا اس کی ولادت دوشنبہ کو ہوئی ہے ...... عیص نے گہری سوچ سے پوچھا۔

عبدالمطلب نے اثبات میں سر ہلایا اور قدرے پریشانی سے پوچھا۔ تمہیں یہ سب کیونکر معلوم ہوا۔

سنو ...... عیص نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ...... میں نے بار بار تمہیں بتایا تھا کہ عنقریب بنو ہاشم کو وہ سعادت نصیب ہونے والی ہے جو دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہو سکے گی' اور دوشنبہ کی رات تمہیں وہ سعادت حاصل ہو

گئی ہے ...... رب کعبہ جب دنیا میں کسی خاص بندہ کو خاص کام کے لئے بھیجتا ہے تو آدھی رات کو بطور نشانی ایک خاص ستارہ کو طلوع کرتا ہے جسے صرف اس کے برگزیدہ بندے ہی پہچان سکتے ہیں- میں تیس سال سے اس ستارے کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہا تھا اور آخر کار دوشنبہ کی رات وہ خاص ستارہ آسمان کے افق پر نظر آ ہی گیا-

اے عبدالمطلب! کاش تم اپنے پوتے کا جاہ وجلال دیکھنے کے لئے زندہ رہ سکتے ...... عیص نے آخری جملہ ادا کیا- پھر اس نے عبدالمطلب سے الوداعی مصافحہ کیا' اور اپنی خانقاہ میں چلا گیا- جہاندیدہ عبدالمطلب بھی راہب کے ایک ایک جملہ پر غور کرتے ہوئے واپس لوٹ گئے-

○

تین دن تک ابولہب کی جواں سال کنیز ثوبیہ نے "محمدؐ" کو دودھ پلایا ...... پھر ...... پھر مکہ کے ...... باہر نخلستان میں رہنے والی عورتیں شہر آئیں- ان عورتوں کا ذریعہ معاش مویشی پالنا اور شیر خوار بچوں کی پرورش کرنا تھا ...... صحرا میں رہنے والی یہ عورتیں سال میں دو بار شہر میں آیا کرتی تھیں اور امیر گھرانوں کے بچوں کو پرورش کرنے کی خاطر گود لے لیا کرتی تھیں- جن کے عوض میں ان بچوں کے ماں باپ انہیں بھاری معاوضہ دیا کرتے تھے ...... عرب کا معاشرہ ہی کچھ اس قسم کا تھا کہ امیر گھرانوں کے لوگ اپنے بچوں کی ابتدائی پرورش کے لئے دیہات کے صاف ستھری فضا کو پسند کرتے تھے ...... تمام دودھ پلانے والیوں نے شہر میں داخل ہو کر امیر گھرانے کے شیر خوار بچوں کو لے لیا ...... بنو سعید کی دائی حلیمہ

جب شہر میں داخل ہوئی تو تمام بچے گود لے جا چکے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ دائی حلیمہ کی ناقہ کمزور تھی- اس میں وہ برق رفتاری نہیں تھی جو کہ صحرا کے اونٹوں میں ہوتی ہے-

عبدالمطلب کے گھر کی طرف کسی بھی دائی نے توجہ نہیں دی تھی کیونکہ اس گھر میں بے باپ کا بچہ تھا اور ایسے بچہ کی پرورش کا معاوضہ بھی برائے نام ہی ہوتا تھا ...... گو کہ عبدالمطلب قریش کے سردار' اور "خانہ خدا" کے نگراں تھے لیکن فیاضی کے باعث وہ امیر نہ تھے ...... مسافروں کی مہمان نوازی اور ...... حجاج کرام کی خاطر مدارات میں ان کے پاس کچھ نہیں بچتا تھا-

○

دائی حلیمہ نے سوچا کہ خالی گود واپس جانا ٹھیک نہیں- دوسری تمام عورتیں تمسخر اڑائیں گی- اسی خیال کے تحت وہ عبدالمطلب کے گھر میں داخل ہو گئی ...... کنیز ثوبیہ محمدؐ کو گود میں لئے کھڑی تھی- حلیمہ نے گھر میں قدم رکھا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے نور کے دریا میں اتر گئی ہو ...... ثوبیہ کی گود سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں ...... دائی حلیمہ آگے بڑھیں' اور ریشمی رومال میں لپٹے ہوئے نور کے اس ٹکڑے کو سینہ سے لگایا- حلیمہ حیرت زدہ نظروں سے "محمدؐ" کے چہرہ کو تک رہی تھیں ...... "محمدؐ" کے چہرہ سے نور کی ہلکی ہلکی کرنیں پھوٹ رہی تھیں اور عبدالمطلب ان سے کہہ رہے تھے ...... حلیمہ! ملول نہ ہونا- میرا یہ لخت جگر بڑی ہی شان والا ہے- میرے پاس جو کچھ بھی ہے' سب اس کا ہے-

حلیمہ جیسے خواب سے بیدار ہوئیں اور بولیں ...... اے سید القریش! اب

سے چند لمحہ قبل واقعی میں ملول اور افسردہ تھی۔ لیکن جب سے اس چاند کو گود لیا ہے۔ میری خوشی کا ٹھکانہ نہیں ہے۔ اس بچہ پر تو میرا تن من دھن سب کچھ قربان ہے۔

بیوہ ماں نے یتیم بچہ کو فرط محبت سے چوما۔ ماں کے پیار بھرے ہونٹوں کے لمس نے "محمدؐ" کو بے چین کر دیا ...... آمنہ کے پلکوں پر بے اختیار نمی چھا گئی ...... معصوم بچہ کی جدائی کے تصور سے اس کے باپ کی داغ مفارقت کی یاد تازہ ہو گئی ...... دادا عبدالمطلب نے بھی دل پر پتھر رکھ کر پوتے کو الوداع کہا۔ اور شہر کے باہر فاران کی پہاڑی تک حلیمہ کے اونٹ کے ساتھ ساتھ گئے ...... پھر عبدالمطلب رک گئے۔ حلیمہ آگے بڑھ گئیں ...... عبدالمطلب پہاڑ کے دامن میں اس وقت تک کھڑے رہے جب تک کہ دائی حلیمہ کا اونٹ نظر آتا رہا۔ پھر انہوں نے خانہ کعبہ کی جانب اپنا رخ کیا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

○

حلیمہ کا اونٹ ریگستان میں چل رہا تھا اور سب سے پیچھے تھا ...... لیکن اب ...... وہ نہایت ہی تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین اس کے قدموں سے لپٹی چل رہی ہے ...... اس نے تمام ہم سفروں کو پیچھے چھوڑ دیا ...... ساربان ، خود حلیمہ اور تمام دوسرے لوگ اس کی سبک رفتاری پر حیران تھے۔ حلیمہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے راستہ کی ہر شے اس کے ناقہ کے سامنے سرنگوں ہوتی جا رہی ہے۔ ریت کے ٹیلے، پتھریلی گھاٹیاں، اور ہوا کی سرسراہٹ ، سب حلیمہ سے سرگوشیاں کر رہی تھیں، کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا...... اب

دنیا میں کوئی ظالم ، ظلم نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ ظلم کو مٹانے اور لوگوں کو صراط مستقیم دکھانے والا آ گیا ہے۔ ...... بڑے بڑے شہنشاہوں کے تاج اس کے غلاموں کی ٹھوکروں میں ہوں گے ...... انسان کی ہدایت کے لئے اب تک جتنے چراغ روشن کئے جا چکے ہیں ان سب کی روشنی اس کی ہدایت انسانی کے سامنے ماند پڑ جائے گی ...... اس کا کلام "ربانی" ہو گا اور کردار لافانی ...... اے دودھ پلانے والی! تجھے ابدی شہرت حاصل ہو گی ...... تجھے قریش کے امیر ترین سردار سونے میں تول سکتے تھے۔ لیکن اس درنایاب کی دائی ہونے کی وجہ سے تجھے جو عزت و احترام حاصل ہوا ہے وہ کون دے سکتا تھا۔

○

حلیمہ دائی نے "محمدؐ" کو دودھ پلایا ...... اللہ نے اس کے سینے میں ابلنے والے دودھ میں "محبت" کا وہ عنصر شامل کر دیا تھا جو کہ آگے چل کر "رحمتہ اللعالمین" کہلایا ...... آمنہ کے بطن سے پیدا ہونے والا ...... عبداللہ کا خون " صادق" اور "امین" کہہ کر پکارا گیا ...... حلیمہ نے اپنی ساری ممتا اور توجہ نور کے اس ٹکڑے کی جانب متوجہ کر دی تھی ...... محمدؐ کی ذرا سی تکلیف پر وہ بے چین ہو جاتی تھیں ...... وہ گھنٹوں محمدؐ کو سینہ سے لگائے رکھتی تھیں۔ اور اگر کوئی ضروری کام کرنا ہوتا تھا ...... تو جھولے میں لٹا دیتی تھی۔ اور وہ جھولا بھی ہر وقت ان کی نگاہوں کے سامنے رہتا تھا ...... دائی حلیمہ "محمدؐ" کو سلاتیں تو ان کی لوریوں میں بھی چاند کے اس ٹکڑے کی تعریف ہوتی تھی۔

نیند آنکھوں میں گھل کر راحت بن جاتی ہے۔ اورانسان دنیا و مافیہا سے بے

خبر ہو جاتا ہے ..... لیکن اللہ بہت سوں کی آنکھوں کے ساتھ دل کو بھی سلا دیتا ہے ..... اور بہت سوں کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتے رہتے ہیں اور اللہ انہی لوگوں کے دلوں کو جگائے رکھتا ہے۔ جن سے وہ کوئی اہم کام لینا چاہتا ہے ..... شیر خوار "محمدؐ" کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل جاگتا تھا ..... اللہ ان سے وہ کام لینا چاہتا تھا جو کہ قیامت تک قائم و دائم رہنا تھا ..... لیکن دنیا کو کیا معلوم کہ جھولے میں سونے والا شیر خوار "محمدؐ" ایک عظیم انقلاب کے رہبر و رہنما ہے۔

○

میں نے دیکھا ..... کہ دو سال پلک جھپکتے میں گزر گئے اور شیر خوار "محمدؐ" پاؤں پاؤں چلنے لگے ..... دنیا کو سلامتی کی راہ دکھانے والا' خود بغیر کسی سہارے کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ..... "محمدؐ" حیرت انگیز طریقہ سے اپنی ارتقا کی منزل طے کر رہے تھے ..... اس معصوم یتیم کے چہرہ کو جو دیکھتا کھنچا چلا جاتا ..... اب وقت آگیا تھا کہ آمنہ کو ان کی امانت لوٹا دی جائے ..... حلیمہ اپنی آغوش محبت میں "محمدؐ" کو لپٹائے ہوئے بنو ہاشم کے محلہ میں داخل ہوئیں۔ اور ناقہ سے اتر کر سیدھی عبدالمطلب کے گھر میں داخل ہو گئیں ..... آمنہ نے حلیمہ کی گود میں لخت جگر کو دیکھا ..... تو جوش محبت میں دوڑتی ہوئی آئیں ..... اور چاند کے اس ٹکڑے کو سینہ سے لگا لیا ..... خاندان کی تمام عورتیں اور مرد آمنہ کو گھیرے کھڑے تھے ..... "محمدؐ" کو دیکھ دیکھ کر ان کے چہرے خوشی سے کھل رہے تھے۔ اتنے میں شور اٹھا ..... سید القریش آ رہے ہیں ..... لوگوں کا جمگھٹا چھٹنے لگا۔ اور

عبدالمطلب مکان میں داخل ہوئے ..... انہیں خبر مل چکی تھی کہ "پوتا" گھر میں آیا ہوا ہے ..... اس خبر کے ملتے ہی وہ "صحن کعبہ" سے اٹھ کر سیدھے گھر آگئے تھے انہوں نے آتے ہی بہو کی گود سے یتیم پوتے کو اپنی آغوش میں لیا۔ دل بھر کر اس کے روشن چہرہ کی زیارت کی ..... پھر عبدالمطلب کے سینہ میں جوش محبت اُمڈ آیا۔ انہوں نے "پوتے" کے تابناک چہرہ پر بوسوں کی بارش کر دی۔ پھر جب دل بھر گیا تو حلیمہ سے بولے ..... شاید تمہیں معلوم نہیں' مکہ میں ہیضہ پھیلا ہوا ہے ..... روز کسی نہ کسی گھر سے جنازہ اٹھتا ہے۔

ہاں میں نے سنا تھا ..... حلیمہ نے جواب دیا ..... لیکن مجھے دستور کے مطابق آپ کی امانت آپ تک پہنچانا بھی ضروری تھا۔

ہاں یہ تو ہے ..... سید القریش نے قدرے پریشانی سے کہا ..... لیکن میں اپنے لختِ جگر کے اس ٹکڑے کو اس شہر پر آشوب میں نہیں رکھ سکتا ..... تم اسے واپس لے جاؤ ..... عبدالمطلب نے نور کے ٹکڑے کو چومتے ہوئے بات پوری کی ..... اور جب اس وبا کا زور ختم ہو جائے تو پھر لے آنا۔

تمہیں اس کا منہ مانگا معاوضہ ملے گا ..... سید القریش حضرت عبدالمطلب نے اعتماد سے کہا ..... اور پچاس دینار کی تھیلی ان کی طرف بڑھا دی ..... حلیمہ نے تھیلی کی طرف توجہ دینے کی بجائے ..... "محمدؐ" کو ماں کی گود سے لے لیا ..... وہ تو خود یہ چاہتی تھی کہ اس در نایاب کی خدمت کا مزید موقع مل جائے ..... "محمدؐ" کو ..... اپنی آغوش محبت میں لے کر وہ صدر دروازہ کی جانب تیزی سے بڑھیں جہاں ان کی ناقہ بیٹھی جگالی کر رہی تھی۔ عبدالمطلب ان کے ساتھ ہی باہر

آئے۔ اور انہیں "محمدؐ" کی خدمت کے صلہ میں بھاری معاوضہ کا یقین دلاتے رہے ...... ماں نے دروازہ پر کھڑے ہو کر اپنے "نور نظر" کو الوداع کیا ...... اور حلیمہ اس چاند کو لے کر واپس اپنے قبیلہ میں لوٹ آئیں۔

میری نظروں کے سامنے ایک بار پھر وہ نخلستان آ گیا جس میں قبیلہ "بنو سعد" کے مکانات تھے ...... تین سال تک دائی حلیمہ کو یہ سعادت حاصل رہی ...... کہ نور نبوت کی پرورش کرتی رہیں ...... بنو سعد کا قبیلہ فصاحت میں تمام عرب میں مشہور تھا ...... اس قبیلہ میں بلند پایہ شاعروں اور شعلہ بیان مقرروں کی بہتات تھی ...... عربوں میں ایک مثل مشہور تھی کہ "بنو سعد" کے کھیتوں میں فصاحت اگتی ہے ...... لیکن "محمدؐ" کے میٹھے بول سن کر سب حیرت زدہ رہ جاتے تھے ...... بڑے بڑے شاعروں کا کہنا تھا کہ کمسنی میں یہ اعجاز گویائی ہے تو پھر بڑے ہو کر فصاحت اور حسن تکلم کو ان لبوں پر بڑا ناز ہو گا ...... پھر یہی نہیں ...... حق و انصاف کے تقاضا کو اس طرح پورا کرتے ...... کہ دائی حلیمہ کی بکری کا دودھ پیتے تو دوسرے تھن کو منہ نہیں لگاتے ...... اپنی رضاعی بہن کے لئے چھوڑ دیتے ...... بچپن میں اس معصوم حرکت کو دیکھ کر حلیمہ کے گھر والے تعجب سے کہتے ...... کہ عبداللہ کا یہ بیٹا بڑا ہو کر دنیا کو انصاف اور بھلائی سے معمور کر دے گا ...... اور پھر جب "محمدؐ" کی عمر پانچ سال ہوئی تو آمنہ کو پھر امانت لوٹانے کا خیال آیا ...... ادھر مکہ سے بھی وبا کے ختم ہونے کی اطلاعات ملنے لگیں تھیں ...... دائی حلیمہ اور ان کے گھر والے اس در نایاب کو خود سے الگ نہیں کرنا چاہتے تھے ...... لیکن امانت لوٹانا بھی ضروری تھا ...... عربی دستور کے مطابق شیر خوار بچہ

کو واپس والدین تک پہنچانا فرض تھا۔ دائی حلیمہ کو یہ فرض کچوکے دیئے جا رہا تھا اور بالاخر انہوں نے اس امانت کو واپس کرنے کا فیصلہ ہی کر لیا۔ اور پھر ایک صبح ان کی ناقہ پر ان کے شوہر نے "محمل" کسا اور دائی حلیمہ کو مکہ کی جانب روانہ کر دیا۔

○

"محمدؐ" کو پا کر "آمنہ" کو ایسا محسوس ہوا جیسے دنیا بھر کا خزانہ مل گیا ہو ...... انہوں نے "محمدؐ" کی پیشانی کو جی بھر کر چوما۔ اپنے لخت جگر کو سینہ سے لگایا ...... اور اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھیں کے سامنے اپنے شوہر "عبداللہ" کا چہرہ گھوم گیا ...... اگر آج وہ زندہ ہوتے تو اپنے بیٹے کو دیکھ کر کس قدر مسرور ہوتے ...... بی بی آمنہ نے سات سال کا عرصہ بیوگی میں گزارا تھا ...... سید القریش عبدالمطلب نے فرشتہ صفت بہو کی ہر طرح سے دلجوئی کی۔ لیکن "رنڈاپا" خود اپنی جگہ ایک مسلسل غم ہے۔ کوئی حسن سلوک اور نیک برتاؤ اس غم کا مداوا نہیں کر سکتا۔

آمنہ کی دنیا میں تو اب بس "محمدؐ" کے دم سے خوشی تھی ...... اپنے یتیم بیٹے کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں - ساتھ ہی ان کے دل و دماغ میں یہ خیال بھی جڑ پکڑتا رہا ...... اور کچھ نہیں کر سکتی تو بیٹے کو باپ کی قبر تو دکھا سکتی ہوں۔

حضرت بی بی آمنہ کے ننھیال کے لوگ "یثرب" میں رہتے تھے ان سے بھی ملے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا تھا ...... دوسرے رشتہ داروں سے مل کر یوں بھی غم کا بوجھ قدرے کم ہو جاتا ہے۔ اور پھر یثرب کے قریب ہی "ابواء" میں شوہر بھی دفن تھے ...... ابدی جدائی کے باوجود آمنہ کے دل سے شوہر کی محبت نہیں گئی

تھی ...... انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی سہی میں شوہر کی قبر کی زیارت
ضرور کروں گی اور انہیں بتا دوں گی ...... کہ اے شریک سفر دیکھو کہ تمہاری
امانت کو ابھی تک سینہ سے لگائے جی رہی ہوں ...... ان امیدوں اور خیالات کے
ساتھ ہی آمنہ نے اپنے سسر سے اجازت لی- اور ایک مختصر سے قافلہ کے ساتھ
یثرب روانہ ہو گئیں ...... پر اعتماد اور وفادار کنیز "ام ایمن" ساتھ تھیں-

○

یثرب میں بی بی آمنہ پہنچی تو یثرب والوں نے بڑی آؤ بھگت کی ...... یوں تو
سارا یثرب ہی مہمان نوازی میں مشہور تھا لیکن "بنو نجار" کا تو جواب ہی نہیں تھا
...... مہمان کسی کا بھی ہو "بنو نجار" اس کی راہ میں آنکھیں بچھا دیتے تھے حضرت
بی بی آمنہ تو ان کی اپنی تھیں ...... خوب خاطر تواضع کی اور نہایت ہی مدارات
اور وسعت خلق و مروت کے ساتھ پیش آئے ...... بڑی بوڑھی عورتوں نے بیوہ
آمنہ کو سینہ سے لگایا- اور شفقت سے یتیم "محمدؐ" کے سر پر ہاتھ پھیرا ...... "محمدؐ
" نے ان سب کو اپنی نورانی آنکھوں سے دیکھا ...... جیسے کہہ رہے ہوں ...... تم
نے مجھے پیار و محبت دیا ہے ...... میں تمہیں رحمتیں دوں گا ...... ماں کی آغوش
میں "محمدؐ" کے وقار اور متانت کو دیکھ کر سب تعجب کرنے لگے-

خاندان میں اور خاندان کے باہر چرچے ہونے لگے ...... کہ مکہ کے خاندان
"بنو ہاشم" کا ایک بچہ آیا ہے جس کے لبوں سے الفاظ موتیوں کی طرح بنے
سنورے نکلتے ہیں ...... جس کی پیشانی سے اقبال و سعادت کا آفتاب طلوع ہوتا
نظر آتا ہے ...... جس کی باتیں اس قدر دلکش ہوتی ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ "بنو

ہاشم" کا یہ بلبل ہمیشہ چہکتا رہے ...... خاندان کے لوگ ملنے تو آمنہ سے آتے تھے
لیکن مرعوب کم سن "محمدؐ" سے ہوتے تھے ...... جو ایک بار اس بچہ سے مل لیتا
تھا، گھنٹوں واپس جانے کا نام ہی نہیں لیتا تھا-

ایک ماہ تک رشتہ داروں میں رہنے کے بعد حضرت بی بی آمنہ واپس مکہ
جانے کے لئے روانہ ہوئیں-اور راستہ میں مقام "الابواء" میں ٹھہر گئیں ......
یہاں مرحوم شوہر کی قبر تھی ...... ننھے "محمدؐ" کی انگلی تھامے شوہر کی قبر پر آئیں
اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں ...... دل کی ایک ایک چوٹ ابھر آئی ...... سینہ کا
ایک ایک زخم ہرا ہو گیا ...... شوہر کی قبر سے لپٹ کر جوانی میں داغ مفارقت
دینے کا شکوہ کیا ...... اور اللہ سے یتیم بیٹے کی اقبال مندی کی دعائیں کیں- شوہر
کی قبر سے لپٹ کر کچھ ایسا شکوہ کیا کہ بستر سے جا لگیں ...... یوں معلوم ہوتا تھا
کہ شوہر کو بھی بیوی کے بغیر چین نہیں ...... ہر مرض شروع میں معمولی ہوتا ہے
لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے، مرض کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا
ہے- اور پھر اچانک ہی ملک عدم کا سفر شروع ہو جاتا ہے ...... شوہر کی قبر کی
زیارت موت کا بہانہ بن گئی ورنہ آمنہ تو اس دن مر گئی تھیں جس دن "حارث"
نے عبداللہ کے مرنے کی خبر دی تھی ...... وہ تو صرف اپنے شوہر کی نشانی کو سینہ
سے لگائے جی رہی تھیں ...... اب اللہ کو ابھی ان دو محبت کرنے والوں کی دوری
پسند نہ تھی ...... اللہ نے آمنہ سے صرف اتنا ہی کام لینا تھا کہ وہ اس کے بھیجے
ہوئے "نبیؐ" کو صرف پاؤں پاؤں چلنا سکھا دیں- اس کے بعد ان کا کام ختم تھا-

○

حضرت بی بی آمنہ کو مرنے سے زیادہ غم اس بات کا تھا کہ میرے بعد ...... میرے دل کے ٹکڑے کا کیا ہو گا۔ پیدائش سے پہلے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اب کچھ ہوش سنبھالا تھا تو موت ماں کو بھی چھین رہی تھی ...... ام ایمن ' وفا دار کنیز تسلی دیتی ...... ڈھارس بندھاتی ...... ام محمدؐ! زندگی سے مایوس نہ ہو۔ تم اچھی ہو جاؤ گی ...... اس تسلی سے حضرت بی بی آمنہ کے چہرہ پر شادابی آ جاتی ۔ مگر دراصل یہ شادابی مرگ ہوتی ہے جو کہ دھوکا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا' حضرت بی بی آمنہ کی حالت بگڑتی جا رہی تھی ...... اپنے لخت جگر "محمدؐ" کو شفقت سے قریب بلایا اور بڑے ہی پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا' جیسے بیٹے سے رخصت ہو رہی ہوں ...... یہ آخری ہاتھ ماں کے پیار کا آخری لمس تھا ...... بی بی آمنہ نے کچھ کہنے کی خاطر ہونٹوں کو جنبش دی' لیکن نزع نے کہنے کی مہلت ہی نہ دی ...... ڈبڈباتی آنکھوں سے بیٹے کو دیکھتی رہ گئیں ...... "محمدؐ" پردیس میں بے یار و مددگار رہ گئے ...... شوہر کی محبت نے آمنہ کے پاؤں کو ایسا جکڑا کہ جلد ہی ان کے پاس پہنچ گئیں۔

"محمدؐ" نے اتنی چھوٹی سی عمر میں پہلا سانحہ دیکھا تھا ...... ماں کی ابدی جدائی اور وہ بھی پردیس میں ...... ام ایمن نے "محمدؐ" کو روتا دیکھ کر کلیجہ سے لگا لیا اور تسلیاں دی ۔ مگر یتیم "محمدؐ" کے لئے ماں کے مرنے کا غم بڑا ہی دردانگیز تھا۔

سید القریش عبدالمطلب کو ہر وقت بہو اور پوتے کی واپسی کا انتظار رہتا تھا ...... ام ایمن چند دن کے بعد یتیم "محمدؐ" کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئیں ... میری نگاہیں ناقہ ام ایمن کے تعاقب میں تھیں ...... سرسبز و شاداب خطہ کو

کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ان کا ناقہ صحرا میں داخل ہوا۔ اور کچھ دور چلنے کے بعد ریت کے بڑے ٹیلوں کے پیچھے غائب ہو گیا ...... میں ناقہ کے تعاقب میں دوڑا' اور گرتا پڑتا مشکل سے ریت کے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ لیکن یہ کیا .... میرے سامنے ایک دوسرا ہی منظر تھا ...... ٹیلے کی دوسری جانب "رن وے" تھا۔ اور ایک نیا جہاز کھڑا تھا۔

دنیا میں کئی ایسے ترقی یافتہ ممالک ہیں جنہوں نے جنگلوں اور صحراؤں میں ایسے "رن وے" قائم کر رکھے ہیں جہاں کسی بھی غیر اتفاقی حادثہ کی صورت میں جہاز کو ہنگامی طور سے اتارا جا سکتا ہے ...... میرے جہاز کو کب اور کس قسم کا حادثہ پیش آیا تھا مجھے اس کا قطعی علم نہیں ...... مجھے تو صرف اتنا یاد تھا کہ "اللہ رکھی" نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔ اور میں نے اس سے حضور اکرمؐ کا زمانہ دکھانے کو کہا ...... اور اس کے ساتھ ہی میں چودہ سو سال پرانے ماضی میں پہنچ گیا تھا ...... میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کی جوانی سے لے کر حضورؐ کی والدہ کی وفات تک کا زمانہ دیکھا تھا ...... پھر ...... پھر میں اس مبارک ماضی سے اچانک ہی نکل آیا تھا اور غیر معروف ہوائی اڈہ پر موجود تھا جہاں میرے جہاز نے کریش لینڈنگ کی تھی ...... مسافر ایک دوسرے جہاز میں سوار ہو رہے تھے ...... میں نے آنکھیں پھاڑ کر اللہ رکھی کو تلاش کیا۔ لیکن وہ کہیں نظر نہیں آئی ...... میں بھی بادل ناخواستہ جہاز میں سوار ہو گیا اور جب میں جہاز کے دروازہ سے اندر داخل ہوا "اللہ رکھی" ایئر ہوسٹس کے لباس میں کھڑی مسکرا رہی تھی ...... اللہ رکھی ...... میں نے تعجب سے کہا۔

اللہ رکھی ایئرہوسٹس ...... اس نے جملہ پورا کیا۔ پھر سرگوشی سے بولی ......
روحانی انسان کے لئے وقت اور زمانہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

میں ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا ...... اپنی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ اور میرے ساتھ گزرے ہوئے زمانہ پر غور کرو ...... ان شاء اللہ اب تم سے ملاقات "حرم کعبہ" میں ہو گی۔

○

میرے ذہن میں ہزاروں سوالات تھے جو میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن کوشش کے باوجود نہ پوچھ سکا ...... میں نے سوچا ...... اب "حرم کعبہ" ہی میں اس سے بات کروں گا ...... ہوائی جہاز اس غیر معروف ہوائی اڈہ سے اڑا، اور ریاض پہنچ گیا ...... پھر ...... پھر میں وہاں سے "حرم کعبہ" گیا۔ اور اللہ رکھی کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن اسے نہ ملنا تھا اور نہ ملی ...... اس دوران میں نے "عمرہ" ادا کیا۔ اور "اللہ رکھی" کی تلاش سے مایوس ہو کر لندن چلا گیا ...... اب میری زندگی کے دن ہنسی خوشی گزر رہے ہیں لیکن "اللہ رکھی" کی یاد دل سے نہیں جاتی۔ اور آج بھی کبھی کبھی آپ کو کراچی کی پر ہجوم سڑکوں پر اور مصروف بازاروں میں ایک خوش پوش ادھیڑ عمر کا شخص ملے گا جس کی پیشانی پر تجسس کی لکیریں نمایاں ہوں گی ...... اور اس کی چمکتی آنکھیں کسی چہرہ کی متلاشی نظر آئیں گی کہ وہ کسے تلاش کرتا ہے اللہ رکھی کو ...... یا ماضی کو۔

ذی احترام خواتین و حضرات!

سوا دو سال تک کہانی "اللہ رکھی" روحانی ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہوتی رہی۔ قارئین نے اس کہانی کو جس جذبہ اور شوق سے پڑھا۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ ہمارے کرم فرما دوست محمد مونس خان عظیمی تو اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں ان کی یہ تحریر ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

محمد مونس خان عظیمی، سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے ممتاز رکن اور خانوادہ سلسلہ عظیمیہ کے عاشق صادق تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

(آمین)

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی پاکستان